



ڈاکٹر زاہر حسین لائبریری

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY

JAMIA MILLIA ISLAMIA

JAMIA NAGAR

NEW DELHI

Please examine the books before
taking it out. You will be responsible
for damages to the book discov-
ered while returning it.

DUE DATE

Cl. No.

Acc. No.

Late Fine Ordinary Books **25 Paise** per day. Text Book
Re. 1/- per day Over Night Book **Re. 1/-** per day.

--	--	--	--

۵۹

جلد ۱ - ماہ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ - نمبر ۱

مجلس ندوة العلماء کا ماہوار علمی سالہ

(39)

جن کا مقصد

علوم اسلامیہ کا احیاء و تطبیق معقول و منقول اور علوم قدیمہ و جدیدہ کا موازنہ

ترجمہ

شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی و مولوی حبیب الرحمن شبرانی

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹	عادی - - - -	۱	۱۔ السنہ کا نیا دور - - -
۱۹	۴۔ علم الحدیث - سید سلیمان دہلوی - -	۲	۲۔ مسائل فقہیہ پر ضرورتوں کا اثر - -
۳۰	۵۔ نصاب تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء - -		۳۔ ایاموسی جابرین طرہوسی - مولوی عبدالرحمن

مطبع معیہ مگر اگر تمام محکماتی قاعدی خاص و فی حسیہ

دفتر ندوة العلماء لکھنؤ سے شائع ہوا

نذر اللہ

ندوہ العلماء کی طرف سے اس پرچہ کے نکلانے کا جب جگہ خیال آیا تو میں حیدر آباد میں سما نظامت کے علمبرداروں پر امور ہمارے میں جانتا تھا کہ پرچہ کا مستقبل انتظام سو قوت تک نہیں ہو سکتا جب تک میں خود ندوہ العلماء کے کے صدر مقام یعنی کٹنہ میں موجود نہ ہوں لیکن چونکہ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ غریب ملازمت چھوڑ کر ندوہ میں آ جاؤں گا اس لئے میں نے ناظم ہنگامہ لکھا کہ پرچہ بلا انتظار جاری کر دیا جائے چنانچہ وہ جاری کر دیا گیا، لیکن اوسہ تو استغنا کی منظوری میں ایک مدت صرف ہو گئی، ادھر میں بیماریاں ہوئیں اور بیماری نے اس قدر طول کھینچا کہ چار مہینے تک میں صاحب فراش رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں خود جب خواہش مضامین نہ لکھ سکا، اور پرچہ کے بہرہ نیکے لئے اس درجہ کے مضامین لینے پر مجبور ہوا۔ ندوہ کے شایان شان نہ تھے، اس کے ساتھ میری افسردگی کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ میں چاہتا تھا کہ پرچہ کٹنہ سے نکلے جو ندوہ کا صدر مقام ہے، لیکن ناظم صاحب کے اصرار سے وہ شاہجہاں پور سے نکلنا رہا جس نے پرچہ کو ندوہ اور ارکان ندوہ سے اچھی طرح رو شناس نہ ہونے دیا۔

بلکہ میں ہی اس پرچہ کی طرف سے سر و مہری سی رہی جسکی وجہ یہ تھی کہ پرندوہ العلماء کے نام سے نکلا اور اکثر نئے تعلیم یافتہ لوگوں کو ندوہ سے ایک قسم کی رقابت کا بیجا خیال ہے، علماء اور قدیم تعلیم یافتہ لوگوں سے ہمدردی اور قدر وانی کی امید ہو سکتی تھی لیکن اس گروہ میں اس قسم کا مذاق ہی نہیں، اس کے ساتھ البتہ وہ کے مضامین تنگ خیال علماء کی مرضی کے موافق ہی نہ تھے۔

بہر حال اب میں ندوہ میں آ گیا ہوں دفتر بھی شاہجہاں پور سے اٹھ آیا ہے، چھپنے کا بندوبست بھی میں سے ہو گا ان وجہ سے امید ہے کہ آئندہ پرچہ اچھا نکلے اور وقت پر نکلے۔

مکتبہ نبی قمریت اس کے مولیٰ ہے کہ مولیٰ عبدالمعتمد بن عباسی جو عربی زبان کو مشہور عالمی زبان کرادیں اور جو کچھ مکتبہ نبی قمریت کے بنیاد میں نقل ہو تو وہیں انہوں نے اللہ کو میں مضمون لکھنے کا مستحق سمجھا۔ کیا ہر گویا یہ وہ ایضاً کے طور پر ایک غم و مضمون عنایت ہی فرمایا ہے جواب کے پرچوں میں درج ہے، اس میں سوچی سوچی کوئی اور دست پیرا ہوئی ہو کہ خود ہماری دارالعلوم نہ وہ العلماء میں اس طلبہ تیار ہو تو ہمارے جو علمی مضمون بیگانی کو تو ایضاً اور کئی زبان میں اور دارالعلوم کی یہ وہ خصوصیت ہے جو دوسرے مدرسہ میں ہونے پر سب سے نہیں مل سکتی۔ اس پرچے میں مزید بحث پرچوں مضمون پر وہ دارالعلوم ہی کے ایک ہونا طالب العلم کا نتیجہ فکر ہے۔

انشاء اللہ یہ ہر چہ میں ان طلبہ کے خیالات و معلومات کے نمونے نظر آئیں گے۔

مسائل فقہیہ پر زمانہ کی ضرورتوں کا اثر

ہمارے مخالفین نے سیکڑوں بار کہا ہے اور اب بھی کہتے ہیں کہ اسلام کا قانون اس مسائل فقہیہ پر مشتمل ہے جبکہ کسی طرح جنبش نہیں ہو سکتی، یعنی اس میں ترقی کی کوئی گنجائش نہیں اور اس وجہ سے وہ کسی طرح زمانہ کی ضرورتوں کا سامنا نہیں دے سکتا۔ ہمارے متعلق اگرچہ یہ کہنا چاہتے ہیں تو مخالفین کہتے ہیں کہ یہ آجکل کے خیالات کا اثر ہے اور نہ قدماے اسلام نے نزدیک مسائل فقہیہ میں کسی اصلاح اور تغیر کی گنجائش نہیں، اس بنا پر ہم اس کے متعلق کچھ کہنا نہیں چاہتے بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ سلف نے خاص اس مضمون پر کیا لکھا ہے۔ فقہائے متاخرین میں سے علامہ شامی کو جو شہرت اور حق قبول حاصل ہوا کم کسی کو ہوا ہوگا۔ انہوں نے خاص اس بحث پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام نشو العرف فی بناء بعض الأحکام علی الصوف ہے یہ رسالہ اور بہت سے رسالوں کے ساتھ سنہ ۱۲۸۷ھ میں بمقام دمشق چھاپا گیا گیا ہے۔ اس رسالہ میں علامہ موصوف نے نہایت تفصیل سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ ہم اس کے جہت جہت مقامات اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔

اعلم ان السائل للمفهمة الاول
تكون ثابتة بصريح نص وهي الفصل
الاول واما ان تكون ثابتة بغيره
اجتهاد ورأي وكثير منها ما بينه
المجتهد على ما كان في عرف زمانه
بحيث لو كان في زمان العرف
لحادث لقال بخلاف ما قاله
اولا ولهذا قالوا في شروط
الاجتهاد انه لا بد فيه من معرفة
عادات الناس فكثير من الاحكام
تختلف باختلاف الزمان لتغير
عرف اهله او لحدوث ضرور
او فساد اهل الزمان بحيث لو بقي
الحكم على ما كان عليه اول الزمان
منه المشقة والضرب بالناس
ولخالف قواعد الشريعة المبنية
على التخفيف والتيسير دفع الضرر
والفاد لبقاع العالم على انه نظام
واحسن احكام ولهذا ترى مشايخ

بنابا پرستہ کہ سائل فقہیہ یا سراج نص ہے
ثابت ہوگی، ان سائل کو ہم نے پہلی فصل میں
بیان کیا ہے۔ یا اجہاد اور اسے سے ثابت
ہو گئے ان میں سے اکثر سائل ایسے ہوتے
ہیں جبکہ مجتہد نے اپنے زمانے کی رواج کے
موافق قیام کیا تھا۔ اس لیے کہ اگر وہ (یعنی مجتہد)
آج کے زمانے میں موجود ہوتا تو بخیر قول کے
خلاف کہتا۔ سی بنا پر اجہاد کے شرائط میں لوگوں
نے اس کو بھی دخل کیا ہے کہ مجتہد لوگوں کے
رسوم و رواج سے واقفیت رکھتا ہو کہ اگر اکثر احکام
زمانہ کے امتداد سے بدل جاتے ہیں پھر اس کے
کہ رواج بدل گیا یا کوئی نئی ضرورت پیدا ہوگی
یا زمانہ کے لوگ بد روش ہو گئے اس صورت میں
اگر وہ پہلا حکم بانی رہے تو اس سے لوگوں کو
تکلیف اور بے چینی اور شریعت کے ان قواعد
کی مخالفت لازم آئے جن کی بنیاد آسانی اور
دفع ضرر پر ہے تاکہ دنیا نایف اعلیٰ درجہ کی نظم
و نسق پر قائم رہے
اسی بنا پر ہم دیکھتے ہو کہ مشایخ فقہ نے اکثر

المذہب خالفوا مانص علیہ
المجتہد فی مواضع کثیرۃ بناھا
علی ما کان فی زمانہ لعلہ
بانہ لو کان فی زمنہم لقال ما
قالوا بئذ۔

موقوفوں پر مجتہد کی منصوبات سے اختلاف
کیا ہے جنگی: مادی مجتہد کے زمانہ کے حالات
کے موافق تھے کیونکہ شیخ کو یہ معلوم ہے کہ اگر
آج خود مجتہد موجود ہوتا تو وہی کتا جو انہوں
نے لکھا۔

اسکے بعد مصنف نے بہت سی مثالیں دیں ہیں جن میں زمانہ کی رسم و عادت کی وجہ سے
اد کا م بدل گئے ان میں سے چند یہ ہیں۔
پہلے بتدین کا یہ فتویٰ تھا کہ قرآن مجید کی تعلیم پر معاوضہ لینا جائز نہیں، اب فقہار نے
اسکے جواز کا فتویٰ دیا۔

امام ابو حنیفہ کا یہ فتویٰ تھا کہ گواہ کافی نہیں نقد ہونا کافی ہے، امام ابو یوسف اور امام محمد نے
ظاہری عدالت کو نا کافی قرار دیا کیونکہ امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں اکثر لوگ نقد اور عادل ہوتے تھے
اسکے ظاہری عدالت کافی تھی لیکن پھر وہ حالت نہیں رہی۔

پہلے وصی کو یتیم کے مال میں مصاربت کا حق حاصل تھا، متاخرین نے اسکو ناجائز قرار دیا
آن حضرت کے زمانے میں عورتیں مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہوتی تھیں، متاخرین نے منع
کر دیا۔

مزارعت و معاملت۔ وقف میں، امام ابو حنیفہ کا قول معمول یہ نہیں ہے بلکہ امام ابو یوسف
اور علامہ محمد کے قول پر فتویٰ ہے،
بیع بالوفاء پہلے ناجائز تھی، پھر جائز قرار دی گئی۔
لے رسالہ مذکور صفحہ۔

اس قسم کی قرآن و شانیدہ مصنف نے پیش کی ہیں جن میں نلنے کے اختلاف و حالت کی وجہ سے احکام فقہی بدل گئے۔

اس کے بعد مصنف نے یہ سوال قائم کیا ہے کہ اب اس زمانہ میں احکام کا بدلنا جائز ہے یا نہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔

فان قلت العرف يتغير ويختلف باختلاف الزمان فلو طرأ عرف جديد هل للمفتي في زماننا ان يفتي على وفقه ويخالف المنصوص وكذا اهل المحاكم الامم العمل بالقراین قلت مبني هذه الرسالة على هذه السبلة فاعلم ان المتأخرين الذين خالفوا المنصوص في كتب المذهب في المسائل السابقة لم يخالفوه الا بالتغير الزمان والعرف وعلمهم ان صاحب المذهب لو كان في زمنهم لقال بما قالوا۔

اگر تم یہ کہو کہ راج تو زمانہ کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے تو اب اگر کوئی نیا روئے پیدا ہو تو ہمارے زمانے کے مفتی کو اس کے موافق فتویٰ دینا اور منصوصات کی مخالفت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اسید سراج آجکل حاکم وقت کو قراین بتلانا جائز ہے یا نہیں۔ تو میں کہتا ہوں کہ اس رسالہ کی بنیاد یہی مسئلہ ہے نہ کہ جاننا چاہیے کہ متاخرین نے ان تصریحات سے جو مستقیم کتابوں میں تھیں، اختلاف جو کیا اسی بنا پر کیا کہ اب زمانہ اور راج بدل گیا ہے اور اگر آج خود قدامت و موجود ہونے تو وہی کہتے جو مسمکتے ہیں۔

علامہ موصوف نے ایک اور رسالے میں جن کا نام شرح المنظومة ہے اس مسئلہ کو مضامین لکھا ہے اس میں لکھتے ہیں۔

فوقی القیۃ لیس للمفتی و لا
للقاضی ان یحکم علی ظاہر المذہب
و یترک العرف استہی ونقلہ منها
فی خزائن الروایات و ہذا صریح
فیما قلنا من ان المفتی لا یفتی
بخلاف عرف اہل زمانہ۔

اور قسطنطینہ میں مذکور ہے کہ مفتی اور قاضی
کو یہ جائز نہیں کہ ظاہر مذہب پر حکم دے اور
روایات کو چھوڑ دے۔ اور اسی کتاب سے خزائن
الروایات میں یہ قول نقل کیا ہے، اور یہ صریح
ہے اس قول کے موافق ہے کہ مفتی کو
اپنے زمانہ کے رواج کے موافق حکم نہیں

دینا چاہئے،

یہاں فرمایا شبہ یہ ہے کہ اگر شریعت کے احکام زمانے کے اختلاف سے بدل سکتے
ہیں تو اسکی حد کیا ہے۔ اہل زمانہ کی یہ حد بڑھتی بڑھتی خود فرائض مذہبی تک پہنچ سکتا ہے،
کیا زمانے کے اختلاف کے فرائض اور ارکان بھی بدل سکتے ہیں، یہ شبہ علامہ شامی نے اپنے
رسالے میں ذکر کر کے یہ جواب دیا ہے،

فنقول فی جواب ہذا الاشکال انہ
ان العرف نوعان - خاص و عام
و کل منہما اما ان یوافق الدلیل
الشرعی والنصوص علیہ فکتب
ظاہر الروایۃ اولافان وافقہما
لا کلہما و الا ما ان یخالف
الدلیل الشرعی او المنصوص علیہ
فالمذہب فنذکر ذلک فی بابین

تو ہم اس اعتراض کے جواب میں کہیں گے
کہ عرف کی دو قسمیں ہیں، عام و خاص۔ اولیٰ
و دون کی بھی دو صورتیں ہیں، یا تصریحات
ظاہر الروایۃ (یعنی امام محمد کی تصانیف سنہ)
کے موافق ہو گئی یا نہیں، اگر موافق ہو تو کچھ
پوچھنا ہی نہیں، اور اگر مخالف ہو تو ہم کو دو
بابوں میں لکھتے ہیں، پہلا باب جب کہ رواج
دلیل شرعی کے مخالف ہو، اس صورت

الباب الاول اذا خالف العرف
الدليل الشرعي فان خالفه من
كل وجه بان لم يهتد بكونه
فله شك في رد كتحارن الناس
كثيرا من المحرمات من الربا و
شرب الخمر ولبس الخمر والذهب
وغير ذلك مما ورد تحريمه نعتا
وان لم يخالفه من كل وجه بان
ورد الدليل عاما والعرف خالفه
في بعض افراد او كان الدليل قليا
فان العرف معتبر ان كان عاما فان
العرف العام يصلح محضما
كما مر عن التحريم ويترك به
القياس الخ

میں اگر بریل سے دلیل شرعی کے مخالف ہو جس
سے نص شرعی کا ترک کرنا لازم آئے تو اسکے
باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں، مثلاً اگر لوگوں
نے نبت سے محرمات کا معمول کر لیا ہے مثلاً
شراب، سو خمر اور زنی کا استعمال۔ مگر عزت
معاف نفس میں آئی ہے۔ اور اگر کلیۃً نفس میں
کا مخالف ہو مثلاً زنی کا دلیل عام ہو، اور رواج ایک
خاص صورت سے متعلق ہو، یا ایک دلیل کوئی نفس
نہ ہو بلکہ قیاس ہو تو اس صورت میں رواج کا اعتبار
کیا جائے بجز فیکہ رواج عام ہو، اور اس صورت
میں رواج دلیل شرعی کا محض واقع ہو سکتا
جیسا کہ تحریر (ایک کتاب کا نام ہے) کے حوالے
گذا چکا ہے۔ اور رواج عام کے مقابلہ میں قیاس
ترک کر دیا جائیگا۔

علامہ موصوفی نے اس مسئلہ کو ایک جزوی صورت میں سمجھا ہے۔ وہ یہ کہ مثلاً حدیث میں وارد ہے
کہ اگر کوئی شخص کسی کو اس شرط پر اپنا پیسہ کو دے کہ کہ اجرت کے لئے متاعی، اسکا ہوگا تو ناجائز
ہے جس سے مستبط ہوتا ہے کہ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو اس شرط پر دے کہ وہ اسکا
کپڑا بن دے اور اجرت کے معاوضہ میں ایک متاعی کپڑا لے لے، تو یہ معاملہ ناجائز ہوگا لیکن
جو کہ بیچ نہیں طریقہ عموماً معمول ہے، اس لئے بیع کے فقہاء نے اسکے جواز کا فتویٰ دیا اور یہ

اجاز دیا کہ روایات کی بنا پر حدیث میں تخصیص کر دی جائے گی یعنی حدیث صرف آٹے کی صورت

تک محدود رہے گی، علامہ کے خاص الفاظ یہ ہیں،

اور کتب کے اکثر مشایخ مثلاً نصیر بن یحییٰ و محمد

و مشایخ بلخ کنصیر بن یحییٰ و محمد

بن سلمہ وغیرہما کا فتوا یحییٰ بن

بن سلمہ وغیرہما کا فتوا یحییٰ بن

وسیع تھے کہ ان کے شہر میں یہ عام رواج

ہذا لا جازرۃ فی البشایب للتعامل

تھا اور رواج کے مقابل میں یہ ترک کر دیا جاتا ہے اور

اہل بلد ہمدان للتعامل حجة

حدیث میں تخصیص کر لی جاتی ہے۔

یتروک بہ القیاس و یخص بہ

الاشتر۔

ان تصدیقات کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ فقہ اسلامی میں ترقی، اور اقتضاے ضروریات

کی برائفت کی قابلیت نہیں۔ آج کل معاملات کے متعلق سیکڑوں ہزاروں جزئیات جو

پیدا ہو گئے ہیں، ان کو اگر ناجائز یا حرام کہا جاتا ہے تو اس بنا پر کہ ان کو کسی قدیم کلیہ کی سخت میں

داخل کر لیا جاتا ہے ورنہ یہ ظاہر ہے کہ یہ جزئیات اس زمانے میں موجود نہ تھے، لیکن علامہ شامی

نے سیکڑوں روایتوں کی اسناد سے ثابت کر دیا ہے کہ عام رواج کی بنا پر کلیات، کا حکم خاص

کر دیا جاتا ہے۔

ابو موسیٰ جابر بن حیان طرسوی

(۱۱۵-۱۶۱-۱۶۲ھ)

علمِ کیمیا کے تذکرے میں ابجل کے جاہل کیمیا گردن کی عبرت انگیز حالت کی تصویر کیجئے ہوئے ایک مشہور صاحبِ قلم نے یہ سوال کیا ہے کہ ”کیا ہمارے کیمیا گر ہمیشہ یہی اور ایسے ہی تھے یا کہیں ان کی حالت اس سے ابھی بھی تھی؟“ آپ نے چلکر خود ہی اس کے جواب میں ۸۶۷ء کا ایک واقعہ لکھا ہے جس میں صلیبیوں نے شہر عکہ کا محاصرہ کر لیا تھا اور دمشق کے ایک مسلمان کیمیا گر کی ایک عجیب و غریب اختراع کی وجہ سے جنگ میں کامیابی کا رخ مسلمانوں کی طرف مل گیا۔ اس واقعہ کو ابن اثیر نے بھی لکھا ہے اور تاریخ الکامل کی بارہویں جلد صفحہ ۱۸ میں کسی قدر تفصیل سے مذکور ہے۔ لیکن علمِ کیمیا کی اصلی تصویر تکمیل دیکھنا ہے تو دوسری تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے علمی موقع پر نظر ڈالو اور دیکھو کہ خالد بن یزید حکمرانی کی خواہش سے دست بردار ہو کر کیمیا سازی کے کارخانے قائم کرنے کی دہن میں ہے، امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ علومِ اہل بیت کی تعلیم کے ساتھ خاص خاص شاگردوں کو اسرارِ کیمیا کی بھی تعلیم دے رہے ہیں ابن جبرون نے تصحید و تقطیر کے طریقے لکھے ہیں، ابو الحسن اندلسی نے گیس و فلزات کے فوائد و دریافت کئے ہیں، ابو بکر رازی فن و دوا سازی کو ترقی و پیش رفت کے لئے کیمیا کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور زیت الزاج و الکحل ایجاد کر رہے ہیں اور جابر بن حیان نے حرارت کے ذریعے سے خفک چیزوں کا ارتقاع و دریافت کرنے، نائٹرک ایسڈ بنانے اور تحلیل و ترکیب کے قواعد منضبط کرنے سے ہمیشہ کے لئے ”موجد فنِ کیمیا“ کا خطاب حاصل کر لیا ہے،

پہنچ کر زمانہ درحقیقت بڑی خیریت کا زمانہ تھا۔ اسلام نے دلوں میں ایک حیرت انگیز
 جنس پیدا کر رکھا تھا۔ مسلمان جس چیز کی طرف توجہ کرتے تھے ان کے پیش پا افتادہ بن جاتے
 تھے۔ حدود سلطنت مشرقی میں چین اور مغرب میں دریائے رائن (واقعہ فرانس) سرحدت و فصل
 تھے۔ علم و فضل کی یہ کیفیت تھی کہ آٹھ برس کے لڑکے کو حفظ قرآن کے ساتھ تفسیر سے
 بھی مناسبت ہو جاتی تھی اور گیارہ برس کی عمر میں فقہ، حدیث، کلام، ادب، نحو اور بلاغت وغیرہ
 علوم کی تکمیل ہو جاتی تھی۔ اس زمانہ میں ممکن نہ تھا کہ مسلمان علم کیمیا کی طرف توجہ نہ کرنے
 انھوں نے توجہ کی اور ایسی توجہ کی کہ صاحب فن مشہور ہوئے۔ لاطینی زبان میں جو ان
 دنوں یورپ کی علمی زبان تھی، ان کی اکثر کتابیں ترجمہ ہوئیں اور اب بھی یورپ آف دوائے
 کتب خانہ میں موجود ہیں۔ مگر اس نمبر میں جو صرف جابر بن حیان کی مختصر لائف لکھی ہے
 اس لئے اس بکٹ کے متعلق تفصیلی بحث کو ہم آئندہ نمبروں کے لئے اٹھادیتے ہیں
 جابر کے ابتدائی واقعات۔ جابر کے متعلق ہماری واقفیت بالکل محدود ہے۔ انکی
 وفات پر تقریباً ۱۱۶ برس گزرے۔ لیکن اس طویل مدت میں کسی اسلامی مورخ نے ان کی بیوگرافی
 کی طرف توجہ نہیں کی اور اگر کی بھی تو اس وقت دنیا میں وہ خزانہ نایاب ہے۔ اہل یورپ، جابر کو
 "وجیبہ" کہتے ہیں اور فن کیمیا کا موجد تسلیم کرتے ہیں۔ سال گذشتہ پیرس کے کیمیکل سوسائٹی
 میں جابر کے خیالات اور رایوں کے متعلق کافی بحث ہوئی، مگر انھوں نے اس کا ایسے نامور ہیرو
 کے کارناموں سے اسلامی دنیا کو کچھ خبر نہیں۔ کشف الکونون وغیرہ میں جبرستہ کچھ باتیں
 اس جلی ہیروں کو بھی استراحت تھام۔ سہ ولادت تک صحیح طور سے مذکور نہیں، لیکن واقعات
 سے دریافت ہوتا ہے کہ ہشام بن عبد الملک کے زمانہ میں جب کہ ترکوں کی جنگ میں پہلوی
 لشکر نے ہمسایہ الامروہ بن سعید حشری کے ماتحت فغفور حنین کے بیٹے کو شکست دی ہے

جابر کی ولادت ہوئی اور جن سال ولید بن یزید کو مسند خلافت ملی ہے، اُس وقت
 جابر کا عرصہ ہوس کی تھی اور عرب کا پختہ تعلیم سے فراغت ہو چکی تھی اس حساب
 سے جابر کا سن ولادت ۱۱۵ھ اور سال تکمیل ۱۵۱ھ ہوگا۔

زادہ یوم میں بھی اختلاف ہے، کوفہ، دمشق اور الجزیرہ، بجائے خود اس شرف کی نسبت
 کا سبب اعلان ہے لیکن مشہور یہ سہ حکم طرسوس میں پیدا لیں ہوئی اور دمشق کی ابتدائی
 اقامت کے بعد پھر کوفہ میں بودا باش اختیار کی۔

علمی زندگی۔ جابر کی علمی زندگی کا پہلا مرحلہ یہ تھا کہ شاہزادہ خالد بن یزید کے دربار
 تک رسائی ہو گئی اور چند ہی روز میں اپنی ذہانت و نگاہ سنجی سے اچھا خاصہ رسوخ پیدا
 کر لیا۔ اُن دنوں فلسفہ و حکمت کی کتابیں نئی نئی عرب میں داخل ہو چکی تھیں اور خالد کے حکیمانہ
 لائق رفیقان، مسعود اور عمر کجراؤ اور بادشہ بن جواد کجرا۔ جابر کی ترقی استعداد کے لئے اس سے اچھا
 کوئی موقع نہ تھا، اُس نے اس علمی صحبت کی دیکھ بھل سے علمی فوائد حاصل کرنے میں
 کوئی کمی نہیں کی اور اُس وقت کے اکثر علوم میں مہارت جم پونچائی۔

اُن دنوں مصر یون اور کلدانیوں کے اختلاف ازلہ عرب کو بھی سونا چاندی بنانے کا
 مشتاق کر رکھا تھا۔ شاہزادہ خالد کو اس میں بڑا اہتمام تھا اور انھیں سے جابر کو بھی اس کی
 خواہش ہوئی اور ناقص غلات کو چاندی سونے میں منتقل کرنے کے عالمانہ انماک کا
 یہ نتیجہ ہوا کہ اجزاء کی تحلیل و ترکیب کے ایسے ایسے قواعد مرتب کئے جو یورپ کی جدید کیمیا
 کے اصول اولین سمجھے جاتے ہیں۔ اس فن میں جابر کو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ مستم
 ہست بڑی مدد ملی اور اُن کی کیمیاوی تعلیمات کی ایک مالی ہی اُس نے طیار کی جو ”زسائل
 جعفر صادق“ کے نام سے مشہور ہے۔

طرزِ تحریر۔ لیکن ان مسائل میں تحریر کی روش ایسی اختیار کی ہے جس سے طریق بیان بالکل دشوار نہ ہو گیا ہے۔ فقرات و معاون کے لئے اصطلاحیں ایسی قرار دی ہیں کہ عمل سمجھ میں آ سکتی ہیں۔ عبارت ایک طرح سے پیستان اور سمیات سے مشابہ ہے لیکن مفہم یہ ہے کہ سمیات سے کوئی مطلب نکل ہی آتا ہے مگر اس سے کوئی مطلب نکلتا ہی ہے تو تاویل طلب ہوتا ہے۔

نثر۔ مثال کے بطور چار کی تحریر کا ایک بہت ہی صاف اور واضح نمونہ کتاب ”مختصر الاکسیر“ کا ہے جس کا ترجمہ لافینی، فرانسیسی، جرمنی وغیرہ یورپ کی مختلف زبانوں میں ہو چکا ہے، پیش کرتے ہیں۔ اس میں سونا، تانبا اور انگ کی اجزائی ترکیبی سے بحث کرتے ہوئے مذہب ذیل اسے ظاہر کی ہے:

”الشمس تتألف من الزئبق اللطيف ومن قلیل من الکبریت الصافی الواضح الذی له احمر فاتح. وحيث لم يكن لهذا الکبریت لون واحد بل كان بعضه اعمق من بعض نشاء عن ذلك ان بعض الشمس افق من بعضة الآخر..... فاذا كان الکبریت غير صاف غليظ الاحمر اغبر وكان اکثره ثابتا وقله غير ثابت وكان ممزوجا بزئبق غليظ غير صاف بکیفیه يكون معها الواحد لا اقل ولا اکثر من الآخر تشکل من هذا المزيج الزهرة..... واذا كان للکبریت ثبات قلیل وبياض غير ناعم وكان الزئبق غير صاف وبعضه ثابت وبعضه طاهر لم يمكن له الا بياض غير کامل تشکل من هذا المزيج المستوی.....“

نظم۔ چار کو تصوف سے بھی لکھی تھی اور کہیا ہے یہی۔ ایسے شخص کو طبع

الکیمیاء کی اصطلاح میں جائی کہ آفتاب کہتے ہیں۔

تک مزاج اور زامہ خلک ہونا چاہیے تھا۔ لیکن جاہلین یہ باتیں نہ تھین۔ وہ صوفی بھی تھا اور کھلا ملا ظریف بھی، کیسی گراہی تھا اور بدلہ بیخ شاعر بھی۔ عرب کے عام مذاق سخن نے اسکو بھی زعمہ دل بنا رکھا تھا اور مختلف اوقات میں وہ اپنے جذبات کا نہایت آزادی سے اظہار کرتا تھا۔ ایک موقع پر جب اس کے اعزہ نے ترکہ تقسیم کر کے اس کا حصہ بھی اس خوف سے کہ ممانہ ری کے فیاضانہ مصارف میں جملہ تلف ہو جائیگا، اپنی زیر نگینی رکھا تھا، ایک نصیب دہ میں اپنے خیالات ظاہر کئے تھے جس کے چند اشعار یہ ناظرین میں سے

فلسان یقتسم مالی بنی و اخوت	فلن یقتسموا خلقی الکریم ولا فعلی
اھلین لھم مالی واعلم انی	سا ورنہ الامھیاء سیدۃ من قبلی
وما وحد الا ضیاف فیما ینوبھم	لھم عند عیلات الزمان اباضلی

مولفات۔ جابر کی تالیف سے ۱۰۰ کتابیں بتائی جاتی ہیں، جن میں اکثر تلف ہو گئیں اور اب صرف نام باقی رہ گیا ہے۔ علامہ ابن الدیم بغدادی نے کتاب الفرس میں ان کتابوں کا تذکرہ ہی کیا ہے۔ لیکن دراصل یہ کتابیں چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں جنکی مجموعی ضخامت قاضی القضاۃ ابن خلکان کی راسخیں بڑی تقطیع کے دو ہزار صفحوں سے متجاوز نہیں۔ مصر کے کتب خانہ خدیویہ میں جابر کی تین قلمی کتابیں ”کشف الاسرار و تنک الاستار“ اور ”مخارج مالی القوة الی الفضل“ اور ”الصنعة الالہیة والحکمة الفلسفیة“ موجود ہیں اور سمین یونیورسٹی (فرانس) میں ”مختصر الکسیر الکامل“ کا ایک نسخہ بھی ہے۔ اس کے علاوہ لیڈن، پیرس، اڈنبرا اور لندن

میں کئی ایسے نسخے اور باقی باقیے ہیں تاہم یہ عمدہ علامات و افعال کو نہیں بانٹ سکتے تھے۔ میں نے بھی اپنا مل دیا دیتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ مغرب زندہ دشت داروں کو انکا وارثین کو دنگا جیسا کہ مجھے پہلے عزیز کو کو گونج اپنا وارث چھوڑا تھے ممانہ پیش آنے والے اسہرین مجر باپ مصائب زمانہ کے وقفہ پائین گئے۔

کے کتب خانوں میں بھی جابر کی مختلف تالیفات موجود ہیں جن کا نام سمجھنا معلوم نہیں۔
 باطنی زبان میں ان کتابوں کے ترجمے بھی ہوئے اور فاتیکان (دو میکان) لیٹن اور اکسفورڈ
 میں اب بھی محفوظ ہیں، لیکن افسوس ہے کہ حیدرآباد اور امپور اور پٹنہ کے کتب خانوں میں
 ان کا کوئی نسخہ نہیں۔

جابر کی رائے میں معدنیات عناصر متشابہ سے مرکب ہیں سو اٹھویں
 صدی عیسوی تک یورپ بھی اسی مذہب پر مدار تھا لیکن آخر میں لافوائزہ وغیرہ کی تحقیقات
 نے سائنس کی صورت میں بدل دی۔ پھر بھی اجودہ کیلئے سے معلوم ہوتا ہے کہ آج کل علماء
 کیمیا کی چوراءے بے وہ بھی اسی سے ملتی جلتی ہے کیونکہ یورپ میں سا گزشتہ کے
 مباحث سے تسلیم کر لیا گیا ہے کہ عناصر زمین سے سواد کوئین کی ترکیب ہوتی ہے اور
 جنہیں ہم بسیط سمجھتے ہیں وہ خود بھی ایک عنصر سے مرکب ہیں اور ان کے خواص ظاہری
 کے اختلافات، درجات ترکیب کے تفاوت اور وضع چواہر کی کیفیت کے نتائج ہیں، یعنی
 سواد کوئین کامرچ نقطہ ایک عنصر ہے۔ ان باہمی ترکیب کے اختلاف سے عناصر بسیط کی
 کوئین ہوئی اور انہیں عناصر کی ترکیب سے اجسام بنے جن سے زمین اور تمام اجرام فلکی
 وغیرہ مرکب ہیں۔

عناصر اربعہ جابر کے۔ پہلے دریافت ہو چکے تھے جابر کو خود ان میں تجزیہ و عمران ہے
 مگر تجزیہ تحلیل و تقویمی یعنی مانتے ہیں کہ عناصر مرکب ہیں لیکن جن اجزاء سے مرکب ہیں ان سے

۱۔ اجزاء اربعہ کے ہر تجربہ میں ایک تقویمی دوسری تحلیل۔ اجزاء تقویمی وہ ہیں جن سے ذات کا تمام ہو۔ جیسے
 سہم کے لئے آدھ صورت۔ یا انسان کے لئے حیوان اور ناطق ہونا۔ اجزاء تحلیل وہ ہیں جو بیات کل کے معدوم
 ہونے پر حاصل ہوئے ہوں۔ جیسے ایک خفا کے چار ٹکڑے کہ ان میں ہر ٹکڑا جزو تحلیل ہے۔

ذوات کا قوام نہیں ملے سکتا۔

(۱) جتنے مادے ہیں وہ یا تو بسیط ہیں اور یا مرکب ہیں۔

(۲) ہر مرکب کی انتہا کسی بسیط پر پہنچی جائے ورنہ تسلسل لازم آئے گا۔

(۳) جتنے دیات ہیں سب کا قوام عناصر سے ہے۔

(۴) عناصر حقائق میں باہم ایک دوسرے سے متخالف ہیں۔

(۵) مجموعہ اجزائی حقیقت بعینہ کل کی حقیقت ہے۔ جیسے مجموعہ حیوان مطلق بعینہ انسان ہے۔

مثلاً ہوا ایک عنصر ہے۔ مندرجہ ذیل کے یہ عنصر مرکب ہو گا یا بسیط۔ اگر مرکب ہو تو اس کے اجزاء یا تو ہوائی ہونگے اور یا کسی اور عنصر کے ہونگے۔ اگر کسی اور عنصر کے ہوئے تو اس عنصر کے سب اجزاء کو چاہئے کہ ہوائی ہوں (د) حال اُن کہ دونوں کی حقیقتوں میں باہم تخالف ہے۔ (۴) اور اگر وہ اجزاء ہی ہوائی ہیں تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرکب ہیں یا بسیط؟ مرکب جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں نہیں ہو سکتے۔ نہ بارذات نہ بالغیر۔ لامحالہ بسیط ہونگے۔

یہ تو جابر کا مذہب تھا۔ لیکن موجودہ تحقیقات نے گو اس کی صورت بدل دی ہے پھر بھی نفس الامر سے انکار نہیں ہو سکتا۔ علماء یورپ کی رائے میں مسموم و قسم کے ہیں۔ ایک ذی روح ایک غیر ذی روح۔ اجسام ذی روح کو ”ذوات الاعضاء“ یا ”ذوات الآلات“ کہتے ہیں۔۔۔ جیسے نباتات حیوانات اجماع اجسام کہ ان دونوں سے نکلے ہیں۔ مثلاً نشاستہ جو دانوں سے بنتا ہے، شکر جو گنے سے بنتی ہے اور البومین جو مرغی کے انڈے سے نکلتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اجسام غیر ذی روح کو ”اجسام عنقویہ“ یا ”اجسام آلیہ“ کہتے ہیں۔ یہ سب اجسام تقریباً چار بسیط جسموں سے مرکب ہیں۔

(۱) کولار کاربن

(۲) سیٹوجن - جس سے پانی کی تولید ہوتی ہے۔

(۳) ایکسجن - جس سے گیس کی تولید ہوتی ہے اور احتراق پیدا ہوتا ہے۔

(۴) آزوت - جو ہوا کا اساسی عنصر ہے۔

ان عناصر کے بعد جو عناصر عضویہ کہتے ہیں۔ کیوں کہ اجسام عضویہ و اجسام ذوات الاعضا کی ان سے تشکیل ہوتی ہے۔ ہر چیز کہ ان عناصر میں ہی تحلیل کے بعد بعض اجزاء مثلاً گندہک اور فاسفورس وغیرہ دریافت ہوئے ہیں، لیکن اجزاء تحلیل کی اجزاء کہنا ہی سامعہ ہر چیز کہنا ان ذرات کا قوام ہوتا ہے اور ترکیب میں مدخلتی ہے۔

علماء یورپ کی یہی رائے ہے کہ معدنیات میں قریب قریب ۷۰ بسیط جسم پائے جاتے ہیں۔ مثلاً۔ سونا، چاندی، پلاٹین (امرکین سلور) لوہا، تانبا، پارہ، قوتیا، گندہک، فاسفورس، سوڈا، اور پوتاش وغیرہ۔ لہذا عناصر عضویہ سے ہوا کی (جو کرہ زمین و کرہ آب کو محیط ہے) اور تمام اجسام ذی روح کی اور ان اجسام کی جو ذی روح جسموں سے بنتے ہیں، تشکیل ہوتی ہے، باقی عناصر بسیط جن کی تعداد ۷۰ (۷۰) کے قریب ہے ان سے طبقات الارض کی تشکیل ہوتی ہے۔ پس جابر اور لافاز یہ کی رایوں میں بہت کم اختلاف ہے۔ بلکہ دونوں کی رائے گویا ایک ہیں۔ کیونکہ عنصر خاک کاربن کے عنصر کے مشابہ ہے اور عنصر آب، ہائیڈروجن کا دوسرا نام ہے جس سے پانی کی تولید ہوتی ہے۔ ہوا اور آزوت جو ہوا کا اصلی و اساسی عنصر ہوا گویا ایک ہیں اور آگ میں اور ایکسجن میں جس سے احتراق کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور گیس کی تولید ہوتی ہے کوئی ظاہری فرق نہیں۔

جابر کے اعمال - جابر کے مختلف کاموں اور کیمیاوی ایجادوں میں ایک یہ ہے

کھاس نے چاندی اور سونے کا پانی نکالا۔ جدید فن کیمسٹری میں یہ دونوں کام نہایت آسان
 آہم ہیں اور اگر اس کا طبعیت معلوم نہ تو تویہ پ میں کیمسٹری کی بنیاد ہی نہ پڑتی۔ گیسوں کی
 خاصیت بھی ابتداً جابر ہی نے دریافت کی اور پھر اس، امونیا، ہوجر، جنم، سلیمانی اور راسب
 احمد وغیرہ بھی جابر ہی نے بنائے اور معلوم کئے۔ تصفید، تقطیر، ترشح، تبلو، اور تذویب
 وغیرہ کے طریقے بھی جابر ہی کو ایجاد ہیں۔

جابر سے قبل سر کر سے تیزاب کا کام لیتے تھے، مروجہ تیزاب کا جو جدید جابر سے
 سب سے پہلے اسی نے دریافت کیا کہ اگر سیسہ، آئنا، یا نوب کے ایک ٹکڑے کو کسی کھلے ہوئے
 برتن میں گرم کیا جائے تو گرم ہو چکے بعد اس کا وزن بڑھ جائیگا۔

گیس کے متعلق اس نے معلوم کیا کہ بانی کو اگر حوض دیا جائے تو وہ بیابان اس سے اُپر
 کو اُٹھتی ہے، اسے علیحدہ ایک برتن میں جمع کر سکتے ہیں۔ یہی بیابان گیس اعلیٰ کیسیا کی جلن
 سے پیدا ہونے سے جابر نے اسے جابجا "روح" کے نام سے لکھا ہے۔

بارود کی ایجاد بھی جابر ہی سے منسوب ہے۔ اس نے گندک، اکولا، اور شورے کے
 سفوف بنانے کی ترکیب اپنی کتابوں میں لکھ کر دنیا کو ہمیشہ کے لئے بارود کا نسخہ بتا دیا۔
 غراب سے الکحل (الکمال) بنانے کا طریقہ بھی اسی نے نکالا اور اس پر بھی اسی کی
 ایجاد ہے۔

جابر ہی نے پہلے پہل دریافت کیا تھا کہ اگر کاغذ کو کسی بول میں رکھ کر لگ لگا دیں اور پھر
 حرارت پہنچائیں تو کاغذ غائب ہو جائیگا اور بت جلد سیال ہو جائے گی وہ جسے گیسوں کی صورت
 میں آج بھیگا۔ یہ طریقہ جس سے ٹھوس یا منجمد چیزوں کی گیس بن سکتی ہے، جابر ہی کی ایجاد ہے
 اور باب فن کی اصطلاح میں اس کو "تصفید" کہتے ہیں لیکن جابر نے اپنی کتابوں میں اس کا نام

۱۸
 ارفع اشیاء بنجرہ بذریعہ حرارت لکھا ہے، اُس نے حرارت پہنچا کر شریف کی ہی گیس نکالی اور عینہ و عین کر کے اُس کا خشک بارونالیا۔ ہینرہ وغیرہ۔

وفات۔ جابر کا سال وفات تعریضاً مذکور نہیں، مگر اتنا پتا چلتا ہے کہ خلیفہ
 ممدی عباسی کو تخت نشین ہوئے دو برس کئی عین ہوئے تھے جب اُس نے انتقال
 کیا۔ ممدی کا سجدہ جلوس ذی حجہ ۱۵۹ھ ہے لہذا جابر کا سال وفات ۱۶۱ھ ہو گا۔
 واللہ تعالیٰ اعلم وعلم اتجدوا حکم۔

خادم قوم
 عبداللہ عمادی



علم الحدیث

علم الحدیث دس علم کا نام جو چہین کن حضرت کے اقوال وافعال و حالات اور ان کے صحابہ اور ان افعال سے بحث کیا جائے پھر اس کتاب کے واسطے اور لکھے گئے ہوں اور آپ نے ان سے نہ روکا ہو،

پھر علم الحدیث کی دو شاخیں ہیں علم درایت الحدیث اور علم درایت الحدیث پہلے علم میں رد و حمل و ضبط و تقاضا اور سلسلہ روایت سے بحث کی جاتی ہے اور دوسرے میں معانی پر نظر کی جاتی ہے، کہ اس سے قدسی مآب کی کیا روایت تھی؟ اور آیا یہ احادیث نشان رسالت کے مناسب ہیں یا نہیں؟ انکو کسی دوسری حدیث سے تعارض تو نہیں؟ انکا کوئی ناسخ تو نہیں؟ یہ حکم کسی خاص استثنائے وقت کی وجہ سے تو نہ تھا، پہلی قسم اب مسائل حدیث کے نام سے موسوم ہے،

جب تک رسالت مآب زندہ ہے لوگوں کو علم حدیث کی طرف توجہ نہ ہوئی، صحابہ کا اب تک یہ خیال نہ تھا کہ ان احادیث سے کلام لینا ہے، مگر پھر بھی ان کے ایک گروہ نے شافعی دنیا سے عزت گزریں جو کہ اپنے مذہب صرف یہ کام لیا تھا کہ رسول خدا کے اقوال وافعال کی نگہداشت کرے کوئی مجلس ایسی نہ تھی جہاں نبی خدا کے ساتھ ساتھ بیٹھتے، استماع حدیث کو نہ جانتا، یہ علم دوست گرد و اصحاب حلفہ کے نام سے مشہور ہے جن میں سے سب سے زیادہ کثیر الروایۃ صحابی ابو ہریرہ المتوفی ۳۷ھ میں، کتب احادیث کے اوراق زیادہ انہیں کی حدیثوں سے فیضیاب ہیں، حضرت ابو ہریرہ نے کتنوں سے روایت حدیث کی ہے؟ یہ پتہ لگانا تو مشکل ہے، مگر خود ان سے آٹھ سو لوگوں نے روایت کی ہے، مگر چکا جاتا ہے کہ ابو ہریرہ فقیر نہ تھے مگر حافظ اس غضب کا پایا تھا جبکی امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ جیسے بڑے امام تعریف کرتے ہیں،

مگر جنب آن حضرت کلام صالح ہوا، اور وہ مقدس فیض سران ذات ندوی جو قول و فعل سے
 لوگوں کو ہدایت کرتی تھی تو مسلمانوں نے روایت حدیث کی طرف خاص توجہ مبذول کی، یہاں
 تک کہ اصحاب میں وہ بڑا علم شمار کیا جاتا تھا جو سب سے زیادہ علم بالحديث ہوتا، مسلمانوں
 کا یہ ذوق علمی و زبردست ہوتا تھا، تابعین کے زمانہ میں علم بالحديث صحابہ خاص قدس کی نظر
 سے دیکھ جاتے تھے، جب کوئی ایسا بزرگ عالم کہیں پہنچ جاتا تو تابعین اور شایقیں
 علم کا اس کے گرد ازحام ہو جاتا، اور سہکا دل یہ چاہتا کہ کسی طرح اس کی ساری حدیثیں مجھے
 آجائیں علامہ ذہبی نے ذکر کردہ احفظ میں ابوالدرداء صحابی کے حالات میں لکھتے ہیں:-
 رہانت ابوالدرداء جاء دخل المسجد
 معہ من الاتباع مثل ما یكون مع السلطان
 وہو لیستلون عن العلم
 میں نے اسے دروازہ کو دیکھا کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے
 اور ان کے ساتھ ایک گروہ تھا جسے سلاطین کے
 حواریوں میں ہوتا ہے اور وہ ابودرداء سے علمی

در حدیث ابوہریرہ سے تھے۔

ریوں تو اس زمانہ کا چھوٹے سے چھوٹا صحابی علم بالحديث تھا مگر خلفائے راشدین عبد اللہ
 ابن مسعود عبد اللہ ابن زبیر عبد اللہ ابن عمر انس ابن مالک حضرت عائشہ ابوسرورہ ابو
 موسیٰ اشعری زید ابن ثابت عبد اللہ ابن عباس ابی ابن کعب ام الدرداء و امعا و ابن جریج
 اسانبت ابی کبرامہ ابی عبد الرحمن ابن ابی بکر علم بالحديث میں خاص ممتاز تھے۔
 خلفائے راشدین سے البتہ بہت کم حدیثیں مروی ہیں حضرت ابو بکر صلی اللہ علیہ وسلم
 کے راسے سے صرف ایک سو چوبیس حدیثیں مروی ہیں۔ خلفائے اربعہ میں سے حضرت علی
 سے زیادہ کثیر الروایت ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابو بکر کے ذمے وصال رسول اکرم
 کے بعد ہی ایسا عظیم دیگیا جس کے شغل سے روایت حدیث کا موقع کم ملتا تھا۔

حضرت عمر کو ایام خلافت ابو بکر میں بھی فرصت کم رہتی تھی اور بعد خلافت اولیٰ تو اور بھی ایسی انہم
زندہ داری میں نہ گئے جس نے روایت حدیث کی فرصت نہ دی۔ حضرت عثمان کی قلت روایت کا بھی
یہی راز ہے۔

حضرت علی کو زیادہ موقع ملا اور انہوں نے خلفائے ثلاثہ سے زیادہ اس کام کو انجام دیا۔ مگر
آپ کے سر پر آخر کار خلافت کا بار آیا اور آپ اس میں مشغول ہو گئے اسلئے آپ سے زیادہ ابو ہریرہ
ابوالدرداء اور حضرت عائشہ جیسے عارف الہال لوگوں نے علم احادیث کی ترویج کر دی۔

حضرت عمر جب تک زندہ رہے روایت حدیث میں زیادہ سختی کرتے تھے
یعنی غیر عادی کے ماننے میں وہ زیادہ احتیاط سے کام لیتے تھے ایک مسئلہ میں جب ایک عورت نے
حضرت عمر کے سامنے ایک حدیث روایت کی تو نہ پایا لا اذک بقلول امر انہ کلام اللہ
ادامی صدقت ام کذبت فسدت ام حفظت۔ چند بار ایسا واقعہ پیش آیا کہ حدیث احادیث کے
راویوں کو آپ نے دیکھ دی کہ اس حدیث کا جاننے والا اگر دوسرا نہ ہوتا تو سزا دینا پڑے گا۔

فقیر صحت پر کے علاوہ کسی اور کو روایت حدیث کی اجازت نہ تھی۔ بعد خلافت حضرت عمر کسی نے
ابو ہریرہ سے پہچان لیا کہ اگر ایسی بے وعمر روایت حضرت عمر کے زمانہ میں کرتے تو مٹا دیا گیا حال
ہوتا ہوسٹری سزا دی جاتی، اس روایت کو تسلیم کیا یہ اثر تھا کہ خلافت ثانیہ تک مہینہ حدیث
شائع نہ ہو سکیں۔

لیکن اب وقت یہ آن پڑی کہ صحابہ کی حدیثیں کسی کسی تھیں ان میں اسلئے ثقہ، عادی
روایت کی دو کتابیں کر دی گئیں۔ ایک فقیر جیسے حضرت علی، عبادہ ثلثہ، حضرت عائشہ، معاذ بن
جبل، ابی بن کعب، عمرو بن العاص وغیرہ دو صحابہ فقیر جیسے انس بن مالک، ابو ہریرہ
پہلے گروہ کی احادیث کو دوسرے کی روایت پر بحالت تعارض ترجیح دی جاتی تھی جس

عمر کو زیادہ خلافت ملے

حدیث کے سلسلہ روایت میں کوئی مجہول الحال راوی ہو تا تو یا سلسلہ ہادی ٹھیک رسول
اکرمؐ تک نہ ملتا دیتا، اسکی حدیث اور وہ خود ضعیف سمجھا جاتا، اور ضعیف و صحیح کے
درمیان میں بحیثیت درجہ صحت و مرتبہ ضعف بہت سے مراتب قائم کئے گئے اور ہر ایک
درجے کے متعلق احکام لکھے گئے،

صحابہ کرامؓ میں قرب مدینہ کی وجہ سے تباہ، عواقر و شام و خمیرہ وغیرہ سے کثرت اشاعت
حدیث اور ضبط و صحت سند میں زیادہ سربرآوردہ تھا، مگر جب فتن و فساد کے دروازے
کھلے صحابہ و تابعین اور ہر طبقہ کو نہیں منتشر ہو گئے، تو نیشاپور بغداد (س) جرجان،
کونہ، بصرہ، دمشق، کی سبزی بنیں علم الحدیث کام کر رہیں گئیں، مگر ان سب میں سے
نیشاپور کی آب و ہوا علم حدیث کے لئے بہت راس آئیں، اگر اوراق سیر اور لٹو تباؤ گئے
کہ علم حدیث کی تدوین و ضبط اور روایت و دراست کرنے والے نصف سے زائد اسی خاک
پاک نیشاپور کے پرورش پائے ہوئے تھے، اور یوں تو وہ عام مذہبی علوم کا بازار السلطنت
ہی تھا، اسکے بعد اندلس کو علم حدیث کے تعلق کا فخر حاصل ہے،

مجاہزی لوگوں میں سب سے زیادہ اعلم بالحدیث امام مالک تھے، ان کے بعد ابو ادریس
شافعی اور امام احمد بن حنبل کا مرتبہ تھا،

علامہ ذہبی نے صحابہ سے لیکر ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ تک محدثین کے ۲۱ دور قرار دئے
میں اسوقت مجھے دس دور سے نوین دور تک غرض ہے کیونکہ اسی دور میں علم الحدیث
کی تدوین و تہذیب، اور اسکے متعلق جو انقلابات ہونے والے تھے پیدا ہوئے، انہیں
دور و نہیں امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت المولود ۸۰ھ المتوفی ۱۵۰ھ اور ابن جریر المولود ۱۰۰ھ
المتوفی ۱۵۰ھ اور شعبہ المتوفی ۱۶۰ھ اور حماد المتوفی ۱۷۰ھ اور مالک ابن انس امتی ۱۸۰ھ

علم الحدیث کی تاریخ

تاریخ صحیحین و احادیث کے بعد اس کے علم کی تاریخ

اور تاج محمد بن عمر المتوفی ۱۷۸ھ وغیرہم پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی ہند گیاں علم حدیث کے
منتج و تدوین اور تعلیم میں حصہ کر دیں، تیسری صدی کے اختتام میں اٹھ آٹھویں دور میں مسلمانوں کا
ذوق حدیث انتہائی ترقی اور غمازہ کمال کو پہنچ گیا تھا، ایک ایک مجلس میں آثار بنویہ اور
احادیث مصطفویہ لکھنے کے لئے ہزار ہزار دو اتین ہوتی تھیں، اور تلامذہ کو چھوڑ کر دود و غمیغ
ایک ایک مجلس میں موجود ہوتے تھے،

اب لیوان و وزیر شریعہ ہوا جس میں عہد العہد محمد بن اسماعیل بخاری المتوفی ۲۵۵ھ اور حجت الاسلام
مسلم بن الحجاج القشیری المتوفی ۲۶۱ھ اور ابو داؤد سجستانی صاحب سنن المتوفی ۲۶۴ھ اور
ابو سلم صاحب کتاب السنن المتوفی ۲۶۰ھ پیدا ہوئے انہوں نے حدیثوں کو فقہ کے
طریق پر باب کر کے جمع کیا اور زبانی صحیح احادیث کو کتاب کی صورت میں لائے، کیونکہ راویوں
کی ثقاہت میں روز بروز فرق آنے لگا تھا، اب ذوق حدیث کی انتہا ہو چکی اگرچہ احادیث
کو کتاب کی شکل میں لانے کی صورت اسی وقت سے شروع ہو گئی تھی جب سلسلہ میں
اسلامی سلطنت نبی امیہ سے منتقل ہو کر نبی عباس تک پہنچی تھی۔ کیونکہ حجاز، عراق، اشام،
خراسان کے ہزاروں علماء محدثین اس شاخِ عظیم کے صدقے ہو گئے تھے، ان کے
مجموعہ مخزن سے تلمذاء بن رنگ گئیں خراسانی، شکر نے کوئی حقیقہ علم الحدیث کے واقفین
کے ساتھ اٹھائیں رکھا، چکر نا تھا، کیا، اب اس غدر کے دبے کے بعد اس شریف علم کے
ماہرین کی قلت ہوئی،

اور عجیب اتفاق ای زمانہ میں عمر بن عبید العابد، اور اسل ابن عطاء البصرہ میں پیدا
ہوئے اور لوگوں کو اعتراف ال کی تلقین کرنے لگے، لا وچیر کے بعد سے مسلمانوں کو قدر سکھانے لگے،
اور خراسان میں جہم بن صفوان، ظاہر ہوا جس نے تعطیل بابی اور جلیق قرآن کی تعلیم شروع کی

اوس کے زمانہ میں مقاتل بن سلیمان المفسر پیدا ہوا جو خدا کے لیے تمام صفات ثابت کرتا تھا یہاں تک کہ جسیت کا ہی قائل تھا،

اب علمائے تابعین اور ائمہ سلف کو خوف پیدا ہوا کہ کیسے ایسا نہ ہو کہ ان اختراعی اعتقالات اور بدعتوں کا زور اور سیلاب علمِ احادیث اور صحیح عقائد کو بہا لیجائے؟ اسلئے بڑے بڑے علماء اور ائمہ تدویر کتب حدیث کرنے لگے اور نئے پیدا ہونے والے اعتقادات کی تردید میں کتابیں لکھنی شروع کیں۔

اب رفتہ رفتہ تصنیف اور تالیف کا ذوق بڑھتا گیا مگر حافظہ کم ہوتا گیا علوم حدیث سینوں سے نکل نکل کر سفینوں میں جا گر رہے ہونے لگے۔ یہاں تک کہ باروں رشید کے زمانہ میں تصنیف و تالیف کی کثرت ہو گئی اب حفظِ علماء کم ہونے لگا اور بالکل کتابوں پر اعتماد رہ گیا،

اس میں شک نہیں اس طریقہ تصنیف و تالیف نے احادیث کو معرضِ زوال سے بچا لیا، مگر اس میں بھی شبہ نہیں کہ اس طریقہ نے سچے محدثین کو دنیا سے کھودیا۔

تراجم و نثر کے ذریعہ سب مسلمانوں کو فلسفہ کی چٹا پڑتی گئی اور علم حدیث کی طرف سے اوکی توجہ اوجھٹتی گئی۔ اب وہ علوم عقلیہ کی تحصیل و تالیف میں مشغول ہو گئے اور بڑھ چل نہیں تو نصف سے زاید التفات علوم تفسیر اور حدیث سے منقطع ہو گیا۔

پہلی پہلی جس علم میں مسلمانوں نے کتاب تصنیف کی تھی وہ یہی علم حدیث ہے اور جو پہلی کتاب لکھی گئی تھی وہ کتاب ابن حریج فی الحدیث ہے،

صاحب کشف الظنون کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اول کتاب وضع

۱۔ اس کو میں جانتا ہوں کہ ابن حریج نے سب سے پہلی کتاب لکھی ہے مگر عام کتاب حدیث کی ابتداء حضرت علیؓ نے ہی کیا اور ان کا بیان ہے کہ میں نے سب سے پہلی کتاب لکھی ہے۔

تذکرہ علم حدیث

اس کا اصل کتاب

فی الاسلام مؤکداً ما لکھنؤ انس اب تدوین کتب کا نمبر رام بخاری اور امام مسلم
 کا نمبر بخاری دونوں گواہوں نے اس علم کی خدمت جیسی کی اس سے آج اسلامی دنیا واقف
 نہیں ہے لاکھوں حدیثوں میں سے سچی اور صحیح حدیثوں کو چن لیا اور تمام احادیث کی موطا
 کے طریقے پر ابواب فقہ کی حیثیت سے ترتیب دی،

اس کو بعد ابو عیسیٰ ترمذی آئے انہوں نے مزید براں یہ کیا کہ ہر حدیث کے بعد
 اس کی تنقید لکھی اور اس حدیث سے مستنبط ہونے والے احکام اور مسائل کی تشریح کی اور جس مسئلہ
 کے متعلق ایسے کے اختلاف مذاہب تھے درج کئے،

اگرچہ کتب احادیث کی ترتیب چند طریقے سے کی گئی کسی نے کل احادیث کو مندرجہ
 جمع کر دیا جیسے عبد اللہ ابن موسیٰ اور ابو داؤد و طحاہسی، اور احمد ابن حنبل نے کیا۔

پھر رواۃ کی ترتیب سے تدوین احادیث کا طریقہ رائج ہوا مثل ابو بکر بن زبیر سے جتنی حدیثیں مروی
 تھیں وہ ایک جگہ جمع کی گئیں حضرت علیؓ کی روایتیں ایک جگہ مرتب کی گئیں اور اس طریقہ
 پر جو حدیث کی کتابیں مروان ہوئیں انکو سانیہ کے نام سے موسوم کیا تیسرے طریقہ مالک ابن انس کا
 تھا جسکو بخاری اور مسلم دونوں نے پسند کیا اور اس کی تقلید کی،

وہ یہ کہ مسائل کی حیثیت سے کتب احادیث مرتب کی گئیں جیسے باب الصلوٰۃ، باب
 الزکوٰۃ، باب الحج وغیرہ ترمذی نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہر حدیث کے بعد اس پر تنقید کی اس کے
 متعلق علماء کی رائیں لکھیں اور اسی کی تقلید احمد بن محمد خطابی نے معالم السنن میں کی۔

اس کے بعد جو آتے گئے انہوں نے حسب احتیاج ان حدیثوں کو جمع کیا جو پہلے اب
 سے چھوٹ گئیں تھیں پھر حسب ضرورت علما نے کتب احادیث پر تفسیرین کی لکھی نے
 احادیث کے کلمات غریبہ کی تشریح فرمائی جیسے ابو عبیدہ احمد بن احمد الہروی نے من لغات

احادیث کیا، دوسرے نے ترغیب و ترہیب اور احکام و مسائل کی حیثیت سے چن چن کر لیا کر دیں، اور تمام اسانید کو بغرض اختصار چھانٹ دیا، جیسا کہ ابو محمد الحسین البغوی نے مسابج میں کیا ہے، اسکے بعد ابو یوسف احمد بن الزماوی آئے اور انہوں نے بخاری، مسلم کو ایک کر کے مرتب کر دیا، پھر ابو الحسین رزین تشریف لائے، انہوں نے بخاری، مسلم، موطا، جامع ترمذی، حسن بن ابی داؤد، سنن نسائی کو ملا کر ایک ضخیم کتاب رزین نامی تالیف شرمائی پھر ابوالسعادات مبارک بن محمد بن الاشیر تالیف کے مصطفویہ پر جلوہ فرما ہوئے، اور اصول ستہ اور رزین کو ملا کر ایک کتاب لکھی، بعد ازاں عالم تاریخ کے نامور مولف جلال الدین سیوطی، رلق افزا ہوئے، انہوں نے (مسانید اسکا ذکر پہلے ہو چکا ہے) اور رزین، اور اصول ستہ کو خلط ملط کر کے مذہبی کتب قانون میں ایک ضخیم کتاب اعتماد و کتب، مگر یہ بدناموں غاوت کے دامن تالیف پر بوشیہ کے لئے رہ گیا کہ انہوں نے اپنی اس مجملہ تالیف میں تنقید رواۃ اور نقد اسناد اور دراست سے بہت کم کام لیا،

اور یہ تو ان کی اور امام غزالی کی عادت ہی ہے کہ اپنی تالیفات و تصانیف میں موضوع حدیث بہ دیتے ہیں جنکو ہمارے کثیر بر اعتماد و نہودہ تھوری دیر کے لئے تاریخ الخلفاء سیوطی کی اور احیاء العلوم غزالی کی مطالعہ کر لین،

شاہ عبد العزیز صاحب عجالہ نافع میں موضوع احادیث کا استفصار کر کے فرماتے ہیں کہ وضع احادیث اکثر مناقب، منقصد، تفسیر آیات، قصص انبیاء، کرنجی اسرائیل، جزئیات، ذکر بیہانات عجیبہ، دعا و تعویذ گستا، طب، ثواب و نوافل، میں واقع ہوئی ہے، اور نیز وہ احادیث اکثر موضوع ہوتی ہیں جن میں مقوڑے سے اچھے کام پر خواب عظیم کا وعدہ دیا جائے، یا مقوڑے

لے کر چاشایہ نہ سمجھنا چاہیے کہ انہوں نے ویدہ و داستان سے احادیث لی ہیں۔ السید -

سے گناہ پر مذاب شدہ نیک دیکھی دینی جاسے اور وہ حدیث میں یقیناً غلط ہیں جن میں یہ مرقوم ہو کہ
 فلان کام کرنے پر چاس نبیوں کے ثواب یا ایک سچ ایک عمروں کی جزائیگی جیسے
 من صلی رکعتین فله سبعون الف داکو جس نے ہر رکعت پڑھی اسے ستر ہزار ماکاں ملینگے اور ہر
 فکل داسبعون الف بیت و فی کل بیت سبعون ماکاں میں ستر ہزار اگر سے ہو گئے اور ہر گروہ میں ستر ہزار
 الف سریر و علی کل سریر سبعون الف جلدیہ تخت ہو گئے اور ہر تخت پر ستر ہزار جو ہیں ہو گئی۔

یابیت

الارض علی قرن ثور و الثور علی صحفۃ و زمین ایک بیل کے بنگ ہے اور بیل ایک پٹان
 الصحفۃ علی حوت و الحوت علی الماء اذا بیا اور پٹان بیل پر اور بیل پانی چوبیل اپنے سینگ پر تا
 بدل الثور مہنونه ذلزلت الارض۔ ہے تو زلزلہ آتا ہے۔
 احاط الارض جبل القاف و فیہ زمین کو کوہ قاف محیط ہے جس میں فرشتے قریب
 الماء مائۃ تسجون۔ تسلیل کرتے ہیں۔

اسی طرح جب کوئی حدیث تواریخی واقعات یا عقل و شرع کے مخالف ہو تو وہ بھی گرا ہی ہوئی بہت
 قال عبد اللہ بن مسعود فی حرب عبد اللہ ابن مسعود نے جنگ صفین میں کہا۔
 صفین۔

حالانکہ عبد اللہ خلافت عثمانؓ ہی میں انتقال فرما چکے تھا و جنگ صفین خلافت علیؓ میں واقع ہوئی
 ایہ تا کو البطلیم حتی تذبحوہا۔ || خیر و زون کو بغیر ذبح کے نہ کھاؤ۔

امعان نظر سے وضع احادیث کی وجہوں کی تعداد سات تک پہنچتی ہے۔

(۱) جب خلافت کا جگر اچھٹو کسی نے حضرت علیؓ کو مانا اور ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے
 انصاف سے انکار کر دیا۔ کسی نے حضرت علیؓ کو برا کہا اور امیر معاویہؓ کو ترجیح دی۔ کسی نے

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے انکار کر کے منہ شیریں کرنا، تو عورت واقع ہوئی کہ
اپنی اپنے مقتدا کے مناقب اور فضائل اور غیروں کے عیوب اور نقصت احادیث کے
پر ایمان میں ظاہر کریں تاکہ اہل کے مقتدا کا تقدس اور اوروں کے برائیاں عام طور سے
ظاہر ہو جائیں۔

(۲) دو ضعیف احادیث میں صحابہ میں سلاطین کا اچھا خاصہ گروہ شامل ہے جنہوں
نے خوشامدانہ وضع احادیث کر کے بادشاہوں کے بڑے افعال کو بھی اچھا بتایا
جیسے غیاث ابن میمون دربار ہمدی میں حاضر تھا اور وہ دوست کو تر بازی میں مشغول
تھا تو غیاث نے ایک حدیث بیان کی،

«سبقت الکافضات او حافز» || سبقت کی بازی جیت نہیں ہے گراؤ میں اور
اوجھناج - تیر نہیں اور گھوڑوں میں بدور نہ رہیں۔

حالانکہ اصل حدیث میں پرندہ جضاج کا کہیں ذکر ہی نہ تھا۔ لیکن خوشامدانہ بڑھا دیا تاکہ
کو تر بازی فعل محمود سمجھی جائے، «وخلیفہ بر اعتراض نہ ہو اور اس کے صلہ میں کچھ ملے،
(۳) داعظین کے گروہ نے بہت سی حدیثیں وضع کی ہیں جہاں کسی مطلب کی
ضرورت بڑی فوراً اسے عوام پر اثر ڈالنے کے لئے حدیث کے قالب میں ڈھال لیا۔
(۴) جہاں ہونک کر نوجوانوں کی شکم پروری نے بہت سی قرآنی آیات کے تفصیل
مطالب میں جھوٹی حدیثوں کو شامل کر دیا۔

(۵) جب لوگوں نے دیکھا کہ محدثین کی قدر و منزلت اور ان کی شوکت روز بروز بڑھتی
جاتی ہے تو کمزور لوگوں نے محدثین کے قلوب میں جھرم لیا اور جھوٹی حدیثیں بیان کر کے
اپنی شان بڑھائی اور پسند روزہ دنیاوی جاہ و جلال کے بدلے ابدی ذلت خریدی۔

میں نہیں لٹا اور اگر ملتا بھی ہے تو وہ علم الحدیث میں ضعیف اور سطوح قرار پائے ہیں جیسے
 کتاب الصغفاء تصانیف ابن مردودہ تصانیف خطیب تفسیر ابن جریر تصانیف ابن عساکر شیخ جلال الدین
 سیوطی مولف تاریخ الخلفاء صاحب تصانیف کشمیریہ کا تشریہ اخذ بھی کتابیں ہیں۔
 آخر میں اگرچہ اپنی اجمالی رائے علم الحدیث کے متعلق یہ ظاہر کریں تو قوانین مضمون نگاری
 مجرب نہیں گئے، مانتے ہیں کہ رواۃ اور اسانید کی تنقید میں علمائے اچھا حصہ لیا مگر جیسا
 ہم اوپر لکھ آئیں ہیں کہ علم الحدیث کی دو قسمیں علم الروایت اور علم الدرایتہ ہیں انہوں نے کہ
 دوسری قسم علم الدرایتہ میں امام ابو حنیفہ کے سوا اور کسی نے زیادہ کو غفلت نہ کی۔ قدما
 کی عین توجہ سے جمع احادیث میں حرف نہیں اور قاعدہ ہے کہ پہلے ذات کا بقا ہوتا ہی
 بحرف حالت تکمیل اس لئے مناسب ہی تھا جو قدما نے کیا انہوں نے ہمارے لئے
 تدبیریں جمع کر دیں اور اب یہ متاخرین کا کام تھا کہ وہ درالت سے کام لیتے، مگر جیسا اوپر بیان
 کر آئے ہیں۔ متاخرین کی زیادہ توجہ لفظی تشریح اور ضخیم جلدوں کی تالیف کی طرف تھی اس
 لئے ہر امانت رکھیں گے کہ علم الحدیث کی دوسری شاخ (علم الدرایتہ) نامکمل رہی،
 سید سلیمان دسوی طائب سلم دارالعلوم ندوۃ العلماء

دارالعلوم ندوۃ العلماء

ہمارے پرچہ کا ایک بڑا ضروری مقصد یہ ہے کہ اسکے ذریعہ سے وقتاً فوقتاً دارالعلوم
 ندوۃ العلماء کے حالات، ملک کے سلسلہ پیش ہوتے رہیں تاکہ ملک اندازہ کر سکے کہ
 دارالعلوم کے مقاصد کس قدر ضروری ہیں، اور ان میں کس حد تک کامیابی کی امید ہے،
 دفتر کی غلطی سے آج تک ندوۃ اور دارالعلوم کے متعلق ایک حرف بھی نہ لکھا گیا یہاں تک

کہ ماہوار چہرہ دن کی مختصر فہرست بھی شائع نہ ہو سکی، لیکن آئندہ التزام کیا جائیگا کہ ہر ہفتہ میں ندوہ اور دارالعلوم کے تعلق کیچہ نہ کچہ واقعات درج ہوتے رہیں،

دارالعلوم کو اور مدارس عربیہ پر جو مزیت ہے اس میں سے اس وقت جو منہ نصاب تعلیم پر مختصر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

یہ امر اب مختلف دلیل نہیں رہا کہ موجودہ زمانہ کی ضروریات کے لحاظ سے انگریزی زبان دہانے کے بغیر عبارت نہیں، بائنان ندوہ سنے مدت ہوئی، اٹھارہ گریز دانی کہ نصاب تعلیم میں داخل کر دیا تھا جو عربی تعلیم میں خلل انداز نہ ہو، لیکن چونکہ عدا کے دائرہ میں یہ بالکل نامانوس صدا تھی، ایک مدت تک اس پر عمل نہ ہو سکا خدا خدا کر کے انگریزی تعلیم کی ابتدا کی گئی تو یہ قید لگا دی گئی کہ ابتدائی تین سال کی جماعتیں اس سے مستثنیٰ رہیں چنانچہ اب تک ایسی پر عمل درآمد رہا لیکن اب جو جدید انتظامات کئے گئے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ انگریزی ابتدائی درجوں میں بھی داخل کر دی گئی ہے،

تعلیم یافتہ فرقہ کے نزدیک تو یہ کوئی بات نہیں، لیکن جہادے دائرہ میں یہ ایک بڑا دشوار گزار مرحلہ تھا جو اتنی مدت کے بعد طے ہوا مسلمان اگرچہ اس باب میں تمام دنیا میں نامور ہے کہ انہوں نے دنیا کی تمام زبانیں نہایت بے تعصبی اور فراخوصلگی سے حاصل کیں لیکن آجکل انگریزی تعلیم کے متعلق جو تعصب برتا جاتا ہے، اس نے تمام پہلی وسیع انجمنیہوں پر پانی پیر دیا،

ایک بڑی خصوصیت جو دارالعلوم کے نصاب میں ہے یہ ہے کہ تمام مخلوط الفین کتب شائع کر دی گئیں جن سے طالب العلوم کو انتشار ذہن کے سوا کچھ حاصل نہ ہوتا تھا، اب صرف وہ کتابیں ہیں جو خاص خاص فن میں مختص ہیں اور ان میں دو سے

مطلق غلط نہیں۔

ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ادب اور بلاغت کے ساتھ زیادہ اہتمام کیا گیا ہے
خاص فن ادب کی اس قدر کتابیں داخل ہیں جو مجموع الادب مختصر المعانی۔ دلائل الامہار
عبد القادر جانی۔ قنوی۔ حماس۔ لقد الشعر۔

نصاب قدیم میں فلسفہ اشراق پر کوئی کتاب نہ تھی اس لئے شرح حکمۃ الاشراق سے یکٹی
پوری کر دی گئی ہے۔ قرآن مجید انہ تفسیر کی تعلیم، نصاب قدیم کی نسبت بہت زیادہ کر دی گئی ہے
حساب اند اقلیدس کی تعلیم لازمی کر دی گئی ہے۔





بسم اللہ الرحمن الرحیم

فلسفہ اسلام

اور

فلسفہ قدیم و جدید

یہ مضمون درحقیقت تین مضمونوں پر مشتمل ہے۔ یعنی یونان کا فلسفہ کیا تھا؟ فلسفہ
حال کیا ہے، مسلمانوں کے فلسفہ کو ان دونوں فلسفوں سے کیا نسبت ہے؟ یہ
مضمون گو علمی حیثیت سے خود ایک اہم مضمون ہے، لیکن اسکے ساتھ ہکوا اور ہی چہند
اغراض پیش نظر ہیں، جنکی تفصیل یہ ہے۔

ہمارے علماء کو فلسفہ حال سے جو علیحدگی یا نفرت ہے اسکی وجہ عام لوگ نہ ہی تعصب
قرمہ دیتے ہیں، لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ ہمارے علماء جن علوم و فنون کو اعلیٰ تعلیم میں شب و روز
مصرف ہیں یعنی منطق۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ وہ بھی دوسری ہی قوموں کے علوم و فنون ہیں اور
خود ملاہی جہتے ہیں کہ یہ سہرا یہ ہمارا نہیں بلکہ اوروں کا ہے۔

علا کے جتنا اب کی اصلی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک علم و ہدایت میں دقیق علمی مسائل نہیں ہیں بلکہ ہر صنعت گری و دستکاری اگر کچھ نہیں بخلاف اسکے یونانی فلسفہ و دوزار حقیقت پر مشتمل ہوسمٹان میں ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہمارے علما کا یہ خیال غلط ہے یونانی فلسفہ کے مسائل و حقیقت صرف منطقی السطیہ یا خیالی اور فرضی باتیں ہیں۔ بخلاف اس کے فلسفہ جدید کے اکثر مسائل حقایق اور واقعات پر مبنی ہیں۔

جدید تعلیم یافتہ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مسلمانوں نے فلسفہ ارسطو کی محض کورانہ تقلید کی یہاں تک کہ جو مسائل بالکل غلط اور بے سرو پا تھے ان کے متعلق بھی کسی قسم کی چون چڑ نہیں کی۔ اس مضمون میں ہم ثابت کریں گے کہ مسلمانوں نے فلسفہ ارسطو کے اکثر مسائل کی غلطیاں نمایاں کیں۔ اور ارسطو کی غلامی سے آزادی کا راستہ اول انہی نے صاف کیا لیکن بے جہالت اٹھائی اس کی دماغی مسلمانوں نے ہی ڈالی تھی،

اس مضمون سے ظاہر ہوگا کہ مسلمانوں نے فلسفہ قدیم کو فلسفہ حال سے قوی کر دیا، یہ ظاہر ہے کہ فلسفہ یونان اور فلسفہ حال میں بعد المشیقین کی نسبت۔ بہ اصول ارتقاء کے موافق کوئی نئے وقت ترقی نہیں کر سکتی اسلئے فلسفہ یونان کو فلسفہ حال تک پہنچ کر کے لے ایک درمیانی زمین کا ہونا ضرور ہے، یہ زمین حقیقت اسلام ہی کا فلسفہ تھا۔

اسی بحث کے ضمن میں یہ بھی ظاہر ہوگا کہ اسلامی فلسفہ کا اگر فلسفہ یونان۔ و فلسفہ حال سے موازنہ کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ وہ یونان کی نسبت فلسفہ حال سے زیادہ قریب ہے اس لئے ہمارے علما کو فلسفہ قدیم کے مقابلے میں فلسفہ حال کی زیادہ حمایت اور ہمدردی کرنی چاہئے۔

چونکہ یہ مضمون نہایت وسیع ہوا اور ایک ایک مسئلہ کی نسبت اس قدر بحث میں کلک

پرچہ میں ایک سے زیادہ مسائل کی تجاویز نہیں نکل سکتی اس لئے پہلے ہم ایک اجمالی نقشہ درج کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوگا کہ مسلمانوں نے فلسفہ ارسطو کی کس قدر مسائل سے اختلاف کیا اس نقشہ میں بھی تمام اختلافات کا اہم تقاضا نہیں کیا گیا ہے اور نہ ایک ماہوار رسالے میں اس قدر تفصیل کا موقع تھا۔

مشائخ یعنی ارسطو و پیروان ارسطو

جسم بیہولی اور صورت سے مرکب ہے۔

جسم متصل واحد ہے۔

تکامل کی صورت میں جسم کا اصل مقدار بڑھ جاتا ہے۔

موجودات کی دو قسمیں ہیں جو ہر دو جنس۔

یعنی قائم بالذات و قائم بالغیر مثلاً رنگ۔

خوشبو و غیرہ

اعراض باقی رہتے ہیں۔

نہایت جو ہر ہے۔

خلل محال ہے۔

حاضر جاہل ہے۔

مشکلیں اسلام

اجزاء و غیر اعلیٰ بنے مرکب ہے۔

جوہرین اجزاء و غیر اعلیٰ سے مرکب ہے

ان میں باہم فاصلہ ہے اور اس بنا پر جسم

متصل نہیں کو بغیر متصل معلوم ہوتا ہے۔

نہیں بلکہ اجزاء و غیر اعلیٰ کا باہمی فاصلہ

بڑھ جاتا ہے اور خالی جگہ میں کوئی اور لطیف

سے داخل ہو جاتی ہے۔

اندام کے نزدیک جوہر نجومی و اعراض کا نام

ہے اور ابن کیسان کے نزدیک اعراض

کوئی چیز نہیں سب جوہری جوہر ہے۔

ہر وقت غائب ہوتے رہتے ہیں۔

ایک سوہم شے ہے۔

جائز ہے۔

اس معرکہ کوئی دلیل نہیں الا شراف

کے نزدیک کوئی عنصر نہیں،

ابو البرکات بغدادی کے نزدیک جو پانی
نہیں بنتی، بلکہ ہم ایسے جو اجزاء مایہ ہیں وہ پانی
آجاتے ہیں،

عکسے بغداد کے نزدیک ہو جاتا ہے۔

ابو البرکات بغدادی کے نزدیک پانی سے
زیادہ خاک بارو ہے۔

جو اس باطنی کوئی چیز نہیں۔

مادی ہے، اور دراصل ہیکل انسانی ہی
رج ہے۔

نہیں بلکہ جادو ہیں۔

عقل عشرہ کوئی چیز نہیں۔

اب ہم تفصیل کے ساتھ بعض مسائل پر گفتگو کرتے ہیں۔

جسم کی حقیقت

اسطو وغیرہ کے نزدیک جسم و چیزوں سے مرکب ہے، پہیلی و صورت اسکی۔ تفصیل چاہیے

خاصہ ایک دوسرے سے بدل جاتے
ہیں۔ مثلاً ہوا پانی بن جاتی ہے۔

کوئی عنصر امتزاج کی حالت میں اپنی
خاصیت سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔
پانی تمام عناصر میں بارو ہے۔

جو اس ظاہر ہی کے سہا، اور باجیج خواص
باطنی ہیں۔ یعنی جس مشترک اور وہم
وغیرہ۔

روح مجرد اور غیر مادی ہے۔

افلاک میں روح اور عقل ہے۔

عقل عشرہ کا وجود ہے۔

کہ جسم ایک متصل اور پورے چیز ہے یعنی اس کے اجزاء الگ الگ محسوس نہیں، اور واقعہ میں
یہی الگ الگ نہیں، اس بنا پر اتصال جسم کی حقیقت میں داخل ہے، اس اتصال
کو اصطلاح حکماء میں صورت جسم کہتے ہیں، اب بحث طلب یہ ہے کہ یہ اتصال جسم کی پوری
حقیقت ہے، یا اتصال کے ساتھ جسم میں کوئی اور چیز بھی ہے، اس سوال کے حل کرنے کے
لئے کسی جسم کو لو، اور کاٹ کر اس کے دو ٹکڑے کر دے اس صورت میں جو اتصال پہلے موجود تھا
جاتا رہے گا، اور دو نئے اتصال پیدا ہو جائیں گے، اب اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ جسم کی حقیقت
صرف اتصال ہی اتصال ہے تو جب پہلا اتصال جاتا رہا تو جسم بنی فنا ہو گیا، کیونکہ جسم اتصال ہی
کا نام تھا، اس صورت میں کسی جسم کو دو ٹکڑے کر دینا اس کو محض فنا کر دینا ہو گا، حالانکہ صفات
نظر آتے ہیں کہ جسم فنا نہیں ہوتا بلکہ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے یہ دونوں حصے عدم سے
وجود میں نہیں آتے بلکہ اسی جسم سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اتصال کے سوا
جسم میں کوئی اور چیز بھی ہے جو دونوں حالتوں میں باقی رہتی ہے، اسی چیز کی وجہ سے
منفصل شدہ ٹکڑوں کو کہتے ہیں، کہ یہ پہلے ہی جسم کے ٹکڑے ہیں اور عالم عدم سے نہیں آئے
ہیں، اسی چیز کا نام مہیولی ہے۔

متکلمین اسلام کو مہیولی کے وجود سے بالکل انکار ہے، ان کے نزدیک جسم نہایت چوڑے
چوڑے اجزاء سے مرکب ہے، جو کسی طرح تقسیم نہیں ہو سکتے، یہ اجزاء اگرچہ باہم متصل نظر آتے
ہیں لیکن واقعہ میں متصل نہیں ہیں بلکہ ان میں کم بیش کچھ نہایت نازک ہے، انہوں چیزوں میں
بے انفراج کم ہوتا ہے اور ہلکی ہلکی چیزوں میں زیادہ، اس بنا پر یہ کہنا کہ اتصال جسم کی حقیقت
میں داخل ہے غلط ہے۔

شرح موافق میں ہے۔

المقصد السادس انهم اى المتكلمين
انكروا المقدم بناءً على ان تركيب الجسم
عندهم من اجزاء اللذى لا يتجزى
فانه لا اتصال بين الاجزاء عندهم
بل هى منفصلة بالحقيقة لان الله لا يوصل
انفصالها الصغر المفاصل اللتى تقاسم
الاجزاء عليها فليكن مسلم ان
ثمه اتصالاً۔

چنانچہ اس بیان میں جو کہ متکلمین سے
مقدار کے وجود سے انکار کیا ہے اس سے ظاہر
ہو کہ جسم ان کے نزدیک اجزاء و غیر اچھی سے
مربط ہے، متکلمین کے نزدیک ان اجزاء میں
اتصال نہیں ہے بلکہ درحقیقت وہ الگ الگ
ہیں، لیکن چونکہ ان کا باہمی فاصلہ بہت کم ہے
اس لئے یہ فاصلے محسوس نہیں ہوتے تو
کیونکر تسلیم کیا جائے کہ جسم میں اتصال ہے۔

متکلمین نے ارسطو کے استدلال کی غلطی ظاہر کر کے ساتھ بطور غرور یہی دعویٰ کیا کہ عقل
پر بہت سی دلیلیں قائم ہیں، لیکن وہ دقیق راہ کسی قدر طویل الذیل ہیں، اس لئے ہم اس موقع
پر صرف ارسطو کے استدلال کی غلطی دکھانے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اول تو جیسا ہم اسی بیان کر چکے جسم میں درحقیقت اتصال ہے ہی نہیں، اس بنا پر ارسطو
کا استدلال سرے سے غلط ہے لیکن اگر اتصال مان ہی لیا جائے تب بھی ہولی کا ثبوت
نہیں ہو سکتا۔ جسم کی حقیقت میں اگر اتصال داخل ہے تو مطلقاً اتصال ہے نہ کہ کوئی خاص
اتصال۔ فرض کرو ایک جسم بات ہر کا ہے۔ تو جسم ہونے کی حیثیت سے صرف اس قدر فرق
ہے کہ اس میں اتصال پایا جائے، لیکن بات ہر کا ہونا یا اس سے کم اور زیادہ ہونا، یہ باتیں
جسم کی حقیقت سے خارج ہیں۔ فرض کرو اس جسم کا اتصال بات ہر کا ہوتا بلکہ کم یا زیادہ ہوتا
ہی وہ جسم ہوتا۔ ارسطو کا استدلال اس بات پر مبنی ہے کہ جب مثلاً ایک جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے
جائے ہیں تو اتصال، زائل ہو جاتا ہے، لیکن یہ کس قدر صریح غلطی ہے اتصال اب بھی

معلوم ہے البتہ محدود اور مخصوص قصائل مثلاً بات یا دوات کا ہونا یہ جاتا رہا، لیکن یہ خاص اتصال جسم کی حقیقت میں داخل نہیں، جسم کے لئے مطلق اتصال ضروری نہ کہ اس کی کوئی خاص مقدار قرار دی جائے۔

جوہر فرد جسم کی حقیقت کے متعلق بہت بڑا بحث طلب مسئلہ جوہر فرد کا وجود ہے اسنوہ فرد اس بات کے قائل تھے کہ جسم کو اگر تقسیم کرتے جائیں تو کبھی کوئی جزر ایسا نہ نکلیگا جہاں ہنچا تقسیم نہیں جاسکے بلکہ کیا ہی جوہر ہے جوہر سے چونا جزر ہوگا اس کے ہی اجزاء اور ٹکڑے نکلتے ہیں گے متکلیفین اس کے برخلاف اس بات کے قائل ہیں کہ جسم جوہر فرد سے یعنی ان اجزاء سے مرکب ہے جو اس قدر چھوٹے ہیں کہ کسی طرح تقسیم اور تجزیہ قبول نہیں کر سکتے متکلیفین نے جوہر فرد کے ثبوت پر بہت سے دلائل قائم کئے ہیں، ان میں سے ہم دو ایک اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔

پہلی دلیل۔ ایک کرہ، اگر دوسرے کو پر کرکما جائے تو ضرور ہے کہ دونوں کا تماس جس نقطہ پر ہو وہ غیر منقسم ہو یا نقطہ جوہر فرد (یا) جزر لایتجزی ہوگا۔

دوسری دلیل۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ حرکت کا وجود ہے، یہ بھی مسلم ہے کہ جب کوئی جسم حرکت میں ہوتا ہے تو حرکت کے بعض اجزاء گزر چکے ہیں، بعض آتے والے ہوتے ہیں، اور بعض دونوں کے بیچ یعنی زائے حال میں ہوتے ہیں، حرکت کا یہ حصہ یعنی زائے حال والا ضرور ہے کہ غیر منقسم اور لایتجزی ہو کیونکہ وہ زائے حال کی مقدار کے مساوی ہے۔ اور زائے حال غموں غیر منقسم ہے اس لئے کہ اگر زائے حال ہی منقسم ہو تو اس میں سے چھوٹا مقامی چھوٹا چھوٹا مستقبل ہو جائیگا۔

ہر حال، زمانہ حال غیر منقسم ہوتا ہے اس لئے جو حرکت زمانہ حال کو مساوی ہوگی وہ بھی غیر منقسم ہوگی، اب حرکت کا یہ حصہ جس مسافت سے منطبق ہوگا وہ بھی غیر منقسم ہوگی اور یہ جزو جزو ہر فرد ہوگا۔

اس بنا پر جو ہر فرد کے وجود سے نکال نہیں ہو سکتا جسم انہی جو ہر فرد سے مرکب ہے، یہ جو ہر انہوں میں زیادہ ہوتا ہو سکتے ہیں تو جسم ٹھوس ہوتا ہے، ورنہ متغزل اور ہلکا ہلکا ہوتا ہے۔
یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یورپ کی موجودہ تحقیقات متکلمین کی راہ

کے مطابق ہے، چنانچہ تفصیل آگئی ہے۔

فلسفہ جدید کی رو سے جسم اور مادہ کی تحقیق حسب ذیل ہے۔

جسم مادہ دو چیز ہے جو حواس سے محسوس ہو سکے جسم میں تین چیزیں ضروری ہیں حجم، صوت یا شکل۔ مثلاً، جسم کی دو قسمیں ہیں آئینہ، غیر آئینہ، آئینہ سے وہ اجزا یا اجسام مراد ہیں جن میں زندگی پائی جاتی ہے۔ مثلاً انسان یا حیوان میں جو اجزا ہیں اگرچہ بظاہر بے جان ہیں لیکن درحقیقت ان میں زندگی کا مادہ موجود ہے ورنہ ان کی ترکیب سے جاندار جسم نہیں سکتا، غیر آئینہ سے وہ اجسام مراد ہیں جن میں مطلق زندگی نہیں پائی جاتی مثلاً زمین، یا ستارے۔

جسم میں تین قسم کے اجزا ہیں جوئیات۔ یعنی جسم کے وہ چھوٹے چھوٹے اجزا جو اس چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہو سکتے ہیں، ان کی ماہیت وہی ہوتی ہے جو خود جسم کی ہوتی ہے مثلاً اگر جسم سیال ہے تو یہ بھی سیال ہوں گے اگر جسم گیس ہے تو یہ بھی گیس ہوں گے۔

دقائق۔ چیزیات سے جوڑے ہوتے ہیں اور ان کی تقسیم بغیر اس کے نہیں ہو سکتی۔
گدہ کی ماہریت فنا ہو جائے مثلاً ایک سچن کا کوئی ریزہ لو اس کو اگر تقسیم کر دے گا تو وہ ایک سچن
بجائے دو ہوگا۔ ایسے ریزہ کو دقیقہ کہتے ہیں۔

پھر فرد یہ وہ جز ہے جو مطلقاً تقسیم نہیں ہو سکتا۔ اور یہ جسم کا سب سے اخیر جز ہے جسم
کی انتہا۔ اجڑا ہوا جو اجڑا ہوا ہے۔ اور مادہ کے متعلق آجکل کی تحقیقات کا مادہ انہی اجڑا
فرد کی تحقیقات پر ہے۔ یورپ میں سب سے پہلے ولیکارٹ بن جو اجڑا فرد کا قایل ہوا اور
پھر یہ خیال تمام یورپ میں پھیل گیا، جسم کی جو ذرات یا دقائق ہیں ان میں باہم کشش اتصال
ہوتی ہے، یعنی ہر ذرہ، دوسرے ذرے سے چپٹنا چاہتا ہے۔ یکشش بعض اجسام
کے دقائق میں بہت زیادہ ہوتی ہے، بعض میں اس سے کم اور بعض میں اس سے بھی
کم، جن میں زیادہ ہوتی ہے ان کو ٹھوس کہتے ہیں، لویا جو ٹھوس ہے اس سے کبھی معنی ہیں
کہ اس کے دقائق آپس میں نہایت قوی کشش اتصال رکھتی ہیں۔

کشش اتصال کی کمی بیشی کی وجہ سے اجسام کی تین قسمیں پیدا ہوتی ہیں جامد یعنی بالکل
ٹھوس۔ سیال مثلاً پانی۔ تیل وغیرہ۔ غازی جس کو گیس کہتے ہیں۔

اجسام یا مادہ میں چھ خاصیتیں پائی جاتی ہیں، امتداد۔ متحرک ہو سکتا۔ عدم تہ اخل یعنی
ایسا نہیں ہو سکتا کہ دو جسم اس طرح ایک بن جائیں کہ ایک نے جس قدر جگہ پہلی سے گھیری
تھی اسی میں دوسرا بھی سما جائے۔ مثلاً یعنی مسامات کا ہونا۔ استمرار یعنی جب جسم کو حرکت
دیجائے گی تو وہ برابر وہ حرکت ہی کرتا رہے گا جب تک اس کو کوئی روک نہ دے اسی طرح جب
جسم ساکن کر دیا جائے گا تو برابر ساکن رہے گا جب تک اس کو حرکت نہ دی جائے۔ بقار یعنی
کوئی جسم فنا نہیں ہو سکتا، نہ کٹا نہ جزا۔

جسم جن ذات سے مرکب ہے ان میں دو قسم کی کشش پائی جاتی ہے کشش اتصال -
 کشش کیمیائی کشش اتصال کا ذکر ابھی اور گذر چکا کشش کیمیائی کے یہ معنی کہ جب مشابہ
 کا بن اور کسی جن آپس میں ملتے ہیں تو کھلبانک پیدا ہونے جاتی ہے اس اتحاد کے لئے کاربن
 اور کسی جن ایک فوت کے اثر سے ایک دوسرے کو اپنی اپنی طرف کھینچتے ہیں جس طرح زمین
 چہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے اسی کشش کی وجہ سے مختلف عناصر آپس میں ملتے ہیں اور ترکیب
 امتزاجی پیدا ہوتی ہے یہ کشش نہ ہوتی تو دنیا میں کوئی دھب چیز نہ بنتی سب عناصر الگ
 الگ رہتے۔ اسی کشش کیمیائی کا اثر ہے کہ نباتات میں زمین کے اجزاء ملتے ہیں اور
 نباتی اجزاء بن جاتے ہیں اسی طرح نباتی اجزاء حیوانات کے جسم میں حیوانی اجزاء بن جاتے ہیں
 اس کشش کیمیائی کی حقیقت سے متکلمین اسلام صحیحی واقف تھے، مولوی روم
 فرماتے ہیں ۵

میل بہر جزئے جزئے ہم نہ	زاتحاد ہر دو تولید سے جس
ہر یکے خواہاں دگر راہچو خویش	از بے تکلیف نسل و کار خویش
دور در دوں راز مومن عشق و اں	گر نبودی عشق بفسردی جہاں
کے تہاؤں خوشی و در نبات	کے فدا ہی روح گشتی نایبات
ہر یکے بر جانسردی ہمو بخ	کے بے ہی پراں و جو یاں ہمو بلخ
بہلا چراغ جہاں ز اں حکم پیش	جنت جنت و عاشقان جنت خویش
بہت ہر نزد سہ عالم جنت خواہ	راست بہوں کہ را دگر گاہ

مولوی غلام علی آزاد و لکرامی

دلی اور لکھنؤ میں جو سادہ و سادہ ثابت قائم کر دی گئی ہے وہ اور کسی اعتبار سے صحیح ہو یا نہ ہو
لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ایک خاص بات میں آزاد یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ
ہندوستان کے تمام غمروں سے ہمیشہ ممتاز رہا ہے۔ وہ یہ کہ اس کے اطراف و جوانب میں
جو مردم خیز بستیاں ہیں انہوں نے جس درجے کے علاؤ فضل پیدا کئے وہی ایک طرف، کل
ہندوستان نے اس پایہ کے بل کمال پیدا نہیں کئے، ملاقطب الدین شہید۔ ملا نظام الدین
بحر العلوم۔ حمود اللہ۔ ملا حسن۔ ملا کمال، قاضی مبارک جو آسمان علم کے ثوابت اور سیارے ہیں۔
انہی بستیوں کی خاک سے اٹھے تھے، سہالی۔ گوباسو۔ نیوتنی۔ سوانا گو۔ خود عالم شہرت
میں روشناس نہیں لیکن انہوں نے جو علمی جواہر پیدا کیے آج تمام ہندوستان ان کے نام سے
گوںج رہا ہے، انہی مردم خیز بستیوں میں ایک بلکرام جی ہے جو آج ہی علمی حیثیت سے ایک
خاص امتیاز رکھتا ہے۔ مولوی غلام علی آزاد جن کا مختصر حال ہم لکھنا چاہتے ہیں میں
کے رہنے والے تھے۔

بلکرام میں جس قدر دماغی مساوات آباد ہیں ان کے موٹ اعلیٰ جو بلکرام میں آکر آباد ہوئے
سید محمد صفحہ منی ہیں وہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مدد تھے اور سلطان شمس الدین التمش
کے دربار سے غفلت دیکھتے تھے، اس زمانے میں بلکرام پر ایک ہندو راجہ قابض تھا
جس کا نام سری تھا اور جو نہایت تعصب اور سرکش تھا، جس سید محمد صفحہ منی اس کی
سرکوبی کے لئے تھوڑی سی فوج لے کر روانہ ہوئے اور بلکرام کے قریب پہنچ کر راجہ سے جھگڑا

ہوئے۔ راجہ مع عزیز و اقارب کے قتل ہوا، اور بگرام پر پورا قسطنطینو پگیا، اس واقعہ کی تاریخ خطا و غلطی کے لفظ سے نکلتی ہے۔

سید محمد صفری نے نہیں اقامت اختیار کر لی یہ شیوخ فرغوری اور ترکمان جوان کے ساتھ آئے تھے وہ بھی ہیر پانا ہو گئے، اس زمانے میں بالگنداری کا طریقہ تھا کہ غلہ کی سیراب اور کادوسان محمد لیا جاتا تھا جس کو وہ کی کہتے تھے چنانچہ محمود بن محمد شاہ بن سلطان فیروز شاہ دہلی کے فرمان کی جو عبارت مولوی غلام علی آزاد نے آثار الکرام میں نقل کی ہے اس کے یہ الفاظ ہیں، "چنانچہ دو محمد سلاطین ماضیہ عشرین غلہ دادو اندھم برآن جلد بہ ہند" یہ فرمان سنہ ۷۸۵ کا ہے۔ جو سید محمد صفری کے نام صادر ہوا تھا۔

سید محمد صفری نے بگرام میں ایک قلعہ تعمیر کیا اور ۳۲ برس کی حکومت کے بعد ۸۴۵ھ میں وفات پائی، مولوی غلام علی آزاد، انہی سید محمد کی اولاد میں سے ہیں۔

مولوی غلام علی آزاد درویشکینہ ۲۵ صفر ۱۱۱۶ھ میں یہ مقام بگرام محلہ میدان پورہ میں پیدا ہوئے۔ کتب درسیہ سید غلیل محمد بگرامی سے پڑھیں جو اس زمانے کے مشہور فاضل تھے۔ عروض و قافیہ اور بعض ادب کی کتابیں پڑی تھیں۔ پڑھیں جو آزاد کے ماموں اور سید عبدالکلیل کے فرزند رشید تھے، اس زمانے میں سید عبدالکلیل بگرامی آزاد کے نانا اساتذہ روزگار میں شمار کئے جاتے تھے، وہ ۶۷۰ھ میں کیسرویاست و ملازمت سلطنت کے بعد وطن میں آئے، اس وقت آزاد کی عمر ۱۸ برس کی تھی، یہ پہلا موقع تھا کہ آزاد نے اپنے ماموں یگانہ معکے دیدار سے آنکھیں روشن کیں، آزاد نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر زانوئے شاگردی بنی، اور کتب حدیث کی اجازت حاصل کی، سنہ ۱۱۳۴ھ میں سید عبدالکلیل نے ہر دلی کا رخ کیا، چونکہ آزاد کی تکمیل کے مراحل ابھی طے نہیں ہوئے تھے، یہ بھی ساتھ گئے اور

دو برس تک ان کی خدمت میں رہ کر استفادہ کیا تا موصی اللہ تعالیٰ کا متہ جس سے اس حدیث کی بعض کتب میں
 ان سے پڑھیں اسید عبد الحلیل ان کی یاقوت اور استعداد سے اس قدر خوش ہوئے کہ اکثر کما کرتے
 تھے کہ امید ہے۔ تم سے میری یادگار قائم رہ جائے۔ فروع تحصیل کے بعد وطن میں واپس آئے
 اور مدت تک میں رہے۔

۱۲۲ء میں سندھ کے سفر کا اتفاق ہوا، تفریب یہ ہوئی کہ ان کے کاموں میں سید محمد اس زمانہ
 میں بادشاہ دہلی کی طرف سے سندھ کے یہ کنٹری اور وقایع نگار تھے اور سیوستان جو سندھ کا ایک شہر
 ہے ان کا صدر مقام تھا، ان سے ملنے کے لئے بلگرام سے نکلے، اور دلی۔ لاہور اور ملتان جوتے
 ہوئے سیوستان پہنچے، اس زمانے کے سفر کی دشواریوں پر خیال کرو کہ ذی الحجہ ۱۲۲ء میں بلگرام
 سے روانہ ہوئے تھے اور ربیع الاول ۱۲۳ء میں سیوستان پہنچے۔ یعنی یہ مسافت ایک برس تین مہینے
 میں ختم ہوئی۔ میر سید محمد نے ان کو اپنا قائم مقام کر کے خود بلگرام کا قصد کیا اور پورے چار برس کے
 بعد واپس آئے۔ آزاد خان ۱۲۴ء میں سیوستان سے دلی میں آئے یہاں خبر لی کہ ان کے والد ماجد
 مع تمام اہل و عیال الٹا باد میں تشریف رکھتے ہیں، یہ شکر اگر ہوئے ہوئے الٹا باد پہنچے۔ والدین سے
 مل کر سعادت دارین حاصل کی، دو چہرہ روز نہیں قیام رہا۔ اس قیام کے زمانے میں دو دفعہ
 بلگرام گئے، دوسری دفعہ جا کر واپس آئے تو سفر حج کا شوق دامگیر ہوا، بچپن میں کبھی خواب دکھایا
 تھا کہ جناب رسالت پناہ کے وید کا شرف حاصل ہوا ہے، یہ آگ اندر رہی اندر سلگتی رہی، یہاں تک
 کہ ضبط ہو سکا اور ۳۰ جب ۱۲۵ء میں بے اختیار نکل کھڑے ہوئے۔ اگرچہ کبھی پیادہ رومی کا اتفاق
 نہیں ہوا تھا لیکن بتیابی شوق میں سواری کا خیال ہی تنہا کسی کو خبر تک نہ ہونے دی۔ یہاں تک کہ
 ان کے چلے جانے کا حال لوگوں کو تیسرے دن معلوم ہوا عورتیں بہت بغیرا ہوئیں، ان کے
 لے آئے انکرام نہ کر سید عبد الحلیل بلگرامی۔

جہاں سید غلام حسن سے جن منزل تک تعاقب کیا مگر یہ پاٹ نہ لگے، مجبوراً واپس گئے، چونکہ
 آواز دے کر اس خیال سے کہ لوگوں کو تیرہ رنگ جاے معمولی راہ چھوڑ کر غیر متعارف راستہ اختیار
 کیا تا اس لئے صحرا نوردی میں بھی تکلیفیں اٹکائیں چنانچہ ایک شہنوی میں جو حالت سفر میں
 لکھی ہے اور جس کا تاریخی نام غلام حسن کا ہے لکھا ہے فرماتے ہیں ۵

مارغوا بسید وامت جہاد واد	برخیزند روز بافتاد واد
ایک این راہ تیز نادر واد	جامد از تن کند دم رفتار
زہر نش کا سہ از کد گیرد	ناراد و امن ہو اگیہ واد
می بریم رہے ہونے پانی	بارینت کہ بد و ہنہانی
صبح تا شام راہ می رفتم	خون چکاں تر ناہ می رفتم
ہمد کسار و دشت ناہوار	قدم موردایں روہ و شوار
ہر قدم روداد و بیسوں	چوں دم تیغ تشنہ خون
موج خوناب و جوش آبلسا	ریخت در راہ رنگ سلسا

بلگرام سے سرو پنج تھک جو مالوہ کے اضلاع میں ہے پیادہ پاسفر کیا نوبت یہ پہنچی کہ
 بانوں میں آبلے پڑ گئے اور قدم رکھنا مشکل ہو گیا جس اتفاق یہ کہ نواب آصف جاہ نظام
 وکن مالوے میں فوجیں لے پڑے ہوئے تھے لشکروں میں سے ایک نیکدل خان کے
 سال سے مطلع ہو کر نہایت فیاض دلی کی نگہ میں لے جا کر کہاں آتا رہا اور ایک پر تکلف و
 سہاہی کو دی چونکہ ان کے فضل و کمال کا شہرہ دور دور پہنچ چکا تھا نواب آصف جاہ کے
 دربار میں تقریب ہوئی چنانچہ شعبان ۱۲۵۵ء میں حضوری کا موقع حاصل ہوا، انہوں نے
 اگرچہ کبھی تمام عمر امر کی بجائے زبان آلودہ نہیں کی، لیکن سفر حج کے حقوق اور بے تابی

لحم و داری کا سرخشتیت سے مایا دار۔ دھار میں باکریہ باغی پڑی ہے

حق داد و ترا خطاب آصف شایاں	اسے حامی ہیں انھو خط جو دوا حسان
تو آل نبی را بہ در کعبہ رساں	اتمنت بہ در گاہ ستیلاں آدرو

سود اتفاق یہ کہ نواب اس زمانے میں مرہٹوں سے معرکے کر رہے تھے اور بہاول کی مدد و میں ہر طرف آتش جنگ مشتعل تھی، اس وقت مسلمانوں میں عجمیت کا اس قدر اثر باقی تھا کہ ان کے ہات قلم کے ساتھ تلوار سے بھی ناشتہ آواز دہنے ہی ان معرکوں میں شرکت کی جتنا پوچھ غریب کہتے ہیں ۵

بلیکے ذوالفقار خون آشام	من ہم آں روز در صف اسلام
حلمہا یمنہا لفساں بروم	قدیم پرولانہ افشہ دم
کر وہ از کام تاج بگر بریاں	تشنگیاے روزہ رمضان
ایں سہ دولت مرا ہم روداد	سفر کعبہ و صیام و جہاد

رمضان کے اخیر میں صلح ہو گئی اور نواب نے فطمنہ کو آزاد کر کے ۱۰ ذوالحجہ کا معقول بندوبست کر دیا۔ شروع شہال میں یہ بہاول سے نکلے اور پربا پور ہوئے ہوئے ۱۰ ذوالحجہ کو بندہ سورت میں پہنچے ۲۴ کہ جہاز میں سوار ہوئے ۱۸ محرم ۱۱۵۱ کو کوجہ میں اترے سورت سے بدوٹنگ کا سفر قریبا دو جینے میں طے ہوا شیخ محمد فاخر الزبیدی جو شہر موافی اور شاعر گذرے ہیں اس زمانے میں ہیں تھے آزاد کی آمد کی خبر سکر پڑے اشتیاق سے لینے آئے آنا و جہاز سے اٹھوے تو پہلے انہی سے تالکبیں چار چوئیں دونوں بڑی گر جو جشی سے بے جدہ سے چل کر ۲۳ محرم کو مکہ منظر پہنچے چونکہ کازانہ گذر چکا تھا تین دن مکہ میں رہ کر مدینہ کا قصد کیا ۱۱ محرم کو مکہ سے نکلے پورے ایک جینے میں مدینہ پہنچے اس وقت ان کی عمر ۳۳

کئی تھی۔

خیج حیات جو سندہ کے رہنے والے تھے اور اس وجہ سے سندھی کہلاتے تھے اس زمانہ کے بہت بڑے محدث تھے انہوں نے ہجرت کر کے یہ منور ہیں قیام اختیار کر لیا تھا، اور وہ اس موقع کو نہایت غنیمت سمجھا اور ان کی خدمت میں حاضر ہو کر صحاح ستہ کی سند لی۔ اکثر باتوں کو مسجد نبوی میں جا کر صحیح بخاری کا مطالعہ کیا کرتے تھے، اسی زمانے میں ایک غزل لکھی جس کا مطلع یہ ہے ۵

نمود جلوه اعجاز شمع مطلبی	نماند شوخی چشم شرار بولہبی
---------------------------	----------------------------

آئندہ جیسے یہاں قیام رہا۔ ۴۴ اشوال کو حج کے ارادے سے روانہ ہوئے اور ۲۶ کو مکہ پہنچے یہاں ناسک و اعمال حج کے ساتھ تحصیل علم کا سلسلہ ہی جاری رہا شیخ عبدالوہاب طنطاوی مصری۔ جو مشہور محدث گذرے ہیں، ان سے حدیث کی تفصیل کی، حج کے بعد طائف کا قصد کیا، اور مزارات متبرکہ کی زیارت کی، حضرت عبداللہ بن عباس کے مزار پر حاضر ہوئے تو یہ شعر زبان سے نکلے ۵

اے صبار وہ مزار پر علم نبی	خاک آن روئے کم از عنبر تر نشناسی
کردہ ام خوب تماشایمین طائف را	ز سد بیچ گل او بہ گل عباسی

ربیع الثانی ۱۱۵۲ھ میں طائف سے روانہ ہو کر جدے پہنچے اور ۳ جمادی الاولیٰ کو جبار پر سوار ہوئے، جہاں آٹھویں دن بندر گاہ نمایاں ہوا۔ یہاں شیخ شاذلی کا مزار ہے، چونکہ جبار نے جبار بن تک یہاں لنگر کیا، یہاں کی خوب سیر کی شاذلی کے مزار پر فاتحہ پڑھی، ۲۹ جمادی الاولیٰ کو جبار بندر گاہ سورت میں پہنچا، جدے سے سورت تک کا راستہ ۲۶ دن میں طے ہوا۔

سورت میں پانچ مہینے تک قیام رہا، وہاں سے اورنگ آباد میں آئے اور بابا شاہ

تصفندی کی خانقاہیں اور چند روز تک گوشہ نشینی کی لیکن سیاحت کا شوق جیسی تھا،
 لیکن کے مختلف مقامات میں بہرے رہے آخر درنگ آباد میں مستقل قیام اختیار کیا اور یہیں
 سندس وفات پائی۔

تصنیفات

تصنیفات کی تفصیل سے پہلے یہ گنا مشہور ہے کہ ان کی تصنیفات ہندوستان میں
 اپنی قسم کی پہلی تصنیف ہیں۔ فن رجال اور تاریخ اگرچہ مسلمانوں کا گویا خاص فن ہے لیکن
 ہندوستان کی علمی حالت کی کچھ ایسی افتاد پڑی تھی کہ ابتداء سے اس زمانے تک کسی نے ایک
 کتاب بھی اس فن میں نہ لکھی، نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے سیکڑوں ہزاروں علماء و فضلا کے حالات
 پر آج گنا می کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ آزاد و سب سے پہلے شخص ہیں جس نے ہندوستان کے
 علماء اور ارباب عوام کے حالات قلب بند کئے، آزاد نے اس اولیت پر خود جا بجا فخر کا اظہار کیا
 ہے اور بجا کیا ہے۔ اب تصنیفات کی تفصیل ملاحظہ ہو

سرو آزاد شعرا کا تذکرہ ہے۔

یہ مضمون یہ بھی شعرا کا تذکرہ ہے اور شاید سب سے پہلی تصنیف ہے پہلا نسخہ۔ ہندوستان
 (سندھ) میں لکھا جاتا ہے ہندوستان پنج پیکر بہت کچھ تعریف کیا اور شائع ہو میں دوسرا ایڈیشن شائع
 کیا میں نے اس کتاب کا اصلی مسودہ ان کے ہاتھ لکھا دیکھا ہے۔

ماثر الکرام۔ خاص بلگرام اور عموماً فقراء اور علماء ہندوستان کے حالات میں بیٹے علماء

ماثر الکرام شاہ حبیب الدین قوی کے ذکر میں لکھا ہے کہ اس خانقاہ میں سات برس تک
 قیام ہوا۔ ۱۲۰۵ھ بمطابق ۱۷۹۰ء

سے پہلے اس کی تصنیف کی ابتدا ہوئی تھی کہ سفر حج پیش آیا اور مسودہ ناتمام رہ گیا ^{۱۱۵۶} میں سے
 اورنگ آباد میں آئے تو وطن سے مسودہ منگو کر کتاب پوری کی۔

خزانہ عامہ۔ خاص اُن شعر کی حالات میں ہے جن کو دوبار شاہی سے صلے ملے ہیں۔
 اس میں ہندوستان کی تخصیص نہیں ہے ^{۱۱۵۷} اس کی تصنیف جب کہ اُن کی عمر ۶۱ برس
 کی تھی۔

روضۃ الاولیاء مصنف کے حالات میں ہے
 سند السعادات فی حسن خاتمۃ السانوات۔ ثابت کیا ہے کہ سعادت کا خاتمہ

ضرور اچھا ہوتا ہے
 دیوان عربی۔ کئی دیوان ہیں جن کی مجموعی تعداد تین ہزار شعر ہیں۔ یہ چپ بھی ہو گئے ہیں
 دیوان فارسی۔

شرح بخاری۔ چند ابواب کی شرح کی ہے۔ اس کا قلمی نسخہ بعض احباب کے کتب خانے
 میں موجود ہے۔

آزاد نے عجایب تصریح کی ہے کہ وہ ہندی یعنی بہا شاہ زبان سے پوری واقفیت رکھتے
 ہیں۔ خزانہ عامہ میں ابوسعود سلمان کے حالات میں لکھتے ہیں "من اگرچہ دو دیوان دارم
 عربی و فارسی لکن شعر ہندی را خوب می فہم و از چاشنی آن حظ مستوفی دارم" مسلمانوں پر پیر ^{۱۱۵۸}
 ہے کہ انہوں نے اگرچہ تمام دنیا کے علوم و فنون کے ترجمے کئے لیکن کبھی زبان کی منتظر رہے
 سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ انتہا یہ کہ یونانی زبان جو مسلمانوں کے علوم کا اصلی سرچشمہ ہے عربی علوم
 نثر اسنس سے مطلق متاثر نہیں معلوم ہوتے۔ بے شبہ اس اعراض کا جواب نہیں ہو سکتا
 لیکن اس اعراض کے وزن کو فیضی و آزاد نے کسی قدر کم کر دیا ہے فیضی کی نئی دمن میں

ان نازک اور لطیف مستحالات کا صاف پر تو اسے ہر سنسکرت کے ساتھ مخصوص ہیں اور آزاد
 سے تو سوجہ المرجان میں ایک خاص باب پانچواں ہے جس میں انہوں نے عربی زبان میں بہا
 کے خیالات اور شاعرانہ صنایع منتقل کئے ہیں۔ ان صنعتوں کی تعداد ۲۲ ہے اور عربی زبان میں
 آزاد نے ان کے یہ نام رکھے ہیں۔ تشبیہ الشی بنفسہ۔ تشبیہ البہران۔ انتراع۔ تشبیہ البہران
 انتراع۔ تشبیہ السلب۔ تشبیہ النفی۔ تشبیہ التقویۃ۔ تشبیہ الاستغفار۔ تشبیہ التمنی۔ التفصیل علی تفصیل
 تفصیل التبعیہ۔ براۃ الجواب۔ جمیع الخزانہ و تفریقہا۔ قلب الماہرۃ الاستبداد۔ الطیان۔ القسط
 الاعتساف۔ الالاء۔ العدد۔ مخالطۃ۔ التاویل۔ اہمار النہی۔ التخیج۔ آزاد نے لکھا ہے کہ صنعتیں
 ہندی زبان کے ساتھ مخصوص ہیں جو عربی و سنسکرت میں نہیں پائی جاتیں، باقی اور زبانوں
 میں بھی مشترک ہیں۔

آزاد نے ہندی کے بحر و نوافی کا یہی عربی سے مقابلہ کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ ہندی کی
 اکثر بحر میں عربی و فارسی بحر مختلف ہیں، لیکن بحر تقارب۔ کفن الخلیل۔ اور بحر سریع ہندی میں بھی
 ہے، ایک بڑا فرق یہ بتایا ہے کہ ہندی میں بعض بحر میں ایسی ہیں جن کا قافیہ مصرع کے
 آخر کے بجائے وسط میں آتا ہے۔ اور باوجود اس کے یہ بحر مطبوع اور دلپسند ہے۔

تصنیفات مذکورہ میں سے سوجہ المرجان اور آثار الکرام مذکورہ علما کی حیثیت سے قابلِ ملاحظہ ہیں
 اگرچہ حالات نہایت اختصار کے ساتھ لکھے ہیں لیکن جو لکھا ہے مستند لکھا ہے۔ قمار کے
 حالات میں اختصار کے لئے تو عذر موجود تھا کہ ماضیہ دل کا پتہ نہیں۔ لیکن اپنے زمانے کے
 علماء کے حالات میں یہی نہایت اختصار پڑتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کوتاہ قلبی دین کا
 خاصہ ہی ہے۔

شعرا کے تذکرے میں جو تین کتابیں لکھی ہیں ان میں سے خزانہ عامرہ زیادہ مفصل اور

میرا ہے۔ اس کے دیباچے میں کتاب کے اخذ بنا کر میں نے ابواب موفی فیہ کا اضافہ کیا ہے۔
 کتاب ہماری نظر سے گذری ہے اور اس نے ہیکو امنوس ہوتا ہے کہ ایسے عمدہ اخذ سے
 آزاد ہے پورا غلطیہ نہیں اٹھایا۔ تاہم خزائن عامہ میں بعض ایسی خصوصیات ہیں جنکی داد دینی چاہئے
 مول تو اکثر شعرا کے ذکر میں ایسے شاعرانہ و محسوس مباحث لکھ میں جن میں تنقید کی
 جملک پائی جاتی ہے۔

دوسرے جابجا بحثا ایسے فوائد بیان کرتے جاتے ہیں جو تحقیقات علمی کی جگہاں ہیں،
 شعرو شاعری کے نو دولت اکثر تصنیف الفاظ پر بہت جان دیتے ہیں اور ذرا سے تہل و تغیر پر
 اس قدر شک و سارائی کرتے ہیں کہ گویا جی آئی کا کوئی لفظ اول بدل ہو گیا ہے۔ آزاد نے ایک
 موقع پر سیکڑوں الفاظ گناہ میں جو قاعدے کی رو سے بالکل غلط اور ناجائز ہیں، لیکن سلتزہ
 کے اس برابر برتے جاتے ہیں۔

مثلاً۔

ازدیکہ درشن جنوں رسوا شدہ پیرانہ	خندہ بر من نہ خطاں۔ طفلان کتب خانہ ہم
ظہور حسن تو آئینی جو دوراں وا د	کہ بادشاہ ز رعیت نے ستانہ باج
اسے رنگ آمیزاں گمراہ	وے از تو گذارش صورما
نصبت گردیدانہ جانے تعجب بہر صیت	کہ عجائب ہاے دوراں دیوار خاتم رسید
غمرہ درناخت خوش گزین نا حاصل	گرد و اسرار ہاے پھناں قاش
باطل دسمگر گر و دوز باغم گر و د	کہ گمگہ دار و از ان چشم منوں ساز مرا

بعض جگہ وقتیں علمی مباحث بیان کئے ہیں جس سے ان کی علمی وقت نظر کا شہوت

لے غزلیہ عامہ صفت

ہوتا ہے۔ یہ سب سہے لیکن افسوس اور محنت افسوس یہ ہے کہ چوتھے تذکرے کی جان بے
 وہی نہیں۔ ایران میں تذکرے سے مقصود عمدہ اشعار کا انتخاب ہوتا تھا چنانچہ ابتدائی تذکرے
 صرف انتخابات ہیں، مرزا صاحب کا انتخاب آج بھی موجود ہے جس میں کسی شاعر کا حال برا
 نام ہی نہیں، صرف اشعار ہی اشعار ہیں لیکن انتخاب اس درجے کا ہے کہ ہزاروں تذکرے
 اس پر سے نثار کر دیے جائیں۔ والدہ غسانی اور آتشکدہ آذہ میں گو حالات ہی ہیں لیکن اصل
 خصوصیت موجود ہے۔ خلافت ان کے خزانہ عامرہ بلکہ آزاد کرتیوں تذکرے، گویا نغما
 کا مجموعہ ہیں، تمام کتاب میں مشکل سے ایک آدھ شعر چنانچل آتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ
 اس زمانے میں تمام ہندوستان کا مذاق شاعری محنت خراب ہو چکا تھا، معنوں آفرینی یعنی
 جموٹی خیال بندی پر لوگ جان دیتے تھے، زبان کی دلاویزی۔ لطف بندش۔ لطافت و نزاکت
 سے کسی کو غرض نہیں رہی تھی۔ چنانچہ اس عمدہ کے جتنے تذکرے ہیں سب اسی مرض میں مبتلا
 ہیں۔ خان آرزو کا مجمع النقایس، اس عمدہ کا عمدہ ترین تذکرہ خیال کیا جاتا ہے، اسکی ہی یہی
 حالت ہے۔ یہ بد مذاقی اخیر تک قائم رہی بیان تک کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں نے
 ریزہ جو اہر انتخاب کیا، میں نے نقات دہلی سے سنا ہے کہ مرزا غالب وغیرہ کا خیال تھا کہ
 ہندوستان میں فخری شاعری کا مذاق صحیح جو دوبارہ قائم ہوا وہ اس انتخاب نے قائم کیا۔
 آزاد کا عربی اور فارسی کلام اگرچہ کثرت سے ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے چہرہ کمال
 کا دلغ ہے، اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ عربی زبان کے بہت بڑے ادیب ہیں، نہایت
 مہر و کتب ادبیہ پران کی نظر ہے، لغات اور محاورات میں کی زبان پر ہیں۔ لیکن کلام میں اس قدر
 جمعیت ہے کہ اسکو عربی کہنا مشکل ہے، ان کو اسپرنا نہ کہ انہوں نے عجم کے کئیالات عربی
 زبان میں منتقل کئے ہیں لیکن نکتہ سچ جانتے ہیں کہ یہ ہنر نہیں بلکہ عیب ہے ۶

خطابنودوام و چشم آفریں وارم۔

غائبی کی بھی یہی حالت ہے۔ سیکڑوں ہزاروں اشعار میں ایک شعر بھی ایسا نہیں نکلتا
جواہل زبان کا کلام سمجھا جائے۔ آزاد نے والدِ داغستانی کے حال میں لکھا ہے کہ چونکہ میری
اور ان کی بہت کم صحبت رہی اس لئے نہیں لے ان کا ذکر سرا و آواہ میں کیا، انہوں نے میرا
ذکر ریاض الشو میں کیا۔

اپنے خیال کے متعلق جو کچھ آزاد نے لکھا صمیم لکھا لیکن والدِ داغستانی کی نسبت ان کا
حسن ظن ہے، ورنہ داغستانی، آزاد کے کلام کو اس قابل کب سمجھتا کہ تذکرے میں درج کرتا
اس نے جابجا تصریح کی ہے کہ ہندوستانی شعرا جس زبان میں شعر کہتے ہیں خدا جانے کس
ملک کی زبان ہے۔

آزاد کے علمی کارناموں کے تذکرے میں مآثر الاحرار کا ذکر قلم نثار نہیں کیا جاسکتا،
یہ کتاب فنِ تاریخ میں اپنے موضوع کے لحاظ سے ایک ایسی کتاب ہے جس کی نظیر عربی زبان
میں بھی باوجود اس وسعت اور فراوانی مواد کے موجود نہیں مصمصام اللہ شاہنواز خاں، نواب
آصف جاہ و کن (مورث اعلیٰ صفحہ نظام دکن) کے امر میں سے تھے انہوں نے ایک
کتاب خاص اس موضوع پر لکھنی چاہی کہ بابر کے زمانے سے اخیر عہد تک دولتِ تیموریہ میں
جن قدر عہدہ داران سلطنت گزرے ہیں سب کے حالات قلبند کئے جائیں، چنانچہ
مآثر الاحرار کے نام سے اسکی تدوین و ترتیب شروع کی، پورے پانچ برس اس کام میں
صفت ہونے لگی، اگرچہ امیر موصوف کا علمی پایہ خود اس قدر بلند تھا جیسی تصنیف سے عہدہ ہما
کے لئے کافی تھا، تاہم امارت کے راحت پرستی سے حسبِ درخواست سامان نہ ہو سکا امیر موصوف
اس نکتے سے غافل نہ تھا، انہوں نے اس موقع پر آزاد کو یاد کیا یا اس وقت اپنے وطن گیا

میں تھے، انہیں قاصد بھی اور سفرنگ کے لئے ہر طرح کے سامان مہیا کئے میں نے معید آباد میں خود
 آزاد کے ہات کا لکھا ہوا ایک خط دیکھا ہے جس میں وہ ایک دوست کو لکھتے ہیں کہ مناسب
 مصمصام الدولہ نے آثار الامرا کا مسودہ بھیجا ہے، کتب اچھی ہے لیکن چونکہ ترتیب کے لحاظ
 سے سخت اصلاح کی محتاج ہے، میں نے نواب موصوف کو لکھا کہ یہ کام اتنی دور سے انجام
 نہیں پاسکتا، نواب نے میرے لئے بالکی کی ٹوک کا انتظام کر دیا ہے، دو مہینے میں آزاد آباد
 پہنچونگا، اور مسودہ کو درست کرونگا، اس زمانے کے امراء کے علمی شوق کو دیکھو کہ ہزاروں کو س
 کے فاصلے سے اہل فن کو ان کاموں کے لئے بلواتے تھے، بہر حال آزاد نے اورنگ آباد
 پہنچ کر کتاب کی اصلاح و ترتیب کی۔ لیکن بد قسمتی یہ کہ نواب موصوف ایک رطائی میں ماری گئے
 اور ان کے کتب خانے کے ساتھ یہ کتاب بھی اور اق خزاں کی طرح برباد ہو گئی، آزاد نے بڑے
 نقص سے پورے ایک برس کے بعد مسودے کا پتہ لگایا۔ لیکن تمام اجزاء درجہ درجہ جمع ہو گئے
 تھے، بد قسمتی مشکل اور دیدہ ریزی سے آزاد نے ان کی ترتیب کی۔ لیکن قطب الملک عبدالغفر
 کا حال سرے سے نہ تھا، امیر الامرا حسین علی خاں کا تذکرہ ابتداء سے ناقص تھا، آصف جاہ و
 نظام الدولہ کا حال خود مصنف نے قلم انداز کر دیا تھا، آزاد نے ان سب کے حالات خود لکھے،
 اور کتاب میں شامل کئے، ابو الفضل اور سعد اللہ خاں کا حال بھی مسودہ میں نہ تھا، غرض آزاد
 نے مسودہ کے اجزاء مرتب کئے، تاہم حالات کی تکمیل کی، حمد و نعت لکھی، انہی کی محنت اور
 کاوش کا نتیجہ ہے کہ اسلام کے تاریخی خزانے میں ایک ایسی نایاب جہر کا اضافہ نظر آتا ہے۔
 اسی کے ساتھ ہکویٹیا ملک سوسائٹی لکھنے کا ممنون ہونا چاہیے۔ جس نے اس پیش ہما سرمایہ
 کو شائع کر کے عام کر دیا۔

معاصرین اور علمی صحبتیں

آزاد کا حمد وہ حمد تھا جب سلطنت تیموریہ کا آفتاب ڈبل چکا تھا، اس بنا پر علمی و ادبی کے کارکن ہی اس پایہ کے نہیں رہے تھے، تاہم نظام الدین - حبیب الدہ باری - عبد الحلیل بلگرامی، شیخ علی حزیں اٹخاں، آرزو - والدہ اعشانی وغیرہ جیسے فاضل اور نکتہ سنج موجود تھے۔ آزاد کو ان میں سے اکثروں سے صحبتیں رہیں، ان صحبتوں میں ان کے فضل و کمال اخلاق و عادات کے جوہر زیادہ نکلتے ہیں، اس لئے ہم ان کو ذرا تفصیل سے لکھنا چاہتے ہیں۔

ایک دن نوب ناصر جنگ خمید کے ہاں رفیر زند آصف جاہ (جن کا ذکر ذرا تفصیل سے آگے آتا ہے) اہل سخن کا مجمع تھا، کسی نے مرزا صاحب کا یہ شعر پڑھا

اہل کمال رالب انظار خاموشی است	منت پذیر ماہ تمام از ہلال نیست
--------------------------------	--------------------------------

اس کے معنی میں سخت اختلاف ہوا، اور واقعی اختلاف کا موقع تھا، ماہ تمام یعنی ہر ماہ کا ہلال سے منت پذیر ہونا ایک بے معنی سی بات تھی، حاضرین بڑے زور شور سے گرم مباحثہ تھے کہ دفعۃً آزاد نے کہا کہ یہاں ماہ تمام سے بد مراد نہیں بلکہ پورے مہینے کا چاند مراد ہے، شعر کا مطلب یہ ہے کہ اہل کمال کا چپ رہنا ہی ان کے کمال کا اظہار کر دینا ہے اس وجہ سے کی شاعرانہ دلیل یہ ہے کہ جو مہینہ نہیں دن کا ہوتا ہے ماہ تو کا محتاج ہوتا ہے لیکن جو مہینہ پورے تیس دن کا ہوتا ہے اس کو ہلال کی حاجت نہیں سب کے آزاد کے معنی خمی کی داد دی۔

یہ سن نواب بہار میں آئے، تمام غم اور فتنہ اور بارشلا مصہام الدولہ شاہنواز خان
 دہلی خان جرات اورنگ آبادی۔ رضوی خاں۔ میرزا جاس، صاحب نقد ملی خاں، ایجاو، وغیرہ
 ہر ملک سے، نواب نے اپنی تازہ غزل جو بچہ اوسے اصلاح پا چکی تھی پیش شروع کی، ایک شعر
 میں سر کو خراں، باندہ ہمت اس شعر پر سب کی نگاہیں مہر خاندان تھیں، نواب نے آزاد کی طرف
 دیکھا، یعنی خمر آپ کی نظر سے گزر چکا ہے۔ آزاد نے فوراً مرزا صاحب کا شعر سن کر پڑھا
 یکسر ہر آواز تیس دست نگاہیں چھین

ما و ہمتا ہند گند سر و خراں در غزل
 برست سے کہا کہ مرزا صاحب سے تعجب ہے کہ سر کو خراں باندہ، سر و چلتا پیر تانیں خراں
 کی نہ کر سکتا ہے، آزاد نے کہا شاعری کی بنیاد عقل پر ہے، شائیں جو ہوا کے اشارے
 سے ملتی ہیں، جس سے دخت جو ہوتا نظر آتا ہے یہی دخت کا خراں ہونا ہے عربی میں اسی
 کا غے شاخ کو کیا، کہتے ہیں صاحب کے سوا اور شعر انہی سر کو خراں باندہ ہے،
 خواجہ حافظ فرماتے ہیں ۵

سر و صاحب گرو چاں تا چوں قصت بائد رواں
 ہر چند بجز اند باں سر و خراں کے گند
 فتح علی حرمی اس زمانے کے سب سے بڑے مشہور شاعر تھے، جس زمانے میں وہ ایران سے
 چل کر ہندوستان آئے تھے جب سیوستان پہنچے تو اتفاق سے آزاد سیوستان سے روانہ ہو کر
 وطن کو جا رہے تھے، راستے میں ایک مقام پر اتفاقیہ ملاقات ہو گئی، بہت لطیف صحبت رہی،
 میں اگر کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے لیکن معلوم نہیں کس خیال سے آزاد کی بڑی قدروانی
 کی، اپنے بات کی لکھی ہوئی غزلیں آزاد کو تحفہ دیں، خان آزاد نے غزلیں پر جو اعتراضات
 کئے، میں، ان میں سے بعض کا جواب آزاد نے قرآن عامرہ میں دیا ہے اور اچھی حد میں
 ہم پہنچائی ہیں۔

خان نذرو سے آزاد کی غائبانہ ملاقات تھی، خان موصوف نے اپنے تذکرہ مجمع الفوائد میں آزاد کا ذکر، وجہ کیا ہے اور خوبی سے کیا ہے۔

شاہ آفریں لاہوری پنجاب کے مشہور شاعر تھے، آزاد جس زمانے میں سندھ کی طرف جلائے تھے ۱۲۰۵ھ بمطابق ۱۷۹۱ء میں ان سے ملاقات ہوئی، دوسری دفعہ سندھ سے واپس آئے ہوئے جب ۱۲۱۰ھ لاہور میں آئے اور وہ دن تک قیام کیا، اس زمانے میں متعدد صحبتیں میں آزاد، پیر پھیا، لکھ چکے تھے، آفریں نے بڑے اصرار سے اسکی نقل لی اور اپنی فتویٰ انبان معرفت ان کی تذکر کی۔

حاکم لاہوری شاہ آفریں کے شاگرد تھے اور دربار شاہی سے توسل رکھتے تھے، آخر ترک تعلق کر کے واقف لاہوری کے ساتھ حرمین کا قصد کیا، واقف بیمار ہو کر سورت میں رہ گئے، حاکم کو حج کی دولت نصیب ہوئی حج سے واپس آکر حاکم اور واقف دونوں اورنگ آباد میں آئے، یہیں آزاد سے ملاقات ہوئی، حاکم نے یہاں رہ کر ایک تذکرہ الشعراء لکھا جس میں حضرت اُن شعراء کا حال قلمبند کیا جن کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، تحفۃ المجالس نام رکھا آزاد سے ذکر آیا تو انہوں نے کہا موضوع کی مناسبت سے مروجہ دیدہ زیادہ مناسب ہوگا، حاکم پڑک اٹھے اور یہی نام رکھا، غایت میں اسکا ذکر بھی کیا ہے چنانچہ کہتے ہیں ۵

سنہ تازہ کردہ ام تالیف	کہ از تازہ شد روان سخن
نام او کرد مروجہ دیدہ	آن کہ بودہ است روانہ سخن
اسم سامی او غلام علی است	سر آزاد بوستان سخن

والدہ و غسانی سے آزاد کی صحبت برآوردہ ہوئی۔ والدہ اور آزاد کا ساتھ سفر میں ہوا۔ سیستان سے ولی تک وہ نہیں مہنسا آئے ایک دن والد نے آزاد سے کہا کہ تم تم

کھڑے دوڑائیں آواز دے اہل انکار کیا لیکن والد کے اصرار سے مجبور ہونا پڑا، والد کی سوار کی
میں بیانی گویا انتہا اہم آواز کے ہندی گویا بے کا مقابلہ نہ کر سکا اور پیچھے رہ گیا، والد نے نہایت
ظلمانا۔ ایک دن آواز دے اپنا یہ شعر پڑھا

ازدہام بر سر جہاں با پوشش	بنے سبب اس برہنہ بالی فریت
---------------------------	----------------------------

والد نے کہا ہمارے ملک میں کفش کہتے ہیں۔ پا پوش نہیں کہتے، آواز دے مرزا صاحب
کا یہ شعر پڑھا

برخ دو دے است کہ از خرمین غایت	خاک گردنے است کہ افشانہ پا پوش من است
--------------------------------	---------------------------------------

ایک دن والد نے کہا کہ طیار کا لفظ ظاہلی سے ہے یا نام قرشت سے آواز دے کہا
میرزا محمد رفیع کے شعر سے مستنبط ہوتا ہے کہ ظاہر حلی سے ہے

دار چو مرغ عمرت پرواز بس بر سرعت	اسباب عیش و عشرت طیب را گونہ باشد
----------------------------------	-----------------------------------

میرزا سعید اشرف کا کلام ہی اس کی تائید کرتا ہے

می پرو باز ہوا ز عشق اوزنگ اور خرم	گر چہ باز خیر موج باد و طیب اش کرم
------------------------------------	------------------------------------

نور العین واقف سے بہت یاد آتا تھا، مختلف وقتوں میں آواز دے ان کی بڑی مدد کی، ایک دفعہ
یہ اوزنگ آباد سے ہندوستان کو جا رہے تھے راستہ میں ڈاکہ پڑا جو کچھ کائنات تھی سب جاتی تھی
صرف ایک عینک اور تھوڑا سا پارہ جو تھوہی کے خرق میں ساتھ رہتا تھا بچ گیا، واقف نے
بالا پو پھنکا آواز دے کے پاس ایک قاصد بیجا اور حقیقت حال سے اطلاع دی۔ خط میں یہ شعر بھی
لکھا ہوتا ہے

ہینکے دپارہ سیاب بامانند است	چشم بے خواب دول بیتاب بامانند است
------------------------------	-----------------------------------

آواز دے ہندو کی کے قدیم سے کچھ روپے بھیج دیے۔

کتاب ہے کہ بخیر سے خود دیکھا تھا اسے زائد اسکے متعلق اوکچہ حالات نہ معلوم ہو سکے۔

مدنی

علامہ احمد مرقی جو اک مشہور مؤرخ ہے کہتا ہے کہ میں اس مصحف کو شہ ۳۲۷ھ میں مدینہ میں دیکھا تھا اور اسے پڑا بھی سوچا موصوف یہ بھی کہتا ہے کہ اس نسخہ اور اندلس کے نسخے کے خط میں بالکل تفاوت نہ تھا بلکہ ایک قلم کے دونوں معلوم ہوتے تھے اس نسخہ کی پشت پر ان صحابہ کے اسماء گرامی درج تھے جنہوں نے اسکو لکھا تھا اور ان لوگوں کا بھی نام لکھا تھا جنکو حضرت عثمانؓ نے اس کام پر مامور کیا تھا۔ انفسوس ہے کہ اسے زائد اس کا کچھ حال نہ معلوم ہو سکا۔ بقول امام غنمی اس امر کا فیصلہ کرنا کہ یہ نسخہ کوئی تباہ بصری سخت مشکل تھا۔

شامی

یہ نسخہ ابو القاسم نجمی کے بیان کے مطابق شہ ۳۲۷ھ میں جامع اموی دمشق میں موجود تھا جیسے علامہ موصوف نے خود اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔ یہ نسخہ ہمارے زمانہ تک محفوظ تھا چنانچہ جامع اموی کے کتب خانہ کی فہرست میں اسکا ذکر موجود ہے استاد حضرت علامہ شبلی نعمانی نے جب شام کا سفر کیا تو اس زمانہ میں وہ مصحف موجود تھا قریباً آٹھ سال گزرے کہ اتفاقاً جامع اموی میں آگ لگ گئی اور یہ نسخہ جاتا رہا سلطان المعظم عبدالحمید خان نے مسجد اموی کو نئی سرسے تعمیر کرایا لیکن اس کو ہر گز اس کی تباہی ہو سکتی تھی۔ عربی اخبارات نے اس زمانہ میں اس واقعہ کا تذکرہ نہایت درد و اثر کے ساتھ کیا تھا۔

اندلس

اسکی نسبت زیادہ حالات معلوم ہیں جو دلچسپی سے خال نہونگے۔ یہ اب تک دریافت نہ ہو سکا کہ یہ نسخہ مشرق سے مغرب میں پہونچا کیونکر۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ سب سے پہلے اہل اندلس

کے پاس تھا اسکے بعد سلاطین موحیدین کے پاس آیا اور اسکے بعد ابراہیم بن محمد بن قتیبہ بن محمد بن
یہ تبرک مصحف جامع قرطبہ میں محفوظ رہا اور منجملہ ان خصوصیات کے جو جامع قرطبہ کو
حاصل تھیں یہ بھی اک بہت بڑی خصوصیت تھی۔ اہل اندلس اسکی بہت قدر کرتے
تھے اور اسے بہت عزیز رکھتے تھے سلطان عبدالمومن کو اس خبر نے کہ جامع قرطبہ
میں اک ایسا نایاب تحفہ موجود ہے یہ چین کر دیا۔ اور ایسے مراکش و جوسکا دارالسلطنت
تھا منتقل کرنا چاہا لیکن ہمیشہ اسکی اس خواہش پر اس کا فطری جوش ہمدردی غالب آتا رہا
کیونکہ اس تحفہ کو قرطبہ سے جدا کرنا اسکے باشندوں کو سخت تکلیف دینا تھا۔ رکیمہ کہ یہ
ان کی ایک بہت ہی مرغوب شے تھی لیکن قدرت نے سلطان کی خوش قسمتی سے
ایسا سامان ہم پہنچایا کہ بلا کسی کہ و کاوش کے یہ تبرک اسے مل گیا اور وہ یہ تھا کہ
باشندگان قرطبہ نے کسی مصلحت سے اس مصحف کو سلطان کی سپردگی میں دینا مناسب
خیال کر کے بارگاہ سلطانی میں استدعا کی کہ اسے سلطان اپنی حفاظت میں لیں۔ سلطان کے
حکم سے ابن بشکوال نے اسے شب شنبہ مورخہ ۱۱۵۵ھ میں جامع قرطبہ سے نکالا سلطان
موحدین بغرض حصول برکت ہمیشہ سفر و حضر اسے اپنے ساتھ رکھتے تھے چنانچہ جب خلیفہ
مستعد علی بن ماموں نے ۱۱۷۵ھ میں تلمسان کلن کیا اور راہ میں قتل ہو گیا اور اس کے بعد اسکا
بیٹا ابراہیم آیا اور وہ کہیں قتل ہوا تو ایسے ہنگامہ میں یہ تحفہ بھی گم ہو گیا۔

کہا جاتا ہے کہ وہ نسخہ تلمسان کے خزانہ میں محفوظ تھا جب سلطان ابی الحسن مرینی نے اسے فتح
کیا تو یہ قرآن اسے ملا جسکی نسبت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ اسے اپنے ساتھ رکھتا تھا لیکن
ابن بشکوال یقیناً بہت زراعت تھا کیونکہ ۱۱۹۲ھ میں پیدا ہوا اور ۱۲۵۵ھ میں قرطبہ میں انتقال
کیا اسکی تصانیف میں بن الفرض کی کتاب تاریخ علماء اندلس کا اک ضخیم حصہ ہے اور مختصر تاریخ اندلس و تاریخ
أصفہان اندلس جنہیں سے تاریخ اندلس طبع ہو گئی ہے۔

ہاتھ عزیز میں ایکے ہاتھ سے ننگر پر ننگل پہنچا جاں سے لطافت اکیل ایک تاجر کے ذریعہ۔
فاس پہنچا۔

چونکہ سلاطین موحیدین اسکی سچیتہ کرتے تھے لہذا خلیفہ عبداللہ من نے اسکے واسطے
ایک کل کا صندوق طیار کرایا جسکی تفصیل دلچسپی سے خالی نہوگی۔

علامہ احمد مرقی نے اسکی کیفیت یہ لکھی ہے کہ یہ صندوق ابن حکمت سے بنایا گیا تھا کہ جب
اس میں کئی ڈاکہ پڑتے تھے تو اسکے پٹ کھلتے تھے اور اندر سے ایک خانہ نکلتا تھا جس میں ایک
رجل ایک کرسی پر رکھی ہوتی تھی۔ رجل بغیر کرسی کے ہاتھ لگاے ہوئے کھلتی تھی۔ جب رجل و کرسی باہر
آجاتی تھی تو خانہ خود بخود بند ہو جاتا تھا۔ اور جب کبھی کو الٹی طرف پھرتے تھے تو خانہ پھر کھل جاتا تھا اور
چونکہ درجل از خود صندوق میں جا کر بند ہو جاتی تھی۔ ضیاء الحسن علوی طالب العلم دارالعلوم

نقشہ نصاب ندوۃ العلم

ہماری غرض اس نقشہ کشایع کرنے سے یہ ہے کہ اس میں جو کچھ غلطی یا اصلاح طلب بات ہو اس سے جو مطلع کیا جاوے

نقشہ نصاب سال اول						
ردیف	اسباق		ریاضی	تحریر	زبان ثانی	کیفیت
	اول	دوم				
۱	میزان مشعب	.	حساب سادہ	خوشخطی	انگریزی	
۲	"	.	میان عباسی	"	"	
۳	"	.	جغرافیہ	"	"	
۴	مختصر میر	نور میر	"	"	"	
۵	"	خلاصہ	"	"	"	
۶	"	"	"	"	"	
۷	"	"	"	"	"	
۸	"	فاسیات	"	"	"	
۹	"	مختصر میر	"	"	"	
۱۰	مختصر میر	"	"	"	"	
۱۱	"	"	"	"	"	

سال دوم

انتقبات دوم	پانچم مع النجوم	مساب	تحریر	زبان ثانی
۱	۱	۱	۱	۱
۲	۲	۲	۲	۲
۳	۳	۳	۳	۳
۴	۴	۴	۴	۴
۵	۵	۵	۵	۵
۶	۶	۶	۶	۶
۷	۷	۷	۷	۷
۸	۸	۸	۸	۸
۹	۹	۹	۹	۹

سال سوم درجہ ابتدائی

اول	دوم	سوم	ریاضی	تحریر	زبان ثانی	کیفیت
۱	۱	۱	۱	۱	۱	۱
۲	۲	۲	۲	۲	۲	۲
۳	۳	۳	۳	۳	۳	۳
۴	۴	۴	۴	۴	۴	۴
۵	۵	۵	۵	۵	۵	۵
۶	۶	۶	۶	۶	۶	۶
۷	۷	۷	۷	۷	۷	۷
۸	۸	۸	۸	۸	۸	۸
۹	۹	۹	۹	۹	۹	۹

۵۔ علامہ فاضل طبع احمد زبانی مصری ہر کتاب کے مصنفین۔ امین سائل کلامی اور اصول تفسیر کے
 سے مسائل ۱۰۰۔ ابتدائی تعلیم میں جامع کتاب اور بیان طرز کی غایت مفید ہے۔

انصاب درجہ متوسط دارالعلوم

سالی اول درجه متوسط

ردیف	اسباق			رمانی	تخریر	زبان ثانی	کیفیت
	اول	دوم	سوم				
۱	واضع السلاک	فرخ و قایم	سید حلقه	حساب	ترجمه	سیکلین یا	.
۲	"	"	"	سود و سود	پول و رومین	لاهر و طریق	
۳	"	"	"	مستطاب	جبر و هند	بولی مین	"
۴	"	"	"	ابن سینا	دوم	"	"
۵	"	شمسیه کامل	"	انقلیدس	مقال	"	"
۶	"	"	"	اول و ثانی	۳۲	"	"
۷	"	"	"	مجموع الادب	۵۲	"	"
۸	"	"	"	"	"	"	"
۹	"	"	"	"	"	"	"

۱۵ اوضاع المساک اے الفیتہ بن مالک گو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ الفیہ کی شرح ہو لیکن ایسا نہیں ہے علم نسخ کے نامہ سائل حسین محقق طرز پر دہرے گئے ہیں جاہلیت کے اشعار سے اکثر مقام میں استدلال کیا گیا کہ کتب استدلال میں ہندو نامہ سائل دوسری کتاب میں نہیں ہیں عبارات لطیفہ اور مانعہ نقل شدہ مطالبہ البیاض و البیاض کی تصنیف ہو ۱۶ کتاب فی الرقہ ادب اوفنون ادب کی جامع و معانی بیان۔ بیچ و بیچ کی توضیح اور بیچ و بیچ کی اشعار و آیات قرآنیہ سے جا بجا استشہاد کیا ہے اور نو کیلئے کتاب نہایت ضروری ہو شیخ تصنیف ایاز بن البیاض کی تصنیف ہے

سال دوم درجہ متوسط

ردیف	اسان			ریاضی	تحریر	زبان ثانی	کیفیت
	اول	دوم	سوم				
۱	ہر سید	غفر علی فرج	نور الانوار	حساب مختصر	علی مرین	میکلیکین	
۲	"	وریان	"	ایقیدس اول	مضمون گھنا	کراپیل	
۳	"	"	"	شہرہ قتال دوم	"	"	
۴	"	"	"	"	"	"	
۵	"	متینی نصف	"	"	"	"	
۶	شہرہ قتال ثانی	"	"	"	"	"	
۷	"	"	اتصال منور	"	"	"	
۸	"	"	"	"	"	"	
۹	"	"	"	"	"	"	

۱۵ علم کلام میں امام حجت الاسلام غزالی کی تالیفات تصنیف ہے کتب متاخرین کی ماخذ ہے اسکے دیکھنے کے بعد شرح سادات شیعہ مقاصد کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے اگر مختصر ہے لیکن نہایت مفید ہے۔

سال سوم درجہ متوسط

ردیف	اسان			کلام مد نصف	اقیدس اول	اقیدس ثانی	تحریر	کیفیت
	اول	دوم	سوم					
۱	ہر سید	غفر علی فرج	نور الانوار	حساب مختصر	علی مرین	میکلیکین		
۲	"	وریان	"	ایقیدس اول	مضمون گھنا	کراپیل		
۳	"	"	"	شہرہ قتال دوم	"	"		
۴	"	"	"	"	"	"		
۵	شہرہ قتال ثانی	"	"	"	"	"		
۶	"	"	اتصال منور	"	"	"		
۷	"	"	"	"	"	"		
۸	"	"	"	"	"	"		
۹	"	"	"	"	"	"		

۱۵ محض امام محمد بن غزالی کی تصنیف ہے۔ اس میں دعوہ مجاز و رائیہ سے بحث کی ہے عربیہ عربیہ کے کلام اپنے موضوع میں پیش نہیں کیا ہے کہ میں ادا۔ بلاغت و رائیہ کے مقابل میں اس کی حقیقت کو دعوہ مجاز و رائیہ سے بحث سال کو پیدا ہوا عنوان قائم کر کے دیکھا ہو کہ اس خاص عنوان میں قرآن مجید کو اسے مطالب۔ اسلوب بیان۔ طرز ادب میں یہ نفوذ ہے۔

سال چہارم درجہ متوسط

کتاب	اصل	دوم	سوم	ریاضی	تحریر	زبان ثانی	کیفیت
۱	سلم معلوم	اولیٰ لایعجازہ	دویم ریاضی	ایقیدہ در حساب	فتویٰ نویسی	نسفیڈ گرامر	
۲	"	"	"	مساحت	"	"	
۳	"	"	"	"	"	نسفیڈ ریڈر	
۴	علوم نصف کرہ	"	دروس الاولیہ	"	"	"	
۵	"	"	"	"	"	"	
۶	"	عجمۃ الاولیاء	"	"	"	"	
۷	"	"	نقد اشعر	"	"	"	
۸	"	"	"	"	"	"	
۹	کشف الاولیاء	"	"	"	"	"	

۱۵ اس کتاب کے معنی نام الفرائض و تقویر حوائج میں بہت مدد ملے گی۔ معانی و بیان کی سہولت کے یہی کتاب اس فن کی تصنیف اوتالیف کی اخذ ہے۔ اور ابا عبد کی تصانیف کی ہادی ہے۔ ۱۶ دروس الاولیہ فی علوم الطبیعیہ اس کی معنی فاس و فن جس میں جبکہ علوم السعداء شدہ دیئے گئے ہیں۔ حال کی جدید طبیعیات اور سائنس کو عربی زبان میں مکمل ہے۔ ۱۷ اعداد کا تکیل و پختہ مقام میں تصور دیئے گئے ہیں۔ آجکل اس کی سخت ضرورت ہے۔ اس کے پڑھنے سے علوم جدید میں بہت کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

۱۸ علامہ قدس سرہ نے جعفر کی علم ادب میں نادر اور مجموعہ تصنیف ہے۔ ۱۹ حکیم احمد ابن رشد انیس کی علم کامیابین نادر تصنیف ہے حکیمانہ نظر کا اس میں استعمال ہے۔ گو مختصر ہے لیکن اپنے باب میں اعلیٰ تصنیف ہے۔

سال پنجم درجہ متوسط

کتاب	بایں یوں ثالث	تفسیر میثاقی	بجاری شریف	ہیات جدیدہ	فتویٰ نویسی	نسفیڈ گرامر
۱	"	"	"	"	"	نسفیڈ گرامر
۲	"	"	"	"	"	"
۳	"	"	"	"	"	"
۴	"	"	"	"	"	"
۵	"	"	"	"	"	"
۶	"	"	"	"	"	"
۷	"	"	"	"	"	"
۸	"	"	"	"	"	"
۹	"	"	"	"	"	"

۱۵ مکتبہ الاشرفیہ کی شیخ اور ام شیخ مقبول سرودی کی کتاب مکتبہ الاشرفیہ کی تالیف ہے جس کے شاگرد علامہ ابن قطب الدین شیرازی ہیں۔ گو یہ کتاب در علم کائنات کو متاثر نہیں کرتی لیکن اس کی شہرت و مقبولیت تھی جبکہ اس کا فلسفہ علم مقبولیت کی کامیابی میں تھا۔ اور اس کی کامیابی تمام زبانوں میں

فهرست چند کثیت اعیان نذوقه العلماء

من ابدان
یکم شوال ۱۳۲۲ هجری قمری لغایت شوال ۱۳۲۳ هجری قمری

نمبر شمار	اسما گرامی	تعداد	نمبر شمار	اسما گرامی	تعداد
	فهرست چند متفرق کثیت اعیان			جناب فخر محمد خان صاحب بانی علم	۶
۱	فخری محمد شیر علی خان صاحب پیشرو سکر	۶	۶	معین الله و پانی پت	۶
	ساجد پناه پور			پیشو احمد خان صاحب خلف فخر	۱۰
۲	جناب مولانا محمد عطف الله صاحب فخر		۸	احمد خان صاحب پانی پت	۱۰
	مدارات عالیہ حیدر آباد دکن			پنڈہ جاسم محمد بر موقوفه حفظ	۸
۳	جناب مولوی محمد امانت الله صاحب علم	۶		معرفت شملوی صاحب پانی پت	۶
۴	جناب مولوی محمد حسین صاحب فخر	۶		جناب مولوی فضل احمد صاحب	۹
۱	جناب مولوی محمد حسین صاحب معرفت مولانا			نظامی امر و پد شمع مراد آباد	۶
	حبیب احمد صاحب بنارس	۶	۱۰	جناب شیخ نبی بخش صاحب وکیل	۱۰
۲	جناب قاضی رزاق احمد صاحب علم			گور و اسپور	۶
	محمد و انصاف محمد و مراد گان پانی پت	۶	۱۱	جناب مولوی محمد شرف صاحب انیسگر	۱۱
۳	جناب محمد عمران خان صاحب پانی پت	۶		مدارس گور و اسپور	۶
۴	جناب بید نظیر علی صاحب پانی پت	۶	۱۲	جناب فخری نذیر احمد صاحب آفس	۱۲
۵	جناب نواب زاده فخر احمد خان صاحب	۶		قانون گور و اسپور	۶
	پانی پت		۱۳	میرزا فخر الله صاحب کشر استنباط	۱۳
				گور و اسپور	۶

۱۴	جناب خواجہ عبدالرحمن صاحب گور واپسور	۶	۹	جناب عونی گورنمنٹ سکول شملہ	۶
۱۵	جناب محمد یعقوب خان صاحب وکیل	۶	۱۰	جناب بابو عبداللہ صاحب سبکدوش	۶
۱۶	جناب مسٹر محمد مظہر صاحب بیرسٹر	۶	۱۱	جناب غلام حسین صاحب فائسانہ دارم مہ کوئٹل شملہ	۶
۱۷	ایٹ لاگور واپسور میزان کل	۶	۱۲	جناب بابو نور الدین صاحب کلرک ریونیو دیپارٹمنٹ شملہ	۶
۱۸	جناب میر حسین ندوۃ مذہب ۱۹۹۹ء و ۱۹۹۸ء	۶	۱۳	جناب مولوی عطاء الرحمن صاحب ریونیو دیپارٹمنٹ شملہ	۶
۱۹	جناب میر شفاق احمد صاحب کلرک طرزی دفتر شملہ	۶	۱۴	جناب باجو تاج الدین صاحب کلرک فائنل دیپارٹمنٹ شملہ	۶
۲۰	جناب ڈاکٹر نظام الدین صاحب رین ہاسپٹل شملہ	۶	۱۵	جناب ڈاکٹر سید بہادر علی شاہ صاحب باؤنس کورٹ شملہ	۶
۲۱	جناب منشی احمد سید خان صاحب کپانیر گورنمنٹ پریس شملہ	۶	۱۶	جناب منشی عبد اللہ صاحب کلرک باؤنس کورٹ شملہ	۶
۲۲	جناب منشی عبد الستار صاحب شال جرنل شملہ	۶	۱۷	جناب میر قاسم شاہ صاحب انجینئر کلاک شملہ ریلوے شملہ	۶
۲۳	جناب سید ولایت علی شاہ صاحب کلرک دفتر و ہوسٹل شملہ	۶	۱۸	جناب حاجی عبد اللہ صاحب ٹیکہ دہ ریلوے شملہ	۶
۲۴	جناب بابو محمد اسماعیل صاحب شملہ	۶	۱۹	جناب بابو عبد الغنی صاحب سبکدوش میونسپل کمیٹی شملہ	۶
۲۵	جناب بابو عبد اللہ بیگ صاحب پروٹیکشن ڈویژن دفتر شملہ	۶	۲۰	جناب عباس احمد صاحب مرحوم	۶

۶	جناب جهانگیر خان سالان	۲۵	خلف مولوی غلام محمد صاحب دیکل	۱
۶	جناب محمد واکم صاحب گنہ پوری	۳۰	غده شملہ	۱۶
۶	جناب عبدالرحمن عابد الغفور صاحب	۳۱	جناب شیخ رحمت اللہ صاحب	۲۰
۶	سوداگران شملہ	۳۲	میرضہ فروش مارکت شملہ	۱۷
۶	جناب نبی بخش صاحب سیکین پوری	۳۳	جناب مولوی سید عبدالغفور صاحب	۲۱
۶	جناب محمد فیض خان صاحب معرفت	۳۴	دلہوی رئیس شملہ	۱۸
۶	محمد حسن صاحب سکینہ شملہ	۳۵	جناب بابو محمد بخش صاحب مترجم سیک	۲۲
۶	جناب بابو مختار محمد صاحب ناٹن پور	۳۶	امیری ہشت فاشک دیپار شملہ	۲۳
۶	شملہ	۳۷	جناب بابو سعید الدین صاحب لوک	۲۴
۶	جناب فشی عبدالقادر صاحب ٹب	۳۸	دفتر پابوٹ سکر ٹری شملہ	۲۵
۶	آرمی پریس شملہ	۳۹	جناب بابو غلام سرور صاحب چٹی	۲۶
۶	جناب محمد صابر جو صاحب رئیس	۴۰	انسپیکٹر پولیس شملہ	۲۷
۶	دسوداگر شملہ	۴۱	جناب فشی فتح محمد خان صاحب شملہ	۲۸
۶	جناب خواجہ عبدالصاحب شملہ	۴۲	پہا پوٹ سکر ٹری جناب نواب	۲۹
۶	جناب میرزا شیر محمد صاحب ہید	۴۳	صاحب بہادر والی بالہ کوٹہ شملہ	۳۰
۶	ڈرافٹس من پبلک ورکس شملہ	۴۴	جناب مولوی ابوالعالی حامد صاحب	۳۱
۶	جناب بابو فتح علی صاحب درفش	۴۵	لوک لٹریچر دیپار شملہ	۳۲
۶	پبلک ورکس شملہ	۴۶	جناب میر محمد خان صاحب بی۔ اے	۳۳
۶	جناب میر جمال الدین صاحب خوشن	۴۷	ای۔ ایل۔ بی۔ شملہ	۳۴
۶	پبلک ورکس شملہ	۴۸	جناب بابو محمد حسن جکا چل ریکارڈ	۳۵
۶	جناب فشی فضل الرحمن درفش من پبلک	۴۹	گیر پبلک ورکس دیپار شملہ	۳۶

[illegible]

۶	علامه اعلی صاحب تهر قصبه	۹	میان غلام قادر صاحب جرم قربانی
	ریاست راهپور		یکه د شمله
۷	حضرت چند حسین الندوه شمله	۱۰	جناب فشی فرالدین خالص صاحب
	معرفت بابو عبدالقادر صاحب		شمله جرم قربانی یکه د شمله
۱	جناب مولوی غلام محمد شلوی دیکل	۱۱	جناب قلی محمد صاحب جرم
	نوده شمله		قربانی یکه د شمله
۲	جناب بابو عبدالقادر صاحب	۱۲	جناب محمد صدیق صاحب جرم قربانی
	ناظم حسین الندوه شمله		یکه د شمله
۳	جناب مولوی غلام محمد الدین صاحب	۱۳	جناب مولوی غلام محمد صاحب دیکل
	سپر قندت نور آفس نجاب شمله		نوده جرم قربانی یکه د
۴	جناب کیر صاحب سوداگر	۱۴	جناب عبدالغفور صاحب گادوچی
	بازار شمله		قربانی یکه د
۵	چنده عید الضحی بر استیجای شمله	۱۵	جناب عبدالغنی صاحب تنیکه دار
۶	قیمت دود و کمال قربانی عطیه		سوچی لین شمله
	جناب بابو عبدالقادر صاحب	۱۶	جناب حسین کش صاحب میکه دار سوچی
	ناظم حسین الندوه شمله		لین شمله
۷	جرم قربانی دود و عطیه جناب بابو	۱۷	جناب بابو عبدالغفر صاحب شوگر کیر
	عبدالغفر صاحب شوگر کیر		میوئل شمله
	کیشی شمله	۱۸	جناب ماقا نیر حسین صاحب فرخ
۸	جرم قربانی یکه د عطیه جناب بابو		آبادی فرخ آباد
	محمد جلیک خان صاحب کوشت شمله	۱۹	خلیل الرحمن صاحب فرخ آباد

۱	جناب شیخ بنی بخش صاحب دکن	۵	جناب آقا محمد بخش صاحب دکن
۲	گور داسپور	۶	نام معلوم
۳	جناب مولوی محمد شریف صاحب	۷	جناب کنشی عبد الرحمن صاحب شال خرب
۴	جو انگریز نیکمراد اس کو داسپور	۸	جناب سید محمد علی صاحب جنتی دلی
۵	جناب مرزا غفر الله خان صاحب کشر	۹	جناب کنشی سیف الدین صاحب شال
۶	آفتاب کشن پور داسپور	۱۰	جناب مولوی احمد علی صاحب کپور
۷	جناب خواجہ عبد الرحمن صاحب گور داسپور	۱۱	گورنمنٹ پریس شال
۸	جناب شیخ علی احمد صاحب دکن	۱۲	چندہ درخت میلاد برمنش مشی محمد
۹	گور داسپور	۱۳	حسین صاحب ساکن پونہ
۱۰	جناب محمد یعقوب صاحب دکن	۱۴	جناب حافظ محمد بخش صاحب کلرک
۱۱	گور داسپور	۱۵	دفترب و جوا شال
۱۲	جناب چودہری الہ داس صاحب	۱۶	چندہ درخت میلاد شریف برمان
۱۳	افس تانو کوٹھیل گور داسپور	۱۷	محمد بخش صاحب واقع ہول علیہ غفور
۱۴	میرزا کل مذکورہ معین اللہ و کلرک	۱۸	جناب میان جہل سردار ساکن
فہرست چند دہندگان دارالعلوم		۱۹	فتحپور منہوہ ملازم خیر الیس صاحب
ابتداء سے یکم شوال سنہ ۱۲۸۵ لغتہ یکم محرم ۱۲۸۶		۲۰	جناب میان رمضان خاں ساکن
معرفت نامہ صاحب معین اللہ		۲۱	ملازم خیر الیس صاحب
۱	جناب محمد روشن صاحب	۲۲	جناب بابو عبد الحکیم صاحب نقشب
۲	جناب عبد القادر صاحب ٹیکہ دار	۲۳	نویس سوجی لین شال
۳	جناب محمد من خان صاحب پٹانوی	۲۴	جناب بابو عبد الحکیم صاحب سبکدوسر
۴	جناب پیر جی حبیب اللہ صاحب کبک	۲۵	

۱۸	جناب محمد باقر صاحب شال خزینت	۱۸	جناب یوسف علی صاحب شال
۱۹	جناب محمد باقر صاحب شال	۱۹	جناب یوسف علی صاحب شال
۲۰	جناب محمد باقر صاحب شال	۲۰	جناب یوسف علی صاحب شال
۲۱	جناب محمد باقر صاحب شال	۲۱	جناب یوسف علی صاحب شال
۲۲	جناب محمد باقر صاحب شال	۲۲	جناب یوسف علی صاحب شال
۲۳	جناب محمد باقر صاحب شال	۲۳	جناب یوسف علی صاحب شال
۲۴	جناب محمد باقر صاحب شال	۲۴	جناب یوسف علی صاحب شال
۲۵	جناب محمد باقر صاحب شال	۲۵	جناب یوسف علی صاحب شال
۲۶	جناب محمد باقر صاحب شال	۲۶	جناب یوسف علی صاحب شال
۲۷	جناب محمد باقر صاحب شال	۲۷	جناب یوسف علی صاحب شال
۲۸	جناب محمد باقر صاحب شال	۲۸	جناب یوسف علی صاحب شال
۲۹	جناب محمد باقر صاحب شال	۲۹	جناب یوسف علی صاحب شال
۳۰	جناب محمد باقر صاحب شال	۳۰	جناب یوسف علی صاحب شال
۳۱	جناب محمد باقر صاحب شال	۳۱	جناب یوسف علی صاحب شال
۳۲	جناب محمد باقر صاحب شال	۳۲	جناب یوسف علی صاحب شال
۳۳	جناب محمد باقر صاحب شال	۳۳	جناب یوسف علی صاحب شال
۳۴	جناب محمد باقر صاحب شال	۳۴	جناب یوسف علی صاحب شال
۳۵	جناب محمد باقر صاحب شال	۳۵	جناب یوسف علی صاحب شال
۳۶	جناب محمد باقر صاحب شال	۳۶	جناب یوسف علی صاحب شال
۳۷	جناب محمد باقر صاحب شال	۳۷	جناب یوسف علی صاحب شال
۳۸	جناب محمد باقر صاحب شال	۳۸	جناب یوسف علی صاحب شال
۳۹	جناب محمد باقر صاحب شال	۳۹	جناب یوسف علی صاحب شال
۴۰	جناب محمد باقر صاحب شال	۴۰	جناب یوسف علی صاحب شال

فروش شعله	۵۳	جناب بابو عبد القادر صاحب شکر شعله	۵۳
۴۱ جناب میان سوند صاحب بیضه	۵۴	معین الله و شعله	۵۴
فروش شعله	۵۴	جناب سید و احد طبع صاحب دار و بوی	۵۴
۴۲ جناب میان کالو صاحب بیضه و شعله	۵۵	جناب بابو مولان بخش صاحب کلک دفتر	۵۵
شعله	۵۵	آب و هو شعله	۵۵
۴۳ جناب میان گامو صاحب بیضه و شعله	۵۶	جناب بابو حیدر علی صاحب کلک دفتر	۵۶
۴۴ جناب میان سوند اگر صاحب بیضه	۵۶	آب و هو شعله	۵۶
فروش شعله	۵۷	جناب بابو عبد الغفر صاحب کلک دفتر	۵۷
۴۵ جناب میان بنی بخش صاحب بیضه و شعله	۵۷	آب و هو شعله	۵۷
شعله	۵۸	جناب بابو یاس و یو صاحب کلک	۵۸
۴۶ جناب میان رطلو صاحب بیضه و شعله	۵۹	دفتر آب و هو شعله	۵۹
شعله	۵۹	جناب بابو میرن شاه صاحب کلک و شعله	۵۹
۴۷ جناب میان کوه غفر صاحب بیضه	۶۰	شعله	۶۰
فروش شعله	۶۰	جناب بابو سید برکت علی صاحب کلک و شعله	۶۰
۴۸ جناب میان بنی بخش صاحب بیضه	۶۱	جناب بابو محمد یوسف صاحب کلک دفتر	۶۱
فروش شعله	۶۲	آب و هو شعله	۶۲
۴۹ جناب شی سوند صاحب باجر و شعله	۶۳	جناب بابو غلام قادر صاحب کلک دفتر آب و هو شعله	۶۳
۵۰ ابلید کوه صدیق صاحب و شعله	۶۴	چند متفرق از دفتر آب و هو شعله	۶۴
۵۱ جناب میان بنی خان صاحب بیضه و شعله	۶۵	شیخ کریمت علی قناریلو و شعله	۶۵
شعوی لیرن شعله	۶۶	جناب میان کریم الدین صاحب بیضه و شعله	۶۶
۵۲ جناب سید صاحب و شعله	۶۷	جناب شی محمد علی صاحب کلک و شعله	۶۷

۹۶	جناب شراج الدین صاحب شمله	۹۸	جناب شاه میر صاحب شمله
۹۷	جناب حسین بخش صاحب شمله	۹۹	جناب سید غلام نبی صاحب شمله
۹۸	جناب عبدالغفور صاحب سکر چلیو شمله	۱۰۰	جناب عبدالرحمن صاحب شمله
۹۹	جناب حسین بخش صاحب شمله	۱۰۱	جناب عبدالرحیم صاحب شمله
۱۰۰	جناب محمد حسین صاحب مراد آبادی شمله	۱۰۲	جناب نور آبی صاحب شمله
۱۰۱	جناب فضل حسن صاحب شمله	۱۰۳	جناب زاهد حسین صاحب شمله
۱۰۲	جناب عبدالغفر صاحب شمله	۱۰۴	جناب فضل الرحمن صاحب بلوچی شمله
۱۰۳	جناب عنایت صاحب شمله	۱۰۵	جناب غلام نبی صاحب شمله
۱۰۴	جناب عبدالرحمن صاحب شمله	۱۰۶	جناب مرزا نذریک صاحب شمله
۱۰۵	جناب ظهیر علی صاحب شمله	۱۰۷	جناب علی بازیر صاحب شمله
۱۰۶	جناب امجد حسین صاحب شمله	۱۰۸	نام نامعلوم شمله
۱۰۷	جناب سخاوت حسن صاحب شمله	۱۰۹	جناب بخشی فضل احمد صاحب عطار شمله
۱۰۸	جناب حبیب خان صاحب شمله	۱۱۰	جناب بخشی عبدالغفور صاحب شمله
۱۰۹	جناب عبدالرزاق صاحب شمله	۱۱۱	متفرق چند در مسجد
۱۱۰	جناب فخر الدین صاحب شمله	۱۱۲	جناب بابو عبدالغفر صاحب ستور کبیر
۱۱۱	جناب علی نواز صاحب شمله	۱۱۳	میر شکیل کدیتی شمله
۱۱۲	جناب قیام الدین صاحب شمله	۱۱۴	جناب سید شتار احمد صاحب سار شمله
۱۱۳	جناب سلیم الدین صاحب شمله	۱۱۵	جناب بویر محمد صاحب ستور کبیر وار و کسر غدر
۱۱۴	جناب فضل حسین صاحب شمله	۱۱۶	جناب بابو حبیب الله صاحب کپار شتر
۱۱۵	جناب عبداللہ صاحب شمله	۱۱۷	گوینٹ پریس شمله
۱۱۶	جناب عبداللہ صاحب شمله	۱۱۸	متفرق چند در محل سیلا دتریف

۱۳۸	جناب غلام نبی صاحب خیا شمله	۱۲۰	جناب سید محمد حسین ملازم گورنمنٹ
۱۳۹	جناب سید شرف حسین صاحب سوداگر شمله	۱۲۱	جناب پریس شمله
۱۴۰	جناب عبدالقدوس صاحب علمی گریس شمله	۱۲۲	جناب منشی امداد حسین صاحب انگر
۱۴۱	جناب رحمت اللہ صاحب دوکاندار شمله	۱۲۳	جناب کریم بخش صاحب دوکاندار شمله
۱۴۲	جناب حسین بخش صاحب جفت فروش شمله	۱۲۴	جناب محمد لطیف صاحب ملازم گورنمنٹ
۱۴۳	جناب محمد رفیع صاحب فاسا مان شمله	۱۲۵	جناب پریس شمله
۱۴۴	جناب ماسٹر عبدالعزیز صاحب برنج سکوٹ شمله	۱۲۶	جناب ملازم گورنمنٹ پریس شمله
۱۴۵	جناب محمد سمیع خان صاحب جفت فروش شمله	۱۲۷	جناب شیخ مولانا بخش صاحب ملازم فنانس
۱۴۶	جناب نبی بخش صاحب جفت فروش شمله	۱۲۸	جناب دیارمنٹ شمله
۱۴۷	جناب وزیر الدین صاحب زرگر شمله	۱۲۹	جناب میان بی بخش صاحب اسٹیلر شمله
۱۴۸	جناب منشی ستار احمد صاحب کتبی ساز شمله	۱۳۰	جناب تنہا سنگھ صاحب نقشہ نویس پبلک
۱۴۹	جناب بابو عبداللطیف صاحب شمله	۱۳۱	جناب ورکس دیارمنٹ شمله
۱۵۰	جناب عزیز الدین صاحب دیکندار لایچی	۱۳۲	جناب بابو رام سنگھ صاحب نقشہ نویس
۱۵۱	جناب بشیر احمد خان صاحب انان پری شمله	۱۳۳	جناب پبلک ورکس دیارمنٹ شمله
۱۵۲	جناب نعمت خان صاحب سارنٹ نویس شمله	۱۳۴	جناب بابو کریم بخش صاحب نقشہ نویس
۱۵۳	جناب متفرق خیدہ در محل میلا و شریف واقع	۱۳۵	جناب پبلک دفتر شمله
۱۵۴	جناب معجد شمله	۱۳۶	جناب محمد اسحاق صاحب پبلک دفتر شمله
۱۵۵	جناب منشی فیاض الدین صاحب پیر وایزر	۱۳۷	جناب منشی عبدالرحیم صاحب پبلک دفتر شمله
۱۵۶	گورنمنٹ پریس شمله	۱۳۸	جناب منشی غلام احمد صاحب پبلک دفتر شمله
۱۵۷	جناب منشی گوپلی صاحب الہ آبادی	۱۳۹	جناب منشی عبدالحمید صاحب پبلک دفتر شمله

ردیف	جناب فاضل جمال الدین صاحب کتاب	ردیف	جناب الفاضل صاحب کتاب
۱۴۵	جناب فاضل ممتاز حسین صاحب یک	۱۴۰	جناب فاضل جمال الدین صاحب کتاب
۱۴۶	جناب فاضل رکت علی صاحب یک	۱۳۹	جناب فاضل جمال الدین صاحب کتاب
۱۴۷	جناب فاضل فتح الدین صاحب یک	۱۳۸	جناب فاضل جمال الدین صاحب کتاب
۱۴۸	جناب بابو پرتاب سنگه صاحب یک	۱۳۷	جناب سید مقبول رحمن جیسو زولی
۱۴۹	جناب بابو پیار رام صاحب یک	۱۳۶	جناب مولوی عبدالقادر صاحب پیشی
۱۵۰	جناب بابو اننت رام صاحب یک	۱۳۵	کاکه پنشنه سنیپور
۱۵۱	جناب بابو فحید صاحب یک	۱۳۴	جناب مولوی فیصل رحمن متا فرخ
۱۵۲	جناب میر و زندگی شاه صاحب کوثر	۱۳۳	آبادی معرفت حافظ بنجرن صاحب
۱۵۳	جناب بابو گوئل رام صاحب یک	۱۳۲	جناب محمد ظہور صاحب سوداگر فرخ آبادی
۱۵۴	جناب بابو گھنڈ صاحب یک	۱۳۱	معرفت حافظ انجمن صاحب
۱۵۵	جناب بابو میا خد صاحب یک	۱۳۰	جناب شیخ رحمت اللہ صاحب یک
۱۵۶	جناب میر قاسم شاہ صاحب انجمن شملہ	۱۲۹	محکمہ کمر و دل ضلع مراد آباد
۱۵۷	معرفت بابو غلام محی الدین صاحب ایلا	۱۲۸	جناب فاضل فدا علی صاحب تحصیل دار قصبہ
۱۵۸	جناب فاضل نعم الدین گرامیہ گوشت	۱۲۷	ضلع رامپور
۱۵۹	جناب فاضل نعم الدین گرامیہ گوشت	۱۲۶	جناب عبد الرحیم صاحب شیکہ دار قصبہ
۱۶۰	جناب فاضل نعم الدین گرامیہ گوشت	۱۲۵	ریاست رامپور
۱۶۱	جناب فاضل نعم الدین گرامیہ گوشت	۱۲۴	جناب مولوی فدا علی صاحب ضلع کندی
۱۶۲	جناب فاضل نعم الدین گرامیہ گوشت	۱۲۳	ضلع مراد آباد

فہرست چندہ دستندگان طائف طلبہ	۵ جناب قاضی قبول محمد مختار شیر کندی صدر
۱ جناب مولوی عبدالباری صاحب	۶ جناب سید محمد حسین مختار شیر کندی صدر
۲ قاضی محمد کوٹوالہ دہرم تلمین نمبر ۱۹ کلکتہ	۷ جناب سید حکیم سید حسن مختار شیر کندی صدر
۳ جناب مولوی حکیم سید علی صاحب	۸ جناب مفتی امداد حسین مختار کوٹوالہ صدر
۴ جرنیل مجسٹریٹ پریمی ضلع حیدرآباد دکن	۹ جناب خواجہ ابوالحسن مختار خانسان
۵ میسز ان کل	توشہ خانہ نواب راجپور دہم صدر

مستور العمل

۱۔ یہ والدِ برزنی جینے کے پہلے ہفتے میں شامی کیا جائے گا۔

۲۔ اس رسالے کی ختمات معمولاً ۲۰۲۰ صفحے ہوگی۔

۳۔ اس سال کا مقصد علوم اسلامیہ کا احیاء اور علوم قدیمہ و جدیدہ کا ماحول بنانا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تعلیم و تہذیب کی ترقی اور ان کی زبان کی نادر اور جوہر و کتابوں پر ترقی یافتہ تہذیب۔

(۱۱) عربی زبان کی نامور اور خوبصورت کتابوں پر تقریباً نصفیہ۔

(۱۲) مالک: سلامیہ میرا اجل چو کتابیں لکھی جا رہی ہیں ان پر تفریق۔

(۳) اکابر ملت کی سوانح عمریاں سمیں زیادہ تر ان کے جمادات سے بحث ہوگی۔

(۴) نصاب تعلیم مروجہ ریخت ۔

(۵) ندوۃ العلماء کے متعلق حالات -

(۴) علمی خبریں۔

۴۔ چونکہ دین مضافین سے عام لوگوں کو کچھ پی نہیں چکے تھے اس لئے ہر چہ میں ایک سو دین مضافین اور باقی عام فہم اور آسان ہوئے۔

۵۔ یہ رسالہ دو قسم کے کاغذ پر جیسے کا اول قسم کی قیمت مع محصول ۷ روپے اور دوسرے قسم کی قیمت مع محصول دو روپے سالانہ ہوگی۔ نونے کا پانچواں قسم اول ۴ روپے دوم ۳ روپے اور تیسرا ۲ روپے کیا جائیگا۔

۶۔ کل خط و کتابت پنجبر سالہ کے نام و فترت ذوالعلما رکھنے کے پتہ سے کیا ہے اور وہ یہی ہے جیسا کہ پہلے لکھا ہے۔

۸۰۔ جو صاحب خط لکھیں وہ اپنا نام صاف و واضح خط میں لکھیں اور قید کا نمبر بھی ضرور درج کریں۔

سید علی

سید عالمی

10

۵۹

جلد اول سلسلہ سائنس

جلد اول سلسلہ سائنس
 مجلس وقتہ لعل کا نام ہو اعلیٰ رسالہ
 جس کا مقصد
 اسلامیہ احیاء، تطبیق معقول و منقول، اور علوم قدیمہ جدیدہ کا موازنہ
 مرتبہ
 مولانا سید شبلی نعمانی و مولوی حبیب الرحمن صاحب دہلوی
 فہرست مضامین

صفحہ	مضمون نگار	مضمون
۱	مولوی عبد اللہ صاحب عادی	تہذیب و تمدن اسلام
۲۲		اسلام کی تاریخ
۲۹		اسلام کی تاریخ

محمد عبد الوہاب
 استاذ قادیانی
 مولانا سید شبلی نعمانی

ضروری اطلاع

الندوم کا یہ گیارھواں نمبر ہی بارھویں
نمبر کے بھگنے پر، خریداری کا ایک سال پورا
ہو جائے گا، اس لیے اطلاعاً گزارش ہے کہ بارھویں
نمبر کے بعد کا پرچہ تمام خریداروں کی خدمت
میں (قدیم خریدار ہوں یا جدید) ویلوروانہ ہوگا
اگر کسی صاحب کو آئندہ، پرچہ کی خریداری
منظور نہ ہو تو ہم کو مطلع فرمائیں تاکہ اُن کی
خدمت میں ویلوانہ بھیجا جائے۔

دستخط
نمبر الندوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الپردہ

پردہ اور اسلام

یورپ کی عامیانہ تقلید نے ملک میں جو نئے مباحث پیدا کر دیے ہیں، ان میں ایک یہ مسئلہ بھی ہے، اگر اس مسئلہ پر صرف عقلی پہلو سے بحث کی جاتی تو ہیکو دخل در معنولات کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن ساتھ ہی یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ خود مذہب اسلام میں پردہ کا حکم نہیں، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ قرونِ اولیٰ میں پردہ کا رواج بھی نہ تھا، نئے تعلیم یافتہ گروہ کے سب سے مشہور اور مستند مصنف (مولوی امیر علی) نے مسئلہ میں رسالہ ٹائٹل مین سنچری میں مسلمان عورتوں کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں

”لبا برقع۔ نقاب۔ اور غار، سچوتیوں کے آخری زمانہ میں شائع ہوا اور“

”جس قسم کا پردہ آج کل مسلمان ہند میں رائج ہو غلطی کے زمانہ میں اس کا“

”کسین نام و نشان نہ تھا، بلکہ برعکس اس کا اصل بننے کی عورتیں بلا ہنر“

”کے مردوں کے سامنے آتی تھیں۔“

”ساتویں صدی ہجری کے وسط میں جب خلف ضعیف ہوئے اور تھاکو“

”نے اسلامی حکومت کو درہم برہم کیا تو اُس وقت علما میں اس پر نزاع ہوئی“

• ”کہ عورتیں اپنے ہاتھ مونہ اور پائوں اجنبیوں کے سامنے کھول سکتی ہیں یا نہیں۔“

اس موقع پر عبرت کے قابل یہ امر ہو کہ اسلام کی تاریخ اور اسلام کے مسائل کی تعبیر کرنے والے دو گروہ ہو سکتے تھے، علماء متقدم۔ اور تجدید تعلیم یافتہ۔ علماء کا یہ حال ہو کہ اُن کو زمانہ کی موجودہ زبان میں بولنا نہیں آتا، جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے مبلغ علم کا اُس عبارت سے اندازہ ہو سکتا ہو جو ابھی اوپر گزر چکی، لیکن قسمتی سے جی دوسرا گروہ قوی لٹریچر پر قبضہ کرتا جاتا ہو، اور چونکہ غیر قوموں کے قانون میں صرف اسی گروہ کی آواز پہنچتی ہو، ایسے مسائل اور تاریخ اسلام کے متعلق آئندہ زمانہ میں اسی گروہ کی آواز اسلام کی آواز سمجھی جائیگی ہم اس مضمون میں صرف تاریخی پہلو سے بحث کرتے ہیں اور یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عرب میں اسلام سے پہلے پردہ کی کیا حالت تھی۔ پھر تمام اسلامی دنیا میں پردہ کے متعلق کیا طریق عمل رہا۔

دلت ہوئی تھیں اس مضمون کے پہلے حصے پر ایک بسیط مضمون لکھ

تھا، پہلے اُس کو بعینہ اس مقام پر درج کرتے ہیں۔

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ قدرت نے مرد اور عورت کو بعض خصوصیتیں

میں ایک دوسرے سے ممتاز پیدا کیا ہی۔ لیکن تمدن نے اُن قدرتی خصوصیتوں

کے علاوہ اور بھی بہت سے امتیاز قائم کر دیے ہیں۔ جو ہر قوم۔ ہر فرقہ۔ ہر ملک میں جدا جدا صورتوں میں نظر آتے ہیں۔ دنیا کے نہایت ابتدائی زمانہ میں غالباً مردوں اور عورتوں کے لباس۔ وضع۔ طور۔ طریقے۔ بالکل یکساں ہی رہ گئے اور پھر قدرتی خصوصیتوں کے کوئی چیز انہما کو ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکتی تھی لیکن تمدن کو جس قدر وسعت ہوتی گئی اُس قدر یہ باہمی امتیازات بڑھتے گئے رفتہ رفتہ یہاں تک نہایت پہنچی کہ آج دونوں کے طریق تمدن اور معاشرت میں بہت کم چیزیں باقی رہ گئیں جو مشترک کسی جا سکتی ہیں۔

دنیا کی ابتدائی تاریخ بالکل تاریکی کی حالت میں تھی۔ قدیم سے قدیم زمانہ جس کے تاریخی حالات معلوم ہو سکے ہیں۔ دو تین ہزار برس سے زیادہ نہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جب موجودہ تفرقوں کی بنیاد پڑ چکی تھی اور دونوں فرقوں کے اصول زندگی میں بہت سی ممتاز خصوصیتیں پیدا ہو چکی تھیں، اس لیے آج یہ پتا لگانا قریباً ناممکن ہے کہ اول کن اسباب سے یہ تفرقے قائم ہوئے اور جس زمانہ کو ہم اپنے علم تاریخ کی ابتدا قرار دیتے ہیں اُس وقت تک کیونکہ ان تفرقوں نے وسعت حاصل کر لی تھی۔

اگر ہم بتانا چاہیں کہ انسان کو ستر عورت کا خیال کیونکہ ہوا اور مردوں اور عورتوں میں اُس کے مختلف حدود کس بنا پر قرار دینے گئے تو ہم کوئی کافی وجہ نہیں بتا سکیں گے۔ اسی طرح اور خصوصیتوں کی نسبت بھی ہم کچھ جواب نہیں دے سکتے۔ اس لیے نہایت قدیم تفرقوں کی تاریخ قائم کرنی اور اُن کے وجوہ و اسباب پر غور کرنا تو بے فائدہ ہے۔ البتہ جو امو

دائرہ مابعد میں پیدا ہوئے اُنکے متعلق تحقیقات کی کوشش کرنی چاہی
نہیں ہو۔

پردہ کی دو قسمیں قرار دی جاسکتی ہیں۔

(۱) چہرہ اور تمام اعضا کا ڈھکنا۔

(۲) مردوں کی مجلسوں اور صحبتوں میں شریک ہونا۔

پہلی قسم کا پردہ عرب میں اسلام سے پہلے موجود تھا اور

زیادہ تر قدرتی ضرورتیں اُنکے ایجاد کا باعث تھیں۔ اول اول

جب اس رسم کی ابتدا ہوئی تو عورتوں کے ساتھ مخصوص آداب بھی تھے

زیادہ تر اُنکو قدرتی ضرورتوں نے پیدا کیا تھا اور وہ مرد اور عورت

سے یکساں متعلق تھیں۔ غالباً سب سے پہلے قبیلہ حمیر میں

کے رہنے والے اور وہاں کے حاکم تھے یہ طریقہ جاری ہوا۔ اس

میں حمیر کے ایک خاندان کی حکومت قائم ہو گئی تھی جو ملتھمین کہلاتے

تھے۔ اس خاندان نے نہایت زور اور قوت کے ساتھ حکومت کی اور

بہت سی فتوحات حاصل کیں لیکن چہرہ پر ہمیشہ نقاب ڈالے رہتے

تھے اور اس وجہ سے ملتھمین کہلاتے تھے۔ اس میں یوسف بن ثہنین

بڑی بہت و جبروت کا بادشاہ ہوا علامہ ابن خلکان نے اُسی کے

ترجمہ میں اس رسم کے قائم ہونے کی یہ وجہ لکھی ہے۔

و سبب ذلك على ما قيل

ان حمير كانت متلثم

یعنی اس کا سبب جیسا کہ کہا گیا ہے

قبیلہ حمیر گری اور سردی کی وجہ سے

لشدّة الحس والبرد تفعله
الخواص منهم فكثر ذلك
حتى تفعله عامتهم۔

چرون پر نقاب ڈالے رہتے تھے۔ پہلے
خواص ایسا کرتے تھے پھر اُسکو اس قدر نرقی
ہوئی کہ عام قبیلہ میں اُسکا رواج ہو گیا۔

علامہ موصوت نے ایک اور سبب بھی لکھا ہے۔ وہ یہ کہ قبیلہ
حمیر کی مخالفت ایک قوم تھی جس کا معمول تھا کہ جب حمیر ملے کسی
ضرورت سے باہر جاتے تھے تو یہ لوگ اُنکے گھردن پر حملہ کرتے تھے
اور عورتوں کو گرفتار کر لیتے تھے۔ مجبور ہو کر اہل حمیر نے یہ تدبیر
سوچ لی کہ ایک دفعہ عورتیں مردانہ لباس پہن کر باہر چلی گئیں۔ اور مرد
چرون پر نقاب ڈاکر گھردن میں رہے، دشمنوں نے معمول کے
موافق حملہ کیا۔ یہ لوگ نقاب ڈالے ہوئے نکلے اور نہایت دلیری
سے ہڑکر دشمنوں کو قتل کر ڈالا۔ چونکہ یہ فتح نقاب کے پردہ میں
نصیب ہوئی تھی اس لیے یادگار کے طور پر یہ رسم قائم کر لی گئی۔
یہاں تک کہ اسلام کے بعد بھی اس قبیلہ کے مرد اور عورت یکساں
نقاب پوش رہتے تھے۔ ایک شاعر نے لکھا ہے۔

لما حوذا احراز كل فضيلة

غلب الحياء عليهم فقلتموا

بعض اور اتفاقی امور سے یہ طریقہ اختیار کیا گیا۔ مثلاً جو لوگ
حسین اور خوشرو ہوتے تھے اس خیال سے کہ نظر بد سے محفوظ
رہیں، چہرے پر نقاب ڈاکر باہر نکلا کرتے تھے۔ اسکی مثالیں زمانہ
اسلام میں بھی ملتی ہیں۔ :-

تقیق کندهی جو دولت بنو امیہ کا مشہور شاعر ہے اسی خیال سے ہمیشہ نقاب ڈاکر باہر نکلتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ طریقہ زیادہ تر رواج ہو گیا اور بڑے مجھون میں اکثر لوگ بیوقوف ہنر شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ بازار حکماء میں جو غرب کی جو صلا افزائیوں کا مشہور دگل تھا۔ اہل عرب عموماً بیرون پر نقاب ڈاکر آتے تھے۔ علامہ احمد ابن ابی یوسف جو نہایت قدیم زمانہ کا مؤرخ ہے اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ ۔

وكانت العرب تخضرسوق عكا وعلى وجوهها البراقع فيقال ان اول عربي كشف قناعه ظريف بن غنم الغبري ففعلت	میں المہرب حکماء کے بازار میں آتے تھے اور انکے جہون پر برق پڑے ہوتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اول جس عربی نے برق اٹھا وہ ظریف بن غنم تھا اُنکے بعد اور دن نے جس
---	---

العرب مثل فعلہ اسکی تقلید کی

گو بعض وقتوں میں خاص اسباب اس طریقہ کے اختیار کرنے کے باعث ہوئے۔ لیکن اہل میں جس چیز نے اس طریقہ کی بنیاد قائم کی تھی وہ دو ار تھے ۔

(۱) جسمانی حفاظت جسکا ذکر تیسرے کے ذکر میں ہو چکا۔ تیسرے میں تو عام و خاص سب اس طریقہ کو برتنے لگے تھے لیکن اور قبائل میں اسے کتاب الامانی تریبہ تقیق کندهی ۔

یہ طریقہ اُمر اور اعیان کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ اس قسم کے تحفے اور آرام طلبی کی خواہش صرف امیرون ہی کو ہو سکتی تھی۔ رفتہ رفتہ ضرورت کی قید اٹھ گئی اور ہجرت اس خیال سے کہ نقاب اور برقع امر کا امتیازی لباس ہو۔ یہ وہجہ اور بے ضرورت بھی اُسکا استعمال ہونے لگا (۲) امتیاز اور خصوصیت کا خیال۔ یہ خیال عجیب ذبیح کے ساتھ

قائم ہوا۔ اہل عرب بعض ابتدائی زمانہ میں تو امیر غریب سب ایک سی حالت میں رہتے تھے لیکن جب صدر تمدن کو عرفی ہوتی گئی اُسی نسبت سے امتیازات قائم ہونے لگے۔ ان میں سب سے مقدم یہ تھا کہ اُمر اور سرداران قوم کے دربار عام نہ ہونے چاہئیں۔ چنانچہ جاہلیت ہی کے زمانہ میں دربان اور حاجب کے عہدے قائم ہو چکے تھے اور سلاطین او سرداران قبائل کے دروازوں پر اس قسم کی روک ٹوک ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ خیال بیان تک بڑھا کہ بادشاہ و بار مین بھی بیٹھے تو اُسکے جمال کی دولت عام نہ ہونے پائے۔ چنانچہ بعض سلاطین عرب صرف اسی خیال سے برقع کا استعمال کرتے تھے۔

عباسیوں کی خلافت میں ایک زمانہ تک جو یہ طریقہ تھا کہ خلیفہ وقت ایک پردہ کی اوٹ میں بیٹھتا تھا اور تمام شاہی احکام پر اُس کی اوٹ سے صادر ہوتے تھے۔ اُس میں اسی خیال کا پرتو پلایا جاتا ہے۔ جس زمانہ میں اس طریقہ کی ابتدا ہوئی اُسوقت تو عورتیں اس رسم کے ساتھ مخصوص نہ تھیں لیکن مردوں سے یہ التزام بالایلزم

نہ نہ سکا۔ چنانچہ جب حکاظا میں ظریف بن غنم نے چہرہ سے نقاب ہٹائی تو تمام عرب اُسکے مقدمہ بکر اس قید سے آزاد ہو گئے۔ کبھی کبھی کہیں شوقیہ یا فقر کے لحاظ سے استعمال کیا تو وہ رواج عام کے خلاف سمجھا گیا البتہ عورتوں میں یہ رسم اسلام کے زمانہ تک باقی رہی جسکو اسلام نے اور بھی باقاعدہ اور لازمی کر دیا۔ جس شخص نے عرب جاہلیت کے حالات غور سے پڑھے ہیں وہ تو اس سے انکار نہیں کر سکتا لیکن چونکہ عام خیال یہ ہو کہ پردہ کا رواج اسلام کے زمانہ سے پیدا ہوا اسلئے ہم متعدد قطعی شہادتیں پیش کرتے ہیں جن سے ثابت ہوگا کہ اس قسم کا پردہ اسلام سے پہلے بھی موجود تھا۔

درب جاہلیہ کے حالات معلوم کرنے کے لیے سب سے عمدہ اور مستند ذریعہ شعراء جاہلیت کے اشعار ہیں اسلئے اس دعوے کے ثبوت میں ہم جاہلیت کے متعدد اشعار نقل کرتے ہیں

ربیع بن زیاد محبسی جو جاہلیت کا ایک مشہور شاعر ہوا، مالک

ابن زہیر کے مرثیہ میں کہتا ہے۔

فلیات نسوتنا بوجه نہار

وہ ہماری عورتوں کو دن میں آکے دیکھے

یلطمن او جھمن بالاسفار

اور اپنے چہروں پر صبح کو دو ہنتر مار ہی ہیں

فالیوم حین برنن للنظار

من کان مسودنا بمقتل مالک

جو شخص مالک کے قتل سے خوش ہوا ہے

یجد النساء حواسرا یندبنہ

وہ دیکھتا کہ عورتیں برہنہ سر نہ کر رہی ہیں

قد کنی بخیان الوجہ تسترا

شرم اور ناموس سے چھلے اپنا چہرہ چھپا کرتی تھیں | لیکن آج غیر معمولی طور سے دیکھنے والوں کے سامنے بے پردہ آئی ہیں

نائر تیریزی نے قسراً کی شرح میں لکھا ہے عفتہ و حیاء۔ یعنی وہ عفت اور شرم کی وجہ سے چہرہ چھپایا کرتی تھیں۔

عمر معدیکرب ایک سخت واقعہ جنگ کے ذکر میں لکھتا ہے۔

وبدات لمیں کانہا	بداس السماء اذ اقبدا
اور لمیں کا چہرہ کھل گیا	گرا چہرہ نکل آیا ہے۔

عمر معدیکرب اگرچہ مخضرمی شاعر ہے مگر اسے اسلام کا زمانہ بھی پایا تھا۔ لیکن یہ اشارہ اسلام کے قبل کے ہیں۔

ایک اور جاہلی شاعر جس کا نام سیرہ بن عمر نقعی ہے اپنے دشمنوں پر طعن کرتا ہے اور کہتا ہے۔

و نوتکمر فی الروع بادی وجوہہا	لیخلن إماءاً والاماء حرایہ
میں لڑائی میں تمہاری عورتوں کے چہرے کھل گئے تھے	اور سوچو وہ دو تہان ملو مگر تہی نہیں ملا کہ وہ بیویاں نہیں

نابغہ ذبیانی جو زمانہ جاہلیہ کا مشہور شاعر ہے نعمان بن منذر کا بڑا مقرب اور درباری تھا۔ ایک دفعہ نعمان کی ملاقات کو گیا۔ اتفاق سے وہ ان نعمان کی بیوی جس کا نام سجرہ تھا بیٹھی تھی۔ نابغہ دفعہ جاپڑا تو وہ اوٹھ کھڑی ہوئی اضطراب میں دوپٹا گر گیا۔ سجرہ نے فوراً ہاتھوں سے چہرہ کو چھلایا۔ نابغہ کو یہ ادا نہایت پسند آئی۔ اس نے ایک قصیدہ لکھا جس میں اس واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے۔

لے یہ اور اہل کے اشارہ میں موجود ہیں۔ ملے اغانی عربیہ نابغہ ذبیانی۔

سقط انصیف ولم ترد اسقاطها | فتنازلته واتقنتا بالید

اور پہلے لڑ گیا اور اُس نے تختہ زین گرایا | اُس نے دوپٹہ کو سنبھالا اور ہاتھوں سے پردہ کھینچا

ایک اور شاعر عروت نامی یہ ذکر کر کے کہ بھوک کی شدت سے
میں زین نکل آئیں اور باہر جان کھانا چک رہا تھا، چلے کے پس
پیشہ گین۔ لکھتا ہو

وكانت فتاة الحی من بیروها | وكما اذا حولها یرقبونها

سیدہ | لا یجعل السر دونها | اذا أخذ النیان لاح بشیروها

حقیقت یہ ہے کہ اہل عرب نے زمانہ جاہلیہ میں لباس کے

معلق بہت برائی کرتی تھی اگرچہ یہ ترقیان صرتِ امرا اور سرداران

اقبال تک محدود تھیں لیکن بن لوگوں میں تھیں پوری تہذیب و شائستگی

کے ساتھ تھیں۔ عورتوں کے لیے لباس کے جو اقسام اسوقت تک

ایجاد ہو چکے تھے وہ جسم کے ہر حصہ کے لیے بخوبی پردہ پوش تھے۔

لباسوں کا یہ تنوع زیادہ تر فخر و امتیاز کی بنا پر تھا اور یہی وجہ تھی

کہ عوام کا طبقہ اُس سے محروم تھا جہاں تک ہماری تحقیق پر عورتوں

کے لباس کے معلق دولت بنو امیہ اور عباسیہ کے عہد میں کوئی مستند

مضافہ نہیں ہوا۔ یعنی زمانہ جاہلیہ میں جسقدر لباس ایجاد ہو چکے تھے

اُس سے زیادہ اقسام پیدا نہیں ہو سکے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے

کہ پردہ اور ستر بدن کا خیال، جاہلیہ ہی میں خوب زور پکڑ چکا تھا۔

عورتیں مختلف وضع کے کرتے استعمال کرتی تھیں جنکی قسمیں

سات آٹھ سے کم نہ تھیں اور اسی اعتبار سے اُنکے مختلف نام تھے
 مٹا - مرج - اٹھ - قرقل - خمدار - بھول - شوز - خمبل - انین - باہم
 بہت خفیف فرق ہوتا تھا - انکی وضع محرم - کرمی - فتوحی - اور قیس
 سے ملتی جلتی تھی - اشعار جاہلیت میں قریباً یہ سب نام ملتے ہیں
 لیکن بجاۃ تطویل ہم اُن اشعار کو قلم انداز کرتے ہیں -
 قصا - مقنع - وغیرہ بھی استعمال کیے جاتے تھے -

ان کپڑوں کی ترتیب یہ تھی کہ سب سے پہلے ایک روال
 سر پر باندھا جاتا تھا جس سے سر کے دونوں اگلے اور پچھلے
 حصے ٹھپ جاتے تھے لیکن بیچ کا حصہ کھلا رہتا تھا - اسکو خنجر
 کہتے تھے - اسکے بعد ایک اور روال باندھتے جس سے یہ مقصود
 ہوتا تھا کہ بالوں میں تیل لگا ہو تو اُسین جذب ہو کر رہ جائے - اور
 دوپٹہ میں نہ لگنے پائے ، اسکا نام غفارہ تھا - غفارہ کے اوپر
 مختلف طول و عرض کے دوپٹے استعمال کیے جاتے تھے - جنکے
 یہ نام ہیں - صدار - خمار - نصیف - مقنع - معجر - روار - خمار نہایت چھوٹا
 ہوتا تھا اُس سے بڑا نصیف اور نصیف سے بڑا مقنع دیکھا - غلام
 وغیرہ کو اکثر اس انداز سے اوڑھتی تھیں کہ چہرہ کا اکثر حصہ چھپ جاتا
 تھا - اسی بنا پر شاعر کا قول ہے -

فَقَنَاولُهُ وَاتَّقَتْنَا بِالْمِيدِ
 وَقَدْ كَانَ الدَّمَاءُ لَهُ خِمَارٌ

سَقَطَ النَّصِيفُ وَلَمْ تَرِدْ اسْقَاطُهُ
 تَخَوَّزَ عَلَى الْاَلَاةِ لَمْ يَسْتَمِدْ

اسکے خاص چہرہ کی حفاظت کے لیے برقع ہوتا تھا جسکی نقف
 اربعین تھیں۔ جو دہن آٹھ تک کا ہونا تھا اسکو وصاوص کہتے
 تھے اس سے نیچا نقاب کہلاتا تھا۔ نقاب سے نیچا لغام۔ اور
 اس سے نیچا لغام کے نام سے دوسوم تھا۔ لغام کی حد ہونٹوں
 سے تجاوز نہ تھی ب سے بڑا نقاب جو چہرہ بلکہ سب سے کو بھی
 چھپاتا تھا اسکو جہتہ کہتے تھے۔ نقاب کے یہ تمام اقسام جاہلیت
 میں پیدا ہو چکے تھے اور استعمال کیے جاتے تھے۔ اشار ذیل
 سے اسکی تصدیق ہوتی ہے۔

آرین حاسنا و کنتی آخری و ثقبین الوصاوص للعیون
 یضیٰ لہذا کالبدر تحت غمامہ و قد نزل عن غرا النایا لغامھا

غرض لبان کا پردہ نیم عرب بین جاری تھا۔ اور بجز عوام
 اور کنیزوں کے تمام عورتیں اکی پابند تھیں۔

بعض بعض مثالین اس رسم کے خلاف ملتی ہیں مگر وہ نہایت
 نادر ہیں۔ لیکن دوسری قسم کا پردہ یعنی عورتوں کا مدون کی سوائیو
 میں شریک نہ ہو سکتا زمانہ جاہلیت میں بالکل نہ تھا۔ عورتیں عموماً جلوس
 بازاروں، لڑائیوں میں شریک ہوتی تھیں۔ بازار عکاظ میں جہاں
 شعرا طبع آزمایاں کرتے تھے شاعرہ عورتیں جاتی تھیں اور انکے
 مستقل دربار قائم ہوتے تھے۔ وہ عام مجمع میں قصیدے پڑھتی تھیں
 اور تحسین و آفرین کے صلے حاصل کرتی تھیں۔

ایک بار خنساء جو مرثیہ کہنے میں تمام عرب میں اپنا نظیر
 نہیں رکھتی تھی عکاظ میں گئی اور نابغہ ذبیانی کے سامنے جو اُس وقت
 استاد الشعراء تھا، اپنا قصیدہ پڑھا۔ نابغہ نے کہا افسوس! ابھی
 ایک شخص کو میں اشعار عرب کا خطاب دیکھا ہوں ورنہ تجھ کو یہ
 خطاب دیتا۔ تاہم کہتا ہوں کہ تو عورتوں میں سب سے بڑی شاعرہ
 ہو۔ خنساء نے کہا نہیں بلکہ میں ”اشعر الرجال والنساء ہوں“۔

عام قاعدہ تھا کہ کسی لگاؤں میں کسی شاعر کا گزر ہوتا تھا تو وہاں
 کی تمام عورتیں اُس کے پاس آتی تھیں اور شعر پڑھنے کی فرمائش کرتی تھیں
 اور چونکہ وہ عموماً سخن فہم ہوتی تھیں شعرا بھی بڑے ذوق سے اُن کو
 اپنے اشعار سناتے تھے۔ غرض مشاعرہ۔ منافزہ۔ سیلے۔ بازار۔ ونگل
 میدان جنگ۔ کوئی ایسا جمع اور مجلس نہ تھی جس میں عورتیں بے محلف
 شریک نہ ہوتی تھیں۔

یہ زمانہ جاہلیت کا حال تھا، اسلام کے زمانہ سے نیا دور
 شروع ہوا، اس عہد میں جو تغیرات اور اصلاحیں ہوئیں انکی
 تفصیل حسب ذیل ہو۔

اسلام نے سب سے پہلی اصلاح یہ کی کہ جاہلیت میں گُرو
 کے گریبان بہت چوڑے ہوتے تھے جن سے سینے نظر آتے تھے،
 اس پر ذوقندہ منہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلْيَضْحَكُوا هَلْ عَلٰی بُحُوْرِهِمْ
 اور چاہیے کہ وہ اپنے اپنے گریبانوں پر ٹال بٹال

میں نے بخاری کی شیح میں اس موقع پر لکھا ہے -

و ذلک لان جیہن کانت واسقہ	یہ آیت ایسے نازل ہوئی کہ اُنکے گریبان چڑھ
تبدل و منها خورہن و صدورہن و ما	ہوتے تھے جن سے اُنکے سینے اور اُنکے اطراف
حیاہا آسن لیدلن الخمر من و سرائھن	نظر آتے تھے۔ اور وہ دوپٹوں کو پشت کی طرف دُکھ
لقد ہی و لکنوفہ فامرہن بانہ ید لہا	میں ایسے سینے کھلے رجھاتے تھے ایسے اُنکو کھڑک
من تداءھن حتی یعطیہا -	اُن کے سامنے ڈالیں تاکہ سینہ پھپھ جائے -

نقاب اور برقع کا طریقہ ایسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں
پہلے سے جاری تھا لیکن پہلے منورہ میں یہود کے اختلاط کی
وجہ سے اس کا رواج کم ہو چکا تھا، اکثر عورتیں کھلے مونہ نکلتی تھیں
اس پر یہ آیت اتری -

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّدُرَاجِكْ وَ	اگر پیغمبر اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمان بیویوں
بَنَاتِكْ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ	سے کہہ دو کہ اپنے اور اپنی چادر میں ڈال لیا کریں
مِنْ جَلَابِیْہِنَّ -	(یعنی چادروں سے اپنا مونہ چھپا لیا کریں)

اس آیت کے متعلق تین حیثیت سے بحث ہو سکتی ہے -
آیت کا شان نزول کیا ہے -
آیت کے معنی کیا ہیں -

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کا طریق عمل کیا رہا -
شان نزول کے متعلق تفسیر ابن کثیر میں جو محدثانہ تفسیر
یہ تصریح ہے -

میں بدعاشوں کا ایک گروہ تھا جو رات کی تاریکی میں نکلن تھا۔ اور عورتوں کو جھوٹا تھا۔ بدعاش کہات چھوٹے اور تنگ تھے، رات کو جب عورتیں قضاے حاجت کے لئے گھروں سے نکلتی تھیں تو یہ بدعاش اپنے بڑا ہزارہ کرتے تھے جس سے عورت کو دیکھتے تھے کہ چار میں بھی ہوئی ہو اسکو شریف زادی سمجھ کر جھوڑتے تھے ورنہ کہتے تھے کہ یہ لڑکی ہو اور مسخرہ حملہ کرتے تھے۔

كان فاس من فساق اهل المدينة يخرجون بالليل حين يختلط الظلام الى طريق المدينة فيعرضون للنساء و كانت مساكن اهل المدينة ضيقة فان كان الليل خرج النساء الى الطريق يقضين حاجتهن فكان اولئك الفساق يتبعون ذلك منهم فاذا رأت المرأة عليها جلباب قالوا هذه حرة فكفوا عنها و اذا رأت المرأة ليس عليها جلباب قالوا هذه امة فوثبوا عليها۔

طبقات ابن سعد جو نہایت قدیم یعنی تیسری صدی کی تصنیف ہے۔ اسی میں بھی یہی شان نزول لکھا ہے۔ چنانچہ اُسکے الفاظ یہ ہیں۔

ایک منافق تھا جو مسلمان عورتوں کو جھوٹا تھا تو جب اُس نے کہا ہوتا تھا تو کہتا تھا کہ میں نے اُسکو لڑکی سمجھا تھا۔ اس بنا پر خدا نے حکم دیا کہ لڑکیوں کی دفع نہ بنائیں اور اپنے اوپر چار میں ڈال لیں اس طرح کہ بجز ایک آنکھ کے

كان رجل من المنافقين يتعرض للنساء المؤمنات يوذهن فاذا قيل له قال كنت احبها امة فامرهن الله ان يخالفن نزي الاماء و يدنين عليهن من جلابيبهن تخبر وجهها اولا

احدی عینہا۔

تفسیر کثافات میں ہے

فاسرہن ان یخالفن بن یمین

عن نزی الاماء بلبس

الارہیۃ والملاحف وستر

الرؤس والوجہ

باقی سب چہرہ چھپ جائے۔

ایسے انکو مکم ہوا کہ لونڈیوں کی وضع سے

انکے وضع اختیار کریں یعنی چادریں

اور برقع استعمال کریں اور سہ اور

چہرہ چھپائیں۔

ان تصریحات میں ایک خاص امر یاد رکھنا چاہیے۔

وہ یہ کہ ابن کثیر کی تصریح کے معلوم ہوتا ہے کہ بیبیوں اور

لونڈیوں کے لباس اور وضع میں فرق تھا، اور وہ یہ تھا کہ

بیبیاں چادروں سے چہرہ چھپاتی تھیں، اور لونڈیاں کھلے مونہ

نخلتی تھیں۔

اشعار جاہلیہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے

یُخْلِن اَمَاءٌ وَالْاَمَاءُ حَوَایِر

ایسے وہ لونڈیاں معلوم ہوتی تھیں، حالانکہ وہ لونڈیاں تھیں

وَنَسَوْنَكُمُ فِی الرَّوْعِ بَادٌ وَجُوْهُهَا

نہاری عورتوں کے جسے لڑائی میں کس گئے تھے

ابن کثیر کی عبارت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے

زمانہ میں بھی یہ فرق قائم تھا اور اسی وجہ سے جب کوئی بی بی

کھلے مونہ نخلتی تھی تو بدعاشوں کو انکے چھیرے کے لیے یہ عذر

ہاں آتا تھا کہ ہم نے انکو لونڈی سمجھا تھا۔

آیت کے معنی کے متعلق وہ لفظ بحث طلب ہیں۔

جلباب اور ادناؤ۔ جلاب کے معنی بن اگرچہ متاحسین نے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں لیکن محقق یہ ہے کہ جلاب ایک متر کا برقع یا چادر تھی جو تمام کپڑوں سے زیادہ وسیع ہوتی تھی اور اس لیے سب کے اوپر استعمال کی جاتی تھی جس طرح آجکل ترکی خاتونین فراہم استعمال کرتی ہیں، تفسیر عواد بن کثیر میں ہے۔

والجلباب هو الرداء فوق الخمار	جلباب چادر کو کہتے ہیں جو خمار کے اوپر استعمال
قاله ابن مسعود وعبيدة والحسن	کیجائی ہے۔ عبد اللہ بن مسعود۔ عبیدہ۔ حسن
البصري وسعيد بن جبين و	بصری۔ سعید بن جبیر۔ ابراہیم
ابراهيم النخعي وعطاء الخراساني	نخعی۔ عطاء خراسانی وغیرہ نے جلاب کے
و غیر واحد۔	یہی معنی بیان کیے ہیں۔

دوسرا لفظ جو بحث طلب ہے وہ ادناؤ ہے۔ ادناؤ جلاب کے معنی تمام مستند مفسرین نے جو فن لغت کے بھی امام ہیں، دیکھ چھپانے کے لکھے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور تمام صحابہ میں فن تفسیر کے اعتبار سے ممتاز ہیں۔ ان کا قول تفسیر ابن کثیر میں علی بن طلحہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ

امر الله نساء المومنين اذا خرجن	خدا نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا کہ جب گھر سے
من بيوتهن في حاجة ان يعطين	کسی کام کو نکلیں تو سر سے چادر اوڑھ کر
وجوههن من فوق رؤسهن	چہرہ ان کو چھپالیں اور ایک آنکھ

بالجلباب ویدین عینا واحدة -	اکبلی رکین -
تفسیر معالم التنزیل میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے -	
قال ابن عباس والابو عبیدۃ امہا لنساء المؤمنین ان یطین رؤسہن وجوہہن بالجلا بیب الا عینا واحدة -	ابن عباس اور ابو عبیدہ کا قول ہے کہ خدا نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا کہ چادر سے اپنا سر اور چہرہ چھپالیں بجز ایک آنکھ کے -
طبقات بن سعد میں ہے -	
محمد بن عمر عن ابی بسرة عن ابی صخر عن ابن کعب القرظی قال کان رجل من المنافقین یتعرض لنساء المؤمنین یوذیہن فاذا قیل لہ قال کنت احبہا امہ فامرہن اللہ ان یخالفن زی الاماء ویدنین علیہن من جلابیبہن تحر وجہہا الا احدی عینہا -	محمد بن عمر نے ابو بسرہ سے اُمنون نے ابو صخر سے اُمنون نے ابن کعب قرظی سے روایت کی ہے کہ مدینہ میں ایک منافق تھا جو مسلمان خاتونوں کو جھپٹا کرتا تھا۔ اور جب اُسکو ٹوکا جاتا تھا تو کہتا تھا کہ میں نے لوڈی سمجھا تھا۔ تو خدا نے حکم دیا کہ لوڈیوں کی وضع ترک کریں، اور اپنے اوپر پہنچے چادر ڈال لیں کہ چہرہ چھپ جائے بجز ایک آنکھ کے -
تفسیر کثافات میں اذناہ جلباب کی یہ تفسیر کی ہے -	
یرخینہا علیہن ویطین بجا وجوہہن -	چادر کو اپنے اوپر ڈال لیں اور چہرہ کو چھپالیں -
جلد ہشتم صفحہ ۱۲۷ مطبوعہ یورپ -	

حضرت عبد اللہ بن عباس - ابو عبیدہ - ابن کعب قرظی - بنوی
 بن کثیر - اور زمر شری - اس درجہ کے لوگ ہیں کہ انکے مقابلہ میں
 اگر کسی مخالفت کا قول ہوتا بھی تو اسکی کیا وقعت ہو سکتی، لیکن
 یہاں تک کہ کو معلوم ہو شاذ و بئاذ کے سوا، تمام اہل لغت اور
 مفسرین نے یہی معنی بیان کیے ہیں -

اس صورت میں صرف شاذ ولی اللہ صاحب کے بہم ترجیح
 سے ایسے معرکہ الآراء مسئلہ میں استدلال کرنا مستقدر قعوب انگیز ہو۔
 پردہ کے متعلق تمام دنیا میں مسلمانوں کا جو طریق عمل رہا۔
 وہ یہ تھا کہ کبھی کسی زمانہ میں عورتیں بغیر برقع اور نقاب کے
 باہر نہیں نکلتی تھیں اور بجز کسی خاص حالت کے، نامحرموں سے ہمیشہ
 مونہ چھپاتی تھیں۔ یہاں تک کہ یہ امر معاشرت کا سب سے بڑا، مقدم
 مسئلہ بن گیا تھا۔

تصدیق اسکی واقعات ذیل سے ہوگی -

ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہ نے آن حضرت سے اپنا ارادہ
 ظاہر کیا کہ میں فلان عورت سے شادی کرنی چاہتا ہوں، آپ نے
 فرمایا کہ پہلے جا کر اُسکو دیکھ آؤ، انھوں نے جا کر اُس عورت کے
 والدین سے اپنا ارادہ ظاہر کیا اور آنحضرت کا پیغام سنایا۔ صحابہ
 بمستدر آن حضرت کے حکم کی اطاعت کرتے تھے، محتاج بیان نہیں،
 تاہم والدین کو ناگوار ہوا، کہ لڑکی اُنکے سامنے آئے اور یہ اسپر

لفظ ڈال سکین۔ لڑکی پردہ میں سے یہ باتیں سن رہی تھی، بولی کہ
اگر آنحضرت نے حکم دیا ہو تو تم مجھ کو آکر دیکھ لو، ورنہ میں تمکو خدا کی
قسم دلاتی ہوں کہ ایسا نہ کرنا۔ یہ مذاقہ سنن ابن ماجہ باب النکاح
میں مذکور ہو۔

محمد بن سلمہ ایک صحابی تھے، آنحضور نے ایک عورت سے
شادی کرنی چاہی اور اسلئے پایا کہ چوری چھپے کسی طرح عورت کو
دیکھ لیں، لیکن موقع نہیں ملتا تھا، یہاں تک کہ ایک دن وہ
عورت اپنے باغ میں گئی آنحضور نے موقع پا کر اُسکو دیکھ لیا۔
لوگوں کو معلوم ہوا تو نہایت تعجب سے لوگوں نے اُن سے کہا کہ آپ
صحابی ہو کر ایسا کام کرتے ہیں۔ آنحضور نے کہا کہ میں نے آنحضرت
سے سنا ہے کہ جب کسی عورت سے شادی کا ارادہ ہو تو اس میں
کچھ مضائقہ نہیں کہ اپنے اُسکو دیکھ لیا جائے۔ (سنن ابن ماجہ
باب النکاح)

صاحب غانی نے اُختل کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ
اُختل، سعید بن ابی اس کا نمان ہوا، سعید نے بڑے تپاک سے
بہانداری کی، یہاں تک کہ اُسکی دونوں لڑکیاں جھکا نام مذعوم
و آمانہ تھا، اُختل کی خدمتگزاری میں مصروف رہیں۔ دوسری دفعہ
جب اُختل کو یہ موقع پیش آیا تو یہ لڑکیاں جوان ہو چکی تھیں
اسلئے اُختل کے سامنے نہ آئیں، غانی کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

<p>اِخل دوبارہ سعید کا سہان ہوا تو لوگ ان بڑی ہو چکی تھیں اسیے انھوں نے پردہ کیا، اِخل نے پوچھا کہ تیری لڑکی ان کمان میں - سعید نے کہا اب وہ باغ ہو گئی ہیں -</p>	<p>نہم نزل علیہ ثانیۃ وقد کبرتۃ فحجبنا فسأل عنہما وقال فاین ابنتای فاخبر بکبرہما -</p>
<p>پردہ کا اس قدر عام ہوا آج ہو گیا تھا کہ جب کبھی کوئی واقعہ اس کے خلاف پیش آیا ہر ترمو زمین اور واقعہ نگاروں نے ایک مستثنیٰ واقعہ کی طرح اُس کا ذکر کیا ہو - ابن بطوطہ نے سفرنامہ میں جہان تُرکوں کا ذکر کیا ہر ایک عورت کا ذکر کر کے لکھتا ہو -</p>	
<p>اُس کا چہرہ کھلا ہوا تھا کہ نہ تو کی عورتیں پردہ نہیں کرتیں -</p>	<p>وہی بادیۃ الوجہ کان نساء الامراک لا یحتجبین،</p>
<p>صاحبِ افغانی نے اِخل کے تذکرہ میں ایک ضمنی موقع پر لکھا ہو -</p>	
<p>اس زمانہ میں صحرائین عربوں میں مرد عورتوں کی صعبتوں میں شریک ہوتے تھے اور ان سے بات چیت کرتے تھے اور ان کو میوہ نہیں خیال کرتے تھے -</p>	<p>و کان اهل البدو اذ ذاک یحدث رجالہم الی النساء لایرون بذلک باسا -</p>
<p>اسی کتاب میں جمیل کے تذکرہ میں جو ایک بدوئی غاعر تھا - لکھا ہو -</p>	
<p>ہیں بن ہمر ایک دفعہ عید کے دن نکلا - اس زمانہ میں عید کے دن، عورتیں آراستہ ہو کر، ایک دوسرے سے ملتی تھیں اور مردوں کے سامنے آتی تھیں -</p>	<p>ان جمیل بن معمر خرج فی یوم عید و النساء اذ ذاک یتزقن ویبدن بعضہن لبعض ویبدون للرجال فی کل عید -</p>

ان عام واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں کا پردہ کرنا
 اور سونہ چھپانا، مسلمانوں کی عام معاشرت تھی، اس کے خلاف
 کوئی واقعہ ہے تو وہ خاص کسی قوم یا کسی خاص زمانہ سے تعلق
 رکھتا ہے اور کتابوں میں بطور ایک مستثنیٰ واقعہ کے ذکر کیا جاتا ہے۔
 جس موقع پر ہم دوبارہ اپنے قوی نامور مصنف
 (مولوی امیر علی) کے ان الفاظ پر توجہ دلاتے ہیں کہ -
 "خدا کے زمانہ تک اعلیٰ طبقہ کی عورتیں بلا برقع کے"
 "عورتوں کے سامنے آتی تھیں۔"
 ذلک مبالغہ من العلم۔

صدر اول کی کتابیں

عام خیال ہو کہ ہجرت کی پہلی صدی میں کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی، اور اسلامی تعلیمات کا وہ دھچپ مجموعہ جس کو "حدیث" اور "اخلاق" کہتے ہیں، قریباً سو برس تک غیر مرتب رہا۔ سب سے پہلے تصنیفات کی ابتدا ابن جریر سے ہوئی۔ اور پھر امام مالک نے موطا لکھ کر آنے والے گروہ کے لیے تصنیف و تالیف کا رستا صاف کر دیا۔ لیکن تصنیف کی ابتدا اگر انھیں بزرگوں سے ہو، تو ابن جریر نے ۱۵۸ھ میں وفات پائی ہو اور امام مالک نے ۱۷۹ھ میں، لہذا کتاب ابن جریر اور موطا دوسری صدی کی تصنیفات ہیں۔

مذہبی تعلیمات کا ایک قرن تک یون غیر منضبط رہنا ایک کتہہ سنج کی نگاہ میں ضرور کھٹکتا ہو۔ اور اسی بنا پر اہل یورپ نے اسلام پر صد ہا اعتراضات کیے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہو

اسلام میں دوسری صدی کے قبل کی کتابیں اگر نہیں ملتی تو میراث
کی کہا بات ہو، ہودیون کی کتب مقدسہ (عہد قدیم) کے نسخے ۱۵۰۰
سے قبل کے نہیں ملتے اور تانچ بتا رہی ہو کہ عیسائیوں کی کتب
عہد جدید بھی ۱۲۰۰ء کے بعد کی ہیں۔

• سہولتیں (عہد ماورین) کی کتابیں ۱۲۰۰ء سے بعد کی ہیں،
محمود ۱۲۰۰ء میں تصنیف ہوئی، عزرا (عہد عزرا) کا سنہ تصنیف
ولادت مسیح علیہ السلام سے ۵۰۰ برس قبل ہو، اسفار سامری
۱۲۰۰ء میں لکھی گئیں، اور سپیو آجٹ (زبور سبعینہ) غالباً ۱۲۰۰ء
قبل مسیح کا لکھا ہو۔

عہد جدید کے ہزار سے زیادہ نسخوں میں فقط تین نسخے
ایتے دریافت ہوئے ہیں جو اب سے ۱۵۰۰ برس پہلے لکھے گئے
تھے۔ اما جیل اربعہ کے سب سے قدیم چار نسخے بتائے جاتے
ہیں، جن کا سنہ ۲۵۰-۴۵۰ء کے درمیان کا زمانہ قرار دیا جاتا ہو۔
دیہکان کوڈکیس اور سینانک کوڈکیس ولادت مسیح علیہ السلام کے
۳۴۰ برس بعد کے ہیں اور الیگزینڈرین کوڈکیس اور دی کوڈکیس افرام
۳۵۰ء کے ہیں، لیکن ان سب کے مقابلہ میں صرف اسلام ہی
یہ دعویٰ کر سکتا ہو کہ اُس کا مذہبی نسخہ "صحیفہ عثمانی" اب بھی
دنیا میں موجود ہو۔

اہل یورپ کی غلط فہمی رفع کرنے کے لیے میں اس مضمون میں مسلمانوں کے سلسلہ روایت کی توثیق نہیں کرنا چاہتا، میرا موضوع بیان محدود ہے اور حیرت صدر اول کی کتابوں سے متعلق ہے۔ مسلمان ہمیشہ مذہبی تعلیمات کے متعلق قرآن کو کافی سمجھتے ہیں لیکن اس کا یہ منشا نہ تھا کہ وہ قانون تمدن کی پہلی دفعہ (تصنیف و تالیف) سے بے خبر رہیں۔

بے شبہ عرب میں کتابت کا عام رواج نہ تھا۔ ملک بھر میں ان شخصوں کے علاوہ کسی کو لکھنا نہیں آتا تھا، اور جو کچھ لکھنے کے ساتھ تیر اندازی اور پیرنا بھی جانتا ہو وہ صاحب کمال سمجھا جاتا تھا۔ سارا عرب اسی حالت میں مبتلا تھا، لیکن آفتاب اسلام کے طلوع ہوتے ہی تاریکی کا فور ہو گئی اور تمدن کی مختلف شاخوں میں مسلمانوں نے اتنی جلدی ترقی کی جسے دیکھ کر اس دور ترقی کو بھی حیرت ہے۔

اس کی قبیلین تو نہیں کی جاسکتی کہ سب سے پہلے کس کو تصنیف و تالیف کا خیال پیدا ہوا، لیکن یہ امر یقینی ہے کہ ہجرت کو فقط ۲۵ یا ۳۰ برس گزرنے پائے تھے کہ مسلمانوں کو کتابت کی طرف توجہ ہوئی اور مختلف عنوانات پر کتابیں لکھنا شروع کیں۔ زائدہ بن قحطہ نے جو حسن بن علیہ کے ساتھ جنگ یرم (۱۱۱ھ) میں

میں شہید ہوئے۔ فن حدیث، تفسیر، تجوید اور اخلاق میں کئی
 کتابیں لکھیں جن میں علامہ ابن المذہب نے کتاب السنن،
 کتاب الفرائض، کتاب التفسیر، کتاب الزہد، اور کتاب القبا
 کا تذکرہ کیا ہے۔

امیر معاویہ کے حکم سے عبید بن بشر نے دنیا کی
 فتنہ توہان کی ایک تاریخ طیار کی اور عوانہ بن حکم نے خاص
 عرب کی ایک تاریخ لکھی۔ عوانہ نے فن بابوگرفی میں بھی ایک
 کتاب لکھی اور امیر معاویہ کی لائف میں بھی ان کی ایک تصنیف
 ہے۔ لیکن کتاب الفتن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ
 دونوں کتابیں ایک ہیں۔

تفسیر کی ابتدا بھی اُسی مبارک عہد میں ہوئی حضرت علیؓ
 اکثر اوقات قرآن کے مطالب بیان کیا کرتے تھے۔ ابو حمزہ ثمالی
 کو یہ سن کر تفسیر قرآن لکھنے کا شوق ہوا۔ چنانچہ قرآن کے
 بستہ بستہ مقامات کی جو تفسیر اُس نے لکھی تھی وہ کئی جُز میں تھی
 عجیب بات یہ ہے کہ ان کتابوں کے عنوانات ہمیشہ نئے نئے
 ہوتے تھے۔ مسائل خلافت کے متعلق ابن میثم کی کتاب الامامہ
 اور کتاب الاستحقاق، تاریخی حیثیت میں اثنانی کی کتاب
 ایک جُز میں بسا اوقات دو نو یا اس سے زیادہ ورق ہوتے تھے۔ دیکھو

کتاب الفتن مہموذہ پینرگ (جرنی) صفحہ ۱۰۷ واللہ اعلم ۱۲

نضائل علی و مقتل حسن بن علی اور علم کلام میں کتاب سلیم بن قیس ہلالی میں یہ جدت کسی قدر وضاحت سے نظر آتی ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ محض حدیث، تفسیر، کلام، اور سیرۃ میں تصنیف و تالیف کا اُٹھتا ہوا جوش محدود ہوتا۔ نسین۔ بلکہ حسب اقتضائے زمانہ اکثر علوم کی طرف توجہ ہوئی اور خاص کر فن طب و کیمیا میں کئی کتابیں لکھی گئیں۔

غیر زبانوں سے ترجمہ کی بنیاد بھی اسی عہد میں پڑی، جس کے لیے صاحب کتاب الفہرست لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے خالد بن یزید کے لیے سری میں کتابیں ترجمہ کی گئیں لیکن واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس اولیت کے مستحق خالد کے دادا معاویہ بن، جن کے حکم سے شام کے ایک عیسائی طبیب ابن آثال نے طب کی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں۔

سب سے زیادہ جس علم میں مسلمانوں نے وقت صرف کیا۔ مشہور ہوئے۔ اور صاحب فن و مجتہد کہلائے وہ علم کیمیا ہے۔ ابن السدیم نے صفحہ ۳۵۱ سے ۳۶۰ تک اسی کا تذکرہ کیا ہے اور کیمیاء فی تصنیفات و تراجم کی ایک طویل فہرست دی ہے، جس میں بہت سی کتابیں پہلی صدی کی ہیں۔ مثلاً کتاب المحررات: کتاب الوصیت وغیرہ وغیرہ۔

خاتمہ سخن میں ہم یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ جس قوم کو
 کتابوں کی جانب اس قدر اہتمام ہوگا اُس کے لیے کتب خانہ قائم کرنا
 بھی ایک طبعی امر ہو۔ لیکن یہ امر کہ کتب خانے کی ابتدا کس سے
 ہوئی! ایک امر مشتبہ ہو۔ عام برائے میں خالد بن یزید کا
 خزانہ الکتب پہلا اسلامی کتب خانہ سمجھا جاتا ہے اور مسم بھی اُس
 کتب خانے کی وسعت، خوش انتظامی، کتابوں کی فراوانی اور حسن و
 خوبی کو دیکھ کر اس رائے کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن فی نفسہ کتب خانے
 کا وجود اس کے قبل بھی ثابت ہے۔ تاریخ ہم کو بتا رہی ہے کہ
 ابن ابی بعرہ کا کتب خانہ ہر حیثیت سے قابل وقت تھا۔
 محمد بن اسحاق صاحب معاری متوفی ۱۵۸ھ نے اس کتب خانے
 کو خود جاکر دیکھا تھا۔ اُن کا بیان ہے کہ ابن ابی بعرہ کو اُن کے
 ایک دوست نے جو کوفہ کے سربراہ اور وہ شخص تھے، مرتے
 وقت یہ کتب خانہ ہبہ کر دیا تھا، اور قرینہ سے معلوم
 ہوتا ہے کہ ۱۵۸ھ کے بعد یہ کتب خانہ قائم ہوا تھا
 واللہ اعلم بالصواب۔

حامد قوم
 عبد اللہ حمادی

علمی خبریں

اورٹینٹل کانفرنس - علمائے یورپ نے مشرقی علوم اور زبانوں کی تحقیقات کے لیے ایک انجمن قائم کی ہو۔ جس کا چودھواں سالانہ اجلاس اس سال الجزائر میں ہوا تھا۔ اس اجلاس میں ایک رزلویشن یہ پاس ہوا ہے کہ ضرورت زمانہ سے عربی میں جس قدر غیر زبانوں کے الفاظ دخیل ہو گئے ہیں، بجائے اُن کے خاص عربی اصطلاحیں قرار دینی چاہئیں اس غرض کے لیے ایک کمیٹی قائم ہوگی جس کی شاخیں مصر و شام وغیرہ میں بھی ہوں گی۔

تمدن اسلام - اورٹینٹل کانفرنس کے اہتمام سے تمدن اسلام کے متعلق ایک سائیکلو پیڈیا طیار ہو رہی ہے، جس کی تالیف میں یورپ کے ۵۰ عالم شریک ہیں۔ یہ کتاب ۱۵ برس میں مرتب ہوگی۔

شکار کرنے والے نباتات - قریباً ۳۰۰ ایسے نباتات

دریائے ہوس ہین جن کا خاصہ کیرٹے کمبوڑون کا ہیکار کرنا ہوتا ہے۔
ان نباتات کی اصلی تہین ۱۰ ہین۔

ٹوکیو - جاپان کے دارالسلطنت ٹوکیو میں ایک کالج
مورتون کے لیے مخصوص ہوا جس میں ۵۸۲ لڑکیاں تعلیم پاتی
ہیں۔ مدت تعلیم تین برس ہوا اور اسی تھوڑی سی مدت میں اکثر
ضروری علوم، حفظ صحت، علم النفس، تاریخ فنون، اخلاق، کیمیا، طبیعیات
اور حسن معاشرت وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔

مسٹر کارنجی - امریکہ کے مشہور سنی مسٹر کارنجی نے امریکن
کالجوں کے پروفیسروں کو سالانہ ۵ لاکھ ڈالر انعام دینا منظور کیا ہے۔
یہ انعام صرف قومی کالجوں کی حوصلہ افزائی کے لیے ہے۔ گورنٹ کالج
کو اس سے مطلب نہیں۔

ہیڈروسکوپ - رائجین صاحب کی شعاعوں سے تو
زمین پر کی جیسی مونی چیزیں بد نظر نہ آتی ہوں دکھائی دیتی ہیں،
لیکن مسٹر پنو کی ہیڈروسکوپ سے سمندر کی تہ کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔
یہ آگہ اگر پانی میں لگا دیا جائے اور ایک اخبار ۳۶۰ فیٹ کی
گہرائی میں رکھ دیا جائے تو پانی کی سطح کے اوپر سے صاف طور
سے پڑھ سکتے ہیں۔

برقی روشنی - تجربہ کیا گیا ہے کہ زرد رنگ کی برقی روشنی
سے اعمال جراحی میں آرام ملتا ہے۔ کلہوڑا فارم کی طرح اس روشنی

سے بھی مریض بنے پیش ہو جاتا ہو اور عمل بالئید کی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔

مچھلی۔ خراب۔ مچھلی کھانے سے اکثر خون میں فساد آ جاتا ہو، اور جن لوگوں کا معدہ ضعیف ہو اور مزاج میں سوداوتہ یا بلغمیت غالب ہو، اُن کو مچھلی کی کثرت زیادہ مضر ہو اور جذام یا برص پیدا ہونے کا خوت ہو۔

کنز العلوم۔ مصر کے مشہور فاضل ڈاکٹر فرید دجہی اسلامی علوم کی ایک سائیکلو پیڈیا کہہ رہے ہیں۔ اس کا نام کنز العلوم ہوگا۔

تصنیفات سے آمدنی۔ ہندوستان میں اول تو مفید کتابیں لکھی نہیں جاتیں اور اگر کسی نے لکھیں بھی تو ملک کی عام ناقدروانی سے اُسے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ لیکن یورپ میں یہ کیفیت نہیں ہو۔ وہاں ایک کتاب سے ہزاروں کی آمدنی ہوتی ہو۔ سر وائٹر اسکاٹ کو صرف اپنی کتابوں کی وجہ سے ۸۰ ہزار لیرہ (لیوری) کی آمدنی ہوئی۔ مس جارج ایٹ کو صرف ایک ناول ”رومولا“ کی وجہ سے ۷۰ ہزار لیرہ ملے۔ لارڈ رابرٹس و مشر جون مصنف بلائف آف گلڈ ہسٹون اور مشر اسٹینلی کو ایک ایک کتاب میں دس دس ہزار لیرہ کی آمدنی ہوئی۔ مس میری کارلی کو ناول ”زسکا“ کی اشاعت سے ہزار لیرہ ملے۔ اور مشر ہل کاؤن کو فقط ایک کتاب

دی کرپین کی تصنیف سے ایک لاکھ لبرہ کا فائدہ ہوا۔
کائنات اور زندگی۔ ڈاکٹر رسل ویس کی رائے میں تمام
 کائنات کی خلقت انسان کے لیے ہوئی ہے۔ اہل یورپ کائنات کی
 وسعت کے مقابلہ میں سمجھتے تھے کہ زمین ایک نقطہ کے برابر ہے۔
 ڈاکٹر صاحب نے ثابت کیا ہے کہ یہ نقطہ مرکز کائنات میں واقع
 ہے اور زندگی صرف مرکز کائنات میں ممکن ہے اطراف میں ممکن
 نہیں۔ لہذا بجز کرہ زمین کے کواکب وغیرہ میں حیوانات کی آبادی
 خلاف واقع ہے۔

انگلستان اور دیوانگی۔ انگلستان میں دیوانوں اور پاگلوں
 کے علاج کے لیے ہر سال ۴۰ لاکھ پونڈ صرف ہوتے ہیں ،
 لیکن پھر بھی نتیجہ حسب خواہش نہیں نکلتا۔ اس وقت انگلستان
 میں ایک لاکھ ۷۵ ہزار پاگل موجود ہیں ، جن کی دیوانگی کا سبب
 کثرت زنا و شرابخواری ہے۔

راز تندرستی۔ تندرستی کا راز یہ ہے کہ کھانا اوقات معینہ
 پر کھا جائے اور کبھی بے وقت نہونے پائے۔ غذا نہایت سادی اور معتدل ہو
حفظ صحت کی تدبیر۔ حفظ صحت کی سب سے اچھی تدبیر
 ریاضت جسمانی ہے، لیکن کسی سبب سے ریاضت کا اتفاق نہ پڑے تو دوسری
 تدبیر یہ ہے کہ حتی الوسع گوشت کھانا کم کیا جائے کیونکہ اس سے بہت سے نقصان
 پیدا ہوتے ہیں جن کی مضرتیں ضعیفی میں محسوس ہوتی ہیں۔

چندہ ندوۃ العلما من ابتدائے یکم محرم لغایت سلخ صفر ۱۳۲۳ھ

نمبر شمار	چندہ ندوۃ العلما	نمبر شمار	جناب منشی بشیر الدین صاحب محافظہ
۱	اساتے گرامی	۹	دفعہ کلکٹری سلطان پور
۱	جناب منشی فضل حسین خان صاحب	۱۰	جناب امی بخش صاحب کوئٹہ
	دعویٰ محمود علی خان صاحب رئیس	۱۱	شہر سلطان پور
	محمد پور ضلع بارہ بنگی	۱۲	جناب محمد بنو خان صاحب معلم
۲	جناب شہر محمد سید صاحب بیر شہر	۱۳	پٹواریان سلطان پور
	ایٹ لاپر تاب گڈہ	۱۴	جناب کلکٹری مسلمان پورہ سلطان پور
۳	جناب مولوی قدح حسین صاحب	۱۵	جناب سید اشرف حسین صاحب
	رئیس موضع رتنی ضلع گیا	۱۶	رئیس خیر آباد ضلع سلطان پور
۴	جناب محمد صاحب دبی بخش صاحب	۱۷	جناب شیخ بنیاد حسین صاحب نقل نویس
	جناب سلطان پور	۱۸	کلکٹری سلطان پور
۵	جناب شیخ کفایت احمد صاحب	۱۹	جناب منشی ولی صاحب عراض
	رئیس پرتاب گڈہ	۲۰	نویس سلطان پور
۶	جناب شیخ باقر صاحب برادر	۲۱	جناب عبدالولی خان صاحب سلطان پور
	خرد شیخ صاحب موصوف	۲۲	جناب منشی محمد باقر خان صاحب
۷	جناب احکام الدین صاحب ناظر	۲۳	ڈپٹی کلکٹر سلطان پور
	کلکٹری سلطان پور	۲۴	جناب مولوی شیخ عبدالسلام صاحب
۸	جناب حاجی رحیم بخش صاحب نشتر	۲۵	ویکل سلطان پور
	انسپکٹر پولیس سلطان پور	۲۶	جناب میان محمد امدادی صاحب محرم

جناب شیخ عبدالسلام صاحب وکیل	سلطان پور	۱	جناب فشی امان الحق صاحب	محرور وکیل	۱
جناب فشی عظیم احمد صاحب سررشته دار	۱۰	۶	جناب لدی محمد حسین صاحب قبلہ	۲۰	۱
جناب فشی سلطان پور	۱۱	۶	جناب حافظ ننگرامہ صاحب طبیب	۲۱	۱
جناب فشی فیصل حسین صاحب	۲۱	۶	میونسپلٹی پرتاب گڈ	۲۲	۱
ریونیو ایکٹ سلطان پور	۲۲	۶	جناب فشی محمد دوم خان صاحب ماسٹر	۲۳	۱
جناب دار وند الفت علیقا انصاری	۲۳	۶	پرتاب گڈ	۲۴	۱
سلطان پور	۲۴	۶	جناب فشی سید احمد صاحب محرر پوڈیل	۲۵	۱
جناب مولوی محمد امیل صاحب	۲۵	۶	تحصیل پرتاب گڈ	۲۶	۱
ابرو سکریٹری حسین الہ و	۲۶	۶	جناب فشی مختار احمد صاحب کلرک	۲۷	۱
سلطان پور	۲۷	۶	پولیس پرتاب گڈ	۲۸	۱
جناب سید فخر الحسن صاحب اپٹیل	۲۸	۶	جناب شیخ نور محمد صاحب عطار	۲۹	۱
اسسٹنٹ سردار شہر ریاست بیکانیر	۲۹	۶	پرتاب گڈ	۳۰	۱
جناب مولوی اکرام الدین صاحب	۳۰	۶	جناب شیخ فضل الدین صاحب	۳۱	۱
مدرسہ رسد خیر ال	۳۱	۶	موائض نویس پرتاب گڈ	۳۲	۱
جناب شیخ مبارک احمد صاحب	۳۲	۶	جناب فشی حیات علی صاحب محرر تھانہ	۳۳	۱
ریونیو ایکٹ پرتاب گڈ	۳۳	۶	پرتاب گڈ	۳۴	۱
جناب فیض حب علی صاحب پشتر	۳۴	۶	جناب آئی صاحب موکیری	۳۵	۱
سب انسپکٹر	۳۵	۶	جناب موسیٰ صاحب موکیری	۳۶	۱
جناب فشی یعقوب شاہ خان صاحب	۳۶	۶	جناب حافظ عاشق علی صاحب امام	۳۷	۱
منصوب جی پرتاب گڈ	۳۷	۶	مسجد پرتاب گڈ	۳۸	۱

۳۱	معرفت مصروف الصدر	۱۰۵	۵۳	جناب مراد صاحب تبا کو فروش	
۳۲	بابوشینوندن پرشاد صاحب			کنند رو گنج	۱۸
	سب اور میر	۶۶	۵۴	جناب افضل حسین صاحب	۱۸
۳۳	جناب شیخ کفایت احمد صاحب محظوظ		۵۵	جناب شیخ علی حسین صاحب گرواورد	
	دیوانی پرتاب گڈ	۱۰۵		قانون گو	۵
۳۵	جناب منشی شرت الدین صاحب			جناب منشی غیاث الدین صاحب	
	الہد منصفی پرتاب گڈ	۱۰۵		اکبر کر خزانہ پرتاب گڈ	۱۰۵
۳۶	جناب سعید شاہ صاحب بن رشید الدین		۵۷	جناب محسن خان صاحب زمیندار	
	صاحب وکیل	۱۰۵		بہلول پور ضلع پرتاب گڈ	۱۰۵
۳۷	جناب عبدالہ خان صاحب میس		۵۸	جناب میر قصد حسین صاحب بورڈنگ	
	پرتاب گڈ	۱۰۵		محمدن پرتاب گڈ	۱۲
۳۸	جناب عبدالصمد صاحب لازم		۵۹	جناب نظام الدین صاحب بورڈر	
	عبدالہ خان صاحب	۱۰۵		محمدن پرتاب گڈ	۱۲
۳۹	جناب شیخ حمایت حسین صاحب		۶۰	جناب اشتیاق حسین صاحب بورڈر	
	رئیس پرتاب گڈ	۱۰۵		محمدن پرتاب گڈ	۱۲
۴۰	جناب خورشید حسین صاحب		۶۱	جناب وکیل احمد صاحب بورڈر	
	نقل نویس	۱۲		محمدن پرتاب گڈ	۱۲
۴۱	جناب محمد خان صاحب سوداگر		۶۲	جناب رضی حسین صاحب بدڈر	
	کنند رو گنج	۱۲		محمدن پرتاب گڈ	۱۲
۴۲	جناب علی حسن صاحب شاپ فروش		۶۳	جناب ممتاز حسین صاحب امین	
	بازار کنند رو گنج	۱۲		عدالت پوارہ	۱۰۵

۶۳	جناب شیخ شاکری کنہ رو گنج	۴	۶۶	جناب سید مومن علی صاحب مدرس	۴
۶۵	جناب نسی خلیل احمد صاحب باب الشکر		۶۷	جناب دلداز حسین صاحب نائب	
	پولیس پرتاب گڑھ	۷۵	۶۸	دار و نہ میلر	۷۵
۶۶	جناب بھگونی صاحب تاجر چرم		۶۹	جناب نسی محمد حسین صاحب کلرک	۷۵
	کنہ رو گنج	۷۵	۷۰	جناب نسی مولوی خیر تعالیٰ صاحب	۷۵
۶۷	جناب نسی مومن شامور پنڈت		۷۱	سرس	۷۵
	شیوران صاحب	۷۵	۷۲	جناب شیخ متاز حسین صاحب	۷۵
۶۸	جناب پنڈت وارکا پرشاد صاحب		۷۳	اہل منصفی	۷۵
	مہاتن	۷۵	۷۴	جناب شیخ محمد علی صاحب محرر	۷۵
۶۹	جناب پورشاد صاحب نمینہ دار		۷۵	بیر سر صاحب	۷۵
	کنہ رو گنج	۷۵	۷۶	جناب منصفان صاحب چپراسی	۷۵
۷۰	جناب نسی پورشاد صاحب		۷۷	سب جچی پرتاب گڑھ	۷۵
	اہل سب نسی	۷۸	۷۸	جناب محمد شفیع صاحب نائب	۷۵
۷۱	جناب نسی ابوسعید صاحب		۷۹	ناظر و جداری	۷۵
	اہل سب نجی	۷۵	۸۰	ساجزادہ سید رشید الدین صاحب	۷۵
۷۲	جناب نسی انسی نیش صاحب		۸۱	بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی وکیل	۷۵
	نقل پولیس سب نجی	۷۵	۸۲	پرتاب گڑھ	۷۵
۷۳	جناب نسی مہر علیق صاحب		۸۳	جناب شیخ سلطان حسن صاحب	۷۵
	مدرس	۷۵	۸۴	دار و نہ جیل پرتاب گڑھ	۷۵
۷۴	جناب شیخ عبدالعلی صاحب مدرس	۷۵	۸۵	جناب عبدالمادی صاحب لازم	۷۵
۷۵	جناب محمد صدیق صاحب مدرس	۷۸	۸۶	سب جچی پرتاب گڑھ	۷۸

۸۷	جناب مولوی صالح الدین حبیبہ	۱۷۵	جناب سید ام عیضا ضلع ہرودئی
	صاحب وکیل	۱۷۶	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
۸۸	جناب عظیم خان چیراسی	۱۷۷	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
۸۹	جناب نجم الدین چیراسی	۱۷۸	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
۹۰	جناب نظام علی صاحب چیراسی	۱۷۹	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
۹۱	جناب نعمت ایل صاحب	۱۸۰	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
۹۲	جناب نسی احمد حسین صاحب اوریر	۱۸۱	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
۹۳	جناب محمد سین خان صاحب قرق	۱۸۲	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	امین بستی	۱۸۳	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
۹۴	ایک متنفس	۱۸۴	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
۹۵	جناب شیخ محمد اسحاق صاحب	۱۸۵	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
۹۶	جناب ضیاء الحق صاحب	۱۸۶	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
۹۷	جناب شیخ احمد صاحب	۱۸۷	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	میزان کل	۱۸۸	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	چندہ خزانہ محمدیہ	۱۸۹	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	جناب نسی محمد ابی صاحب	۱۹۰	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	انپکٹر پولیس کوہ جڑا	۱۹۱	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	حافظہ محمد سید صاحب شہر کٹہ	۱۹۲	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	ارہرہ	۱۹۳	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	میزان کل	۱۹۴	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	چندہ اشاعت اسلام	۱۹۵	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	جناب سید ام عیضا ضلع ہرودئی	۱۹۶	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار	۱۹۷	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	چندہ زکوٰۃ	۱۹۸	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	جناب منشی ام الدین صاحب کتبہ کھرک	۱۹۹	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	انجیرنگ آنس پرتاب گٹھ	۲۰۰	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	معرفت مولوی شاہ قحیل حسین صاحب	۲۰۱	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	بہاری و سنہ ضلع پٹنہ بابت چندہ	۲۰۲	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	متفرق	۲۰۳	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	میزان کل	۲۰۴	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	چندہ دینی خانہ کاپنور	۲۰۵	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	جناب سید امین الدین صاحب ہرودئی	۲۰۶	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	چندہ دارالعلوم من ابتدای کم محرم ۱۳۲۳ھ	۲۰۷	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	لغایت سلخ صفر ۱۳۲۳ھ	۲۰۸	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	چندہ دارالعلوم	۲۰۹	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار
	جناب شرف غلام حسین صاحب عمارت رئیس	۲۱۰	جناب غلام علی صاحب کتبہ اہوار

۱۵	جناب بہادر علی صاحب چہراسی	۱۵	آجا اتر تہ لین کلکتہ
۱۶	سلطان پور	۱۶	جناب منشی سرزار علی صاحب رئیس
۱۷	جناب شیخ فضل حسین صاحب دیوبند	۱۷	منظورہ فیض آباد
۱۸	ایکٹ سلطان پور	۱۸	جناب منشی ابرار خاں صاحب پٹی کلکٹر سلطان پور
۱۹	جناب آئی بخش خاں صاحب سلطان پور	۱۹	جناب لوی شیخ عبد السلام صاحب کل سلطان پور
۲۰	جناب دار وندہ الفت علی صاحب	۲۰	آریہ صاحب السام صاحب کل سلطان پور
۲۱	سلطان پور	۲۱	جناب شیخ محمد الرحمن صاحب ناکن
۲۲	جناب کوٹلی صاحب سلطان پور	۲۲	بڑا کاؤن ضلع بارہ بکی
۲۳	جناب سید الدین صاحب جوتہ فروش	۲۳	جناب ابو ظفر حسن صاحب سلطان پور
۲۴	سلطان پور	۲۴	معلوم از اسم
۲۵	جناب بن محمد صاحب داگر سلطان پور	۲۵	جناب مرزا عبد الجبار صاحب داگر
۲۶	جناب حافظ عبد الغنی صاحب سلطان پور	۲۶	سلطان پور
۲۷	جناب منشی یاض الدین صاحب سلطان پور	۲۷	جناب منشی عظیم احمد صاحب سرشتہ
۲۸	جناب مصباح علی صاحب سلطان پور	۲۸	کلکٹر سلطان پور
۲۹	جناب حکیم حمید الدین صاحب سلطان پور	۲۹	جناب محمد رضا صاحب داگر سلطان پور
۳۰	جناب حاجی محمد حسین صاحب باطلی	۳۰	جناب مولوی محمد عمران صاحب سپکٹر
۳۱	جناب حکیم آدین صاحب جوتہ پڑاگڈہ	۳۱	آبکاری سلطان پور
۳۲	جناب شہاب الدین صاحب سب	۳۲	جناب منشی لکھام الدین صاحب ناظر کلکٹر
۳۳	انپیکٹر سلطان پور	۳۳	سلطان پور
۳۴	جناب سیف احمد صاحب نیر آباد	۳۴	جناب آئی بخش خاں صاحب پٹن بازار
۳۵	جناب قادر بخش صاحب سلطان پور	۳۵	سلطان پور

۳۱	جناب عبدالغفور صاحب بازاره سلطانپور	۸	سلطان پور	۴۴
۳۲	جناب ولی محمد صاحب بازاره سلطانپور	۸	جناب جعفر خان صاحب سلطان پور	۴۵
۳۳	جناب فیض اللہ صاحب بازاره سلطانپور	۸	جناب نور محمد صاحب عطار سلطانپور	۴۶
۳۴	جناب منشی ارشد علی صاحب عرائض	۰	جناب رحایت علی خان صاحب کاشنیل	۴۸
	نویس سلطانپور	۴۷	سلطان پور	۴۷
۳۵	جناب شیخ عبدالصمد صاحب سلطانپور	۱۲	جناب منشی ظفر علی صاحب سلطانپور	۴۹
۳۶	جناب بابر حسین صاحب سلطانپور	۱۲	جناب صدرا الدین صاحب سلطانپور	۵۰
۳۷	جناب حاجی علی بخش صاحب خیاط		جناب میران بخش صاحب اگر سلطانپور	۵۱
	سلطانپور	۴۸	جناب محمد یوسف صاحب تمام سلطانپور	۵۲
۳۸	جناب برخوردار صاحب سلطانپور	۱	جناب محمد ابراہیم صاحب تمام سلطانپور	۵۳
۳۹	والدہ صاحبہ ابوالبرکات	۱۳	جناب ضمیر احمد صاحب کاشنیل سلطانپور	۵۴
۴۰	معلوم الاسم صاحب	۱	جناب محمد بخش صاحب سوداگر ٹھم	۵۵
۴۱	جناب منشی عبدالرحیم صاحب شاپ		جناب شیخ شہاب الدین صاحب	۵۶
	فروش سلطانپور	۸	محرر رجسٹری	۸
۴۲	جناب صاحب دین صاحب		جناب شیخ حمیدی لالہ پورہ سلطانپور	۵۷
	عرائض نویس سلطانپور	۴	جناب چنگا صاحب پورہ سلطانپور	۵۸
۴۳	جناب عالم علی صاحب عرائض نویس		جناب محمد کاظم صاحب مختارہ پورہ	۵۹
	سلطانپور	۴	سلطانپور	۴۷
۴۴	جناب سید رحمت حسین صاحب		جناب جمیم بخش صاحب لالہ پورہ سلطانپور	۶۰
	ٹھیکہ دار سلطانپور	۱۰۶	جناب ثابت علی صاحب لالہ پورہ سلطانپور	۶۱
۴۵	جناب منشی کریم صاحب محرو کو توالی		جناب مدد علی صاحب عرائض نویس سلطانپور	۶۲

۶۳	صبیح شیخ عبدالسلام صاحب دیکل	۶۸	۹	ریاست راپور	۶۸
	سلطان پور			جناب سید رفیع حسین صاحب کورٹ انسپکٹر	
۶۴	جناب نور محمد خان صاحب سلطان پور	۶۸		ریاست راپور	۶۸
۶۵	جناب سید منظور احمد صاحب	۶۸	۱۰	جناب منشی ہدایت اللہ خان صاحب ٹیشن	
۶۶	جناب شیخ مبارک اللہ صاحب			اسٹرکچر ضلع منی مال	۶۸
	اریو نیو بکچٹ پرتاب گڈ	۶۸	۱۱	جناب منشی نصرت اللہ خان صاحب	
	میزان کل	۶۸	۱۲	زیندار موضع دوریا تحصیل کچہ	۶۸
	سرما یہ دارالعلوم			جناب نصر الدین صاحب موضع کڑا	
	جناب مولوی منون حسن خان صاحب			تحصیل کچہ	۶۸
	تحصیل دار برنی	۶۸	۱۳	جناب طاہر محمد خیل صاحبہ ہندولی	
۲	جناب منشی میرن خان صاحب سٹنٹ			ضلع منی مال	۶۸
	بحسریٹ راپور	۶۸	۱۴	جناب قاضی محمد اسحاق صاحب	
۳	جناب نبیہ خان صاحبہ راپور	۶۸		محر تحصیل کچہ	۶۸
۴	جناب امرا الدلہ خان صاحب		۱۵	جناب سید علیہ خان صاحب تحصیلدار کچہ	۶۸
	ریاست راپور	۶۸	۱۶	جناب منشی باورین صاحب سب	
۵	جناب دولہ خان صاحب بٹریٹ			ادویر کچہ	۶۸
	راپور	۶۸	۱۷	جناب ابو امام الدین صاحب	
۶	جناب محمد فاروق صاحب راپور	۶۸		سب ادویر کچہ	
۷	جناب منشی شیر زمان خان صاحب باور		۱۸	جناب محمد علی صاحب سب کدرکی	
	ممبر کونسل راپور	۶۸		ضلع مراد آباد	۶۸
۸	جناب محمد محمود شاہ صاحب کپتان		۱۹	جناب منشی محمد نور حسن صاحب ٹی کلکٹر	

اطلاع ضروری

کاغذ کے اختلاف کی بنا پر، اندوہ کی قیمت میں جو تفریق تھی، مٹا دی گئی، اور کاغذ یکساں کر دیا گیا۔
لیکن جو حضرات درجہ اول کی پیشگی قیمت ادا کر چکے ہیں، ان کی صفات رقم جمع رہی، اور دوسرے سال میں مجرادی جائیگی۔

اس پرچہ کا کاغذ بعض مجبوریوں کی وجہ سے
چھانڈ مل سکا۔ آئندہ پرچے عمدہ اور صاف کاغذ پر نکلینگے۔
صحت کا خاص اہتمام ہوا ہے۔ جو سب سے

زیادہ ضروری چیز ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الندوہ

ہمکو اس بات سے خوشی ہوئی کہ جو مضمون ہمارے دارالعلوم کے ایک طالب علم کا پچھلے پرچے میں شائع ہوا، وہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا، جناب مولوی الطاف حسین صاحب حالی نے ایک خط حال میں ہمکو لکھا ہے، اس میں تحریر فرماتے ہیں

”سب سے زیادہ اس بات کی خوشی ہو کہ دارالعلوم نے اپنی“

”تعلیم کا ثابت عمدہ نمونہ پہلی ہی بار پیش کیا جو فبارک اللہ“

”فیہا و فی طلبتہا و فی تعلیمہا۔ مجھے اسبہ نین بکہ یقین ہے“

”کہ عربی کی کامل تعلیم، اور انگریزی کی بقدر ضرورت، جاری ہے“

”میں ایسے لائق مضمون نگار اور مصنف پیدا کر چکی کہ حسن نگاری“

”عظیم، آج تک دنیا ایک ہی نین پیدا کر سکی۔“

مولانا موصوف نے جو کچھ لکھا ہے، اسکی واقفیت سے لکھو

ہو سکتا ہو۔ مسلمانوں میں جو لوگ آج علی سرکون کے علم بردار ہیں وہ
 ہیں جو عربی تعلیم یافتہ، اور انگریزی مذاق سے آشنا ہیں، محض انگریز
 دانی نے اب تک تو کوئی صاحب قلم نہیں پیدا کیا، آئندہ کی نسبت
 کون راسے دیکھتا ہو۔

بنگلور کے مسلمان، نہایت شوق اور خواہش سے مذہب لہلا
 سے ایک وکیل بھیجنے کی درخواست کر رہے ہیں۔ انھوں نے خود
 معقول ہندو جمع کر لیا ہو، اور لکھا ہو کہ وکیل کے آنے پر چند
 کی تعداد بہت بڑھ جائیگی۔ ان کی یہ بھی خواہش ہو کہ اس سال
 مذہب کا سالانہ جلسہ وہیں ہو۔ ہم بھی ان کی اس درخواست سے
 متفق ہیں، اگر مالک ہندو کسی وجہ سے مذہب کے ساتھ سردہری کا
 برتاؤ کر رہا ہو۔ تو دنیا قدر دانوں سے خالی نہیں۔

ہمیشہ کس عزت نہ وارد در دیارِ خویش
 آب تا در گل بود، آب ست و درینا گلا

شملہ کے پرجوش مسلمان بڑے زور شور سے
 مذہب کی سفارت کی طایاریاں کر رہے ہیں۔ ہم کو معلوم ہوا ہے
 کہ اس سفارت میں بڑے بڑے معزز علما اور داعینِ شریعت
 ہون گے، مثلاً جناب مولوی شاہ سلیمان صاحب، جناب

مولوی عبدالحق صاحب، جناب مولوی سید عبدالحی صاحب
خاکسار شبلی بھی اس قافلہ کا گروہ راہ ہوگا۔

بے شبہ نہایت شہم کی بات ہو کہ ہمارے ہندو
بھائیوں میں ایثار نفس کی جہان سیکڑوں مثالیں پائی
جاتی ہیں، اسکے مقابلہ میں ہم ایک دو نظیر بھی نہیں
پیش کر سکتے۔ ہم روز سنتے رہتے ہیں کہ فلاں ہندو
یا فلاں آریہ، نے اپنی خدمات تمام عمر کے لیے بلا کسی
معاوضہ کے کسی قومی کام کی نذر کر دیں، یا اس قدر قلیل
معاوضہ لینا گوارا کیا، جو اسکی قابلیت کے مقابلہ میں
بالکل بیچ ہو۔ لیکن آج تک یہ سنتے ہیں نہ آتا کہ کسی
مسلمان نے اس قسم کی فیاض دلی کی ہو، حال آنکہ قومی
ہمدردی کا غلطہ اس زور سے بند کیا جاتا ہو کہ اسکی
آواز نہ صرف ہندوستان، بلکہ اقصای یورپ میں
گونج جاتی ہو۔

لیکن خدا نے چاہا تو یہ حالت دیر تک قائم نہ رہی
اکثر قلوب متاثر ہونے لگے ہیں اور ایک آدھ مثالیں بھی
نظر آنے لگی ہیں۔ مولوی عبدالحی صاحب ایک مدت
سے ندوۃ العلماء میں مددگارِ مائتہ کی خدمت پر مامور ہیں

اور انھوں نے نہایت خوبی سے اس خدمت کو آج تک انجام دیا۔ چند مہینے ہوئے انھوں نے معاوضہ لینے سے بالکل انکار کر دیا اور اب بغیر کسی قسم کے حق الجذتہ کے اپنے کام کو اُسی مستعدی اور سرگرمی اور دلسوزی سے انجام دے رہے ہیں۔ یہ فیاضی اُس وقت اور بھی قابلِ قدر ہو جاتی ہے جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مولوی صاحب موصوف کو معاش کی طرف سے بے طینانی ہے اور اس وجہ سے ان کی زندگی نہایت عُسرت کے ساتھ بسر ہوتی ہے، لیکن ان کی اس عُسرت پر سیکڑوں امیرانہ زندگیاں نثار کر دینے کے قابل ہیں۔

انشاء اللہ ہم چند روز میں اس قسم کی اور بعض مثالیں پیش کر سکیں گے۔

مُستثنیٰ

الندوہ میں ہم نے اخلاقِ عرب کے عنوان سے ایک سلسلہ شروع کیا تھا، جس کا صرف ایک نمبر نکل کر رہ گیا، آئندہ وہ سلسلہ پھر شروع ہوگا، لیکن اس مضمون میں بھی اُس عنوان کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

مستثنیٰ اگرچہ چوتھی صدی کا شاعر ہے، جبکہ شعراءِ عرب کے نام اوصافِ مٹ چکے تھے اور جبکہ شاعری صرف بھٹی اور گداگری، دگنی نئی تاہم چونکہ مستثنیٰ کا بچپن، صحراے عرب اور ہمدون میں گزرا تھا، اس لیے عرب کے بہت سے شرفاءِ اخلاقی اُس میں نظر آنے ہیں۔

مستثنیٰ کا کلام درس میں داخل ہے، لیکن درس کا طریقہ ایسا ہے جس سے طلباء میں بجز اسکے کہ اشعار کے معمولی معنی یاد کر لین کسی قسم کی استعداد پیدا نہیں ہوتی، اس کا یہ نتیجہ ہے کہ اگر

یہ برپا جائے کہ متنبی کا خاص انداز کیا ہے؟ اسکے ہم عصر
شعرا سے اسکو کیا نسبت ہے؟ اسکی شاعری میں کیا عیوب
اور کیا خاص ہیں؟ تو طلبہ ایک محفل، اکثر ملا بھی اگلے
جواب سے قاصر رہیں گے۔ اسلئے ہم نے اختصار کے ساتھ
اسکے کلام پر تنقید بھی کی ہے، اور یہ حصہ طلباء اور ملا
کے خاص ملاحظہ کے قابل ہے۔

متنبی کا نام و نسب یہ ہے۔ احمد بن الحسین بن الحسن بن
عبد اللہ جعفی کنہی کوئی۔ کوفہ میں ایک محلہ تھا جسکو کنہہ کہتے
تھے، متنبی اسی محلہ میں سن ۲۲۵ھ میں پیدا ہوا، اسی محلہ میں
ایک کتب خانہ جس میں شرفاء کوفہ کی اولاد تعلیم پاتی تھی،
متنبی نے اسی کتب خانہ میں تعلیم پائی، اس زمانے تک کاتب میں
ادب، شعر اور لغت کی تعلیم ہوتی تھی۔ متنبی نے بھی یہی فنون
حاصل کیے۔

شباب کا ابھی آغاز بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کا باپ اسکو

۱۵ متنبی کے حالات اگرچہ اکثر تذکروں میں ملتے ہیں لیکن خزائن الادب (جلد اول
صفحہ ۲۸۲) میں نہایت مستند ذریعہ سے اس کے حالات لکھے ہیں۔ ایک مستقل کتاب
بھی اسکی سوانح عمری میں لکھی گئی ہے، جو شیخ دیوان متنبی کے حاشیہ پر مصر میں
چھاپی گئی ہے اور جس کا نام "الصبح البیضاء" ہے۔

لیکر عرب چلا گیا۔ اور ایک مدت تک مختلف قبیلوں میں دورہ کرتا رہا۔ خلائی بنو امیہ کے ان دستور تھا کہ بچپن ہی میں اولاد کو، قبائل عرب کے ان بھیجتے تھے تاکہ ان میں دیری آزادی اور زور تقریر کے وہ جوہر پیدا ہوں جو صحرا نورد عربوں کا خاصہ ہی متنبی کو خوش قسمتی سے یہ موقع ملتا آیا اور اسکی سوانح میں عزم اور بلند ہمتی کے جو آثار نظر آتے ہیں اسی عہدیت کے نتائج ہیں۔

متنبی فطرۃ شاعر تھا، بدویوں میں رہ کر یہ ملکہ اور رائج ہو گیا اسنے ہوش نبھانے کے ساتھ شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ اور چونکہ عام عرب کے انداز کے خلاف، اسکی طبیعت مضمون آفرینی اور نازک خیالی کی طرف مائل تھی، اسکو اپنا کلام، تمام شعرا سے ممتاز نظر آتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ اسنے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور اپنے شعرا کو معجزہ قرار دیا۔ سوانح متنبی میں لکھا ہے کہ اسنے قرآن کے جواب میں ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ چنانچہ اسکے چند فقرے یہ ہیں۔

”والنجم السیاد و الفلک الدوار و اللیل و النهار ان الکافر“
 ”لفی اخطار امض علی سُنَّتک واقف اثر من کان قبلك“
 ”من المرسلین فان الله قَامع بک ذیغ من الحد فی الدین“
 ”و ضل عن السبیل۔“

ابو العلاء مہتری اور عبد اللہ بن القفح کی نسبت بھی یہ مشہور ہے کہ

ہیں وہ ہر کہ معرکہ جنگ کی تصویر جس طرح وہ کھینچ سکتا ہو، اس کے معاصرین سے نہیں کھینچ سکتی۔

سیف الدولہ اگرچہ متنبی کی قدروانی میں کوئی کمی نہیں کرتا تھا چنانچہ ایک دفعہ جب اس نے دریافت کیا کہ متنبی کو دفتر انعام سے کس قدر رقم دی جا چکی ہو تو معلوم ہوا کہ چارہاں کی مت میں پینتیس ہزار اشرفیان اس کو مل چکی ہیں، تاہم وہ، متنبی کی بجد خود پرستی اور غور سے تنگ آ گیا تھا۔ اسیلے اسکے غور نڈرنے کے لیے وہ اکثر دربار کے اور شعرا کو متنبی کے مقابلہ کا حوصلہ دلاتا رہتا تھا۔ متنبی کو یہ سخت ناگوار ہوتا تھا۔ اسکے سوا ناراضی کے اور اسباب بھی جمع ہوتے جاتے تھے۔ متنبی کے آنے سے پہلے، سیف الدولہ کے دربار میں ابوالعباس نامی شاعر بڑا رسوخ رکھتا تھا لیکن متنبی کی معرکاریوں نے اس کا رنگ پھیکا کر دیا، ایک دن تنہائی میں ابوالعباس نے اس کی شکایت کی، سیف الدولہ چپ رہا جب ابوالعباس نے زیادہ اصرار کیا تو سیف الدولہ نے کہا تم متنبی کا مقابلہ نہیں کر سکتے، کیا تم متنبی کے اس شعر کا جواب کہہ سکتے ہو؟

یہود من کل فخر غیر مفتخر	وقد اعد علیہ غیر محفل
وہ نفع پر فخر حاصل کرتا ہو لیکن اس کو غرور نہیں پیدا ہوتا	مال ان کو جب لڑائی کے لیے جلا تھا تو کچھ عیار بھی نہیں کی غمی

ابوالعباس برہم ہو کر اٹھا، اور اس کو یقین ہو گیا کہ متنبی کے آگے اس کا جہد لغ نہیں چل سکتا۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ امیر ابو فراس جو سیف الدولہ کا بھائی اور بہت بڑا شاعر تھا، متنبی کی نخوت پرستی سے ناراض ہو کر سیف الدولہ کے پاس گیا اور کہا کہ آپ، اس مغرور کو تین ہزار دینار سالانہ دیتے ہیں حالانکہ اس تنخواہ میں بہت شاعر اس درجہ کے مل سکتے ہیں۔ تعرض دربار کا دربار متنبی کا مخالف ہو گیا، اور سب سے سیف الدولہ کے کان بھرنے شروع کیے۔ آخر سیف الدولہ نے ناراضی کا اظہار کیا۔ اس موقع پر اگر کوئی ایرانی شاعر ہوتا تو اس حد تک خوشامد اور غلامانہ تلقین کرتا کہ خواہ مخواہ مدوح کا دل نرم ہو جاتا لیکن ایک عرب کا شاعر ایسا نہیں کر سکتا تھا، متنبی نے ایک پُر زور قصیدہ لکھا، جس میں نہایت آزادی اور دلیری سے سیف الدولہ کی ناقدری، و ناانصافی اور اپنی بلند قدری اور خودداری ظاہر کی۔ اس قصیدہ کے جستہ جستہ اشعار سننے اور یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

ہم ان میں سے چند اشعار کا ترجمہ مہج کرتے ہیں۔

تجسہ ہی ہا وہ میں لاج ہی، اور قہی دشمن، اور قہی ثالث ہو۔
اگر اسکو تاریکی اور روشنی میں فرق نہ معلوم ہو
یعنی سیف الدولہ کو نیک و بد کی تیز نہیں
اور کاغذ و قلم سب پہنچتے ہیں۔
وہیں جاکر مگر جتا بھی،
یعنی جن پر مہربانی کرتا ہو، انہیں پرنا ملاض بھی ہوتا ہے۔

اوسب سے زیادہ مادل، (بجز میرے سالک کے)
آدی کو آکھ سے کیا حاصل
بھکو، گھوٹے، راتین، صحر، تلوار، نیزے۔
کاش یہ بادل (سیف الدولہ) جہان پرستا ہو
:

اس قصیدہ پر تمام دربار برہم ہوا، یہاں تک کہ ایک شخص نے سیف الدولہ کی زبان سے ابوالعشائر کے پاس کہلا بھیجا کہ متنبی نے یہ گستاخیاں کیں، ابوالعشائر نے دس آدمی انطاکیہ سے روانہ کیے کہ متنبی کو اس کی سزا دیں۔ سیف الدولہ کے آستانہ پر متنبی سے اور اُن سے مُٹ بھیر ہوئی، ایک نے متنبی کی باگ پر ہاتھ ڈالا، متنبی نے تلوار کا ہاتھ مارا جو کمان کو کاٹ کر ہاتھ تک پہنچا اور وہ شخص زخمی ہو کر گرا، اب سب نے مل کر تیر برسائے لیکن متنبی زہر کر نکل آیا۔

غرض ۳۲۵ھ میں متنبی حلب سے جو سیف الدولہ کا پائے تخت تھا، نکلا اور دمشق میں آیا۔ دولت عباسیہ کے ضعف سے ملک میں ہر طرف خود مختار حکومتیں قائم ہو گئی تھیں جو برائے نام و بار خانات سے اپنا تعلق ظاہر کرتی تھیں۔ انھیں میں مصر کی سلطنت تھی جس کا فرمان روا اس وقت کافور ایک خواجہ سرا تھا، اسلام نے غلاموں کو جو رتبہ دیا اس کے نتائج میں ایک یہ بھی تھا کہ مصر و شام کی وسیع حکومت ایک حبشی غلام کے قبضہ و اقتدار میں تھی اور اس کا خطبہ حرین میں پڑھا جاتا تھا۔ کافور پہلے نہایت ادنیٰ درجے کا غلام تھا۔ چونکہ نہایت کریم النظر اور عجیب البدینہ تھا راہ چلتے لوگ اس کو پھیرتے تھے رفتہ رفتہ والی مصر ابوبکر بن ملج کی خدمت میں پہنچا جس کو و بار خانات سے

آخشد کا لقب ملا تھا، ابوبکر کے مرنے پر کافور نے اس قدر اقتدار حاصل کر لیا کہ اس کا جانشین بن گیا اور جب تک زندہ رہا بڑی شان و شوکت سے حکومت کی، مہر و خلم، حجاز۔ نجد و یمن میں اسی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔

متنبی داعی اور بھٹی سے بالطبع متنفر تھا، وہ چاہتا تھا کہ کسی صوبہ یا ضلع کی حکومت مل جائے تو آزادانہ زندگی بسر کرے اسی توقع پر وہ کافور کے دربار میں حاضر ہوا۔ پہلا قصیدہ جو اس نے اس کے سامنے پڑھا اس کا مطلع یہ ہے۔

لغی بك دائما آن ترى الموت شافيا	وحسب النابا ان يكن امانيا
---------------------------------	---------------------------

کافور نے مختلف موقعوں پر اس کو گران بہا صلے دیے لیکن اس کی بلند نظری کو ان چیزوں سے تسلی نہیں ہو سکتی تھی، اس نے اکثر قصیدوں میں اس خیال کو ظاہر کیا، ایک قصیدہ کا خاتمہ یہ ہے۔

فادربل ما اردت مني فاني بر خدمت چاہے میرے سپرد کر	اسد القلب آدمي السواء کیونکہ میں آدمی کی صورت میں شیر ہوں
وفادی من الملوك وان كان میرا دل بادشاہوں کا دل ہے	ن لسانی من الشعراء مگر میری زبان خاندان کی ہے

ایک اور قصیدہ میں لکھتا ہے،

ابا المسك هل في الكاس فضل اناله اور کافور! پیالہ میں کچھ باقی ہی ہے جو میرے کام آئے	فاني اغنى منذ حين وتشرب بڑی دیر سے میں کارا بہوں اور توبہی رہا ہے
--	--

ونفسی علی مقدار کفک یطلب

لیکن بن تو میرے اقامہ کے اندازہ سے چاہتا ہوں
فجودك یكسونی وشغلك یسلب
نہیری عادت جھک کر ہے چٹائی اور دیار کی حاضری کو چھین لگی

وہبت علی مقدار کفی وماننا

قسطہ جو راہ زمانہ کے انھن کے اندازہ سے دیا
اذا لم تنطبی ضیعة او ولا یة
اگر نہ جھک کر کوئی جاگیر یا کین کی حکومت نہ دی

کافور۔ متنبی کی درخواست کو منظور کر لیتا لیکن متنبی کی بلند حوصلیوں کا
اسکو جو تجربہ ہوا اسنے یقین دلادیا کہ متنبی کی عرصہ بندی کی یہ
ابتدائی نثر لین ہن، ورنہ وہ سلطنت اور حکومت کے بغیر چین نہیں
رے سکتا، متنبی کو جب اپنی ہلاکتی کا یقین ہو گیا تو اسنے کافور کے
دربار میں جانا چھوڑ دیا اور ہر طرح کے تعلقات ترک کر دیے، ایک
ادیشائی دربار میں اس قسم کی گستاخی بہت بڑا جرم تھی۔ کافور نے
متنبی کو سزا دینی چاہی، جس کی ابتدا یہ تھی کہ متنبی پر پہرے بٹھائیے
گئے کہ جاگ کر نکل نہ جانے پائے۔ سوانح متنبی میں لکھا ہے کہ جب کافور
نے متنبی کو ضرر پہنچانے کا ارادہ کر لیا اور اس کی جان معرض خطر
میں آگئی تو بعض شخصوں نے ہمدردی کے لحاظ سے متنبی کو اس
حال سے مطلع کر دینا چاہا لیکن کافور کے خوف سے یہ جرأت
نہ کر سکے متنبی نے آخر تنگ آکر کافور کی ہجو کہی جسکے دو شعر یہ ہیں

فالخر مستعبد والعبد معبود

آزاد، غلام بن گئے ہیں اور غلام معبود بن گیا ہے

ینی بی فیہ کلب وهو محمود

صار الحصى امام الابقین بها

بیان ایک خواہر، فراری غلام بن کا امام ہو

ماکت احسنی ابقی الی نر من

میں یہ نہیں مجال کرنا تھا کہ میں ایسا زمانہ یکہون بگا
جس میں ایک کنجشکست نے اور ہر جگہ اسکی توحید مٹی پہا

سلاطین اور امرا سے ناراض ہو کر ہجو لکھنا ایشیائی شعرا کا عام
شعار تھا اور یہ ایشیائی شاعری کے جہر کا بڑا بدنا داغ ہو۔
فردوسی نے محمود کے تمام احسانات اور کارناموں کو یہ کہہ کر مٹا دیا

پرستار زادہ نسایہ بکار
وگرچہ دورد پر غم صربا

تاہم شبنی میں اس قدر خرافت کی ادا نظر آتی ہو کہ گو وہ اکثر
امرا اور ہم عصروں سے ناراض ہوا لیکن ہجو صرف اُن کی لکھی
ہو ہجو کے قابل ہی تھے۔ سیف اللہ ولد سے بھی وہ ناراض ہوا
اور یہ ناراضی بجا بھی تھی تاہم اسنے ہجو ایک دوستانہ شکایت گیر
تصدیق کے ایک حرف بھی اسکی شان میں نہیں کہا۔

شبنی نے ہجو لیا تھا کہ ہجو کے بعد مقررین رہنا آسان نہیں
چنانچہ اسنے پہلے سے طیاریان کر رکھی تھیں، جس راسخ سے سفر کرنا
تھا، آدمی بھیج کر جا بجا زمین کے نیچے نیزے اور ہتھیار دبوا دیے،
جان نثار غلاموں کو مسلح کیا دس دن کی خوراک کے موافق اونٹوں پر
پانی کے مشکیزے رکھوائے، یہ سب سامان کر کے مین عید کے دن
مسلمہ میں مقرر سے نکلا، کافور کو یہ خبر لگی تو فوراً ہر طرف
ہاکہ بندیاں کرادیں، تمام عرب قبائل کے پاس قاصد دوڑا دیے کہ
شبنی جہان لے گرفتار کر کے بھیج دو، یہ سب کچھ ہوا لیکن شبنی
دو منزلہ سہ منزلہ لے کر تانا پھرتا صاف نکل گیا راہ میں اس کے

مظالموں نے بیوفائی کی، اسنے ان کو بھی چھوڑا اور جریدہ و تنہا
تمام مٹرلین ملے کین، کوفہ میں ہنچکر ایک طول طویل قصیدہ لکھا
جس میں سفر کے تمام حالات اور راستہ کے مقامات نہایت تفصیل
سے بیان کیے۔ پنانچہ مقامات کے نام گنا کر غزیرہ لکھتا ہو۔

سح فوق مکارمنا والعللا
تو نیرون کو بلند ہستی اور غرانت کی سطح پر گاڑا
ونسحہا من دماء العللا
اور دشمنوں کے خون کے دہے شائع
ومن بالعواصم انی الفتی
معلوم ہو جائے کہ میں مرد ہوں

فلما الخنا سرکننا الرما
جب میں سواری سے اترتا
وبننا نقبل اسیافنا
اور تلواریں کو ہوسے دیے
لتعلم مصر ومن بالعراق
تاکہ مصر اور عراق اور عواصم کو

کوفہ سے متنبی نے بخداد کا رخ کیا، بخداد اس زمانے میں
دیلیوں کے زیر اثر تھا اور **مہلبی** جو سوزالدولہ کا وزیر تھا
سیاہ و سپید کا مالک تھا۔ متنبی اس کے دربار میں حاضر ہوا،
اتفاق سے اُس وقت ابوالفرج اصفہانی (مصنف کتاب الاغانی) بھی
موجود تھا۔ علی چرچے ہو رہے تھے کہ کسی نے یہ شعر پڑھا۔

سفی الله امواها عرف مکافنا | جواما و ملکوما و بذرا فابغمل

متنبی نے کہا جواما نہیں بلکہ جرابا صحیح ہو۔ ابوالفرج اصفہانی
نے اس سے انکار کیا۔ متنبی دوسرے دن دربار میں گیا،
تو مہلبی منتظر تھا کہ مدحیہ قصیدہ کہہ کر لایا ہوگا، لیکن متنبی

اس درجہ کے لوگوں کی ہامی کو عار سمجھا تھا۔ تیسرے دن بھی جب متنبی دربار میں خالی ہاتھ گیا تو پہلی گونہایت رنج ہوا۔ اسنے شعرا کو اشارہ کر دیا کہ متنبی کی خبر لین چنانچہ شعرا نے بھون کا طوار لگا دیا۔ لیکن متنبی خبر تک نہ ہوا اور جب لوگوں نے کہا کہ آپ کی طرف سے بھی جواب ہونا چاہیے تو اسنے کہا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں

واذا انتك مذمتی من ناقص	اغی الشهادت لی بانی کامل
جب کم درجہ کے لوگ میری برائیاں بیان کریں	تو یہی دلیل ہو کہ میں کامل ہوں

بغداد کی ناقد روانی دیکھ کر متنبی نے بہان سے بھی بچنے کا ارادہ کیا، بغداد چھوڑ کر اہل فن کا کمین ٹھکانا تھا تو فارس و خراسان جو عضدالدولہ کا پاس تخت تھا۔ عضدالدولہ اس زمانے کا سب سے بڑا بادشاہ تھا اور اسی درجہ سے شاہنشاہ کہلاتا تھا، اس کے دربار میں محمد بن الحمید بڑے پایہ کا شخص تھا۔ خود صاحب علم و فن اور علم و فن کا نہایت قدردان تھا، اس کو جب یہ خبر لگی کہ متنبی نے فارس کا رنج کیا ہے تو اس کو بڑا تردد یہ پیدا ہوا کہ اگر متنبی نے پہلی کی طرح مجھ کو قابل خطاب نہ سمجھا تو میری بڑی تحقیر ہوگی، پیش بندی کے طور پر جب متنبی کا ذکر آتا تو عادت سے نام لیتا تھا۔ اصبح اہلبی میں لکھا ہے کہ ایک دن ابن الحمید کے دربار میں

۱۰ خزائن الادب تذکرہ متنبی و

مین سے ایک شخص اُس کے دربار میں گیا تو دیکھا کہ وہ سجود کر کے
 ہوسے منوم بیٹھا ہو، درباری نے پوچھا کہ حضور کیون متکر ہیں۔
 ابن العمید نے کہا میری بہن کے انتقال میں کچھ اوپر ساٹھ خط تعزیت
 کے آئے ہیں ہر خط متنبی کے اس شعر سے شروع ہوتا ہے۔

طوی الجزیرۃ حتی جاءنی خبر | فزعت فیہ بامالی الی الکذب

اپنے شخص کی شہرت کو میں کیونکو مٹا دوں۔

متنبی نے اگرچہ مختلف موقعوں پر یہ خیال ظاہر کر دیا تھا کہ
 میں بادشاہوں سے نیچے نہیں اُترتا اور اسی بنا پر اُس نے تھیلی
 کی وجہ سے اٹکار کر دیا تھا لیکن ابن العمید کے متعلق اس کو اپنی
 سند سے باز آنا پڑا، ابن العمید دولت و شہرت، جاہ و جلال، انتظام
 و تدبیر کے لحاظ سے تو جو کچھ تھا، عاہی، علم و فضل، میں بھی وہ
 متنبی کا ہمسرہ بلکہ بعض حیثیتوں سے بڑھ کر تھا، علمای ادب کا،
 اتفاق ہے کہ انشا پر دازی اور نثاری میں تمام اسلامی دنیا میں اسکا
 جواب نہ تھا، یہ مشہور فقرہ ہے کہ انشا پر دازی عبدالحمید سے شروع
 ہوئی اور ابن العمید پر ختم ہو گئی، صاحب بن عباد جو فن ادب
 کا ایک رکن ہے ابن العمید ہی کا تربیت یافتہ ہے، اس کے علاوہ
 وہ فلسفہ اور حکمت میں کمال رکھتا تھا، اسلئے متنبی نے اگر اسکی
 مدحی گوارا کی تو کچھ بیجا نہ کیا، تاہم مدحی میں یہ آن قائم رکھی کہ
 مح امیرانہ انداز سے نہیں کی بلکہ اس کے علمی اوصاف بیان کیے

بخلات اس کے شغریٰ مجھ، کسی شاعر یا مصنف کی بھی صحت کرتے
ہیں تو معلوم ہوتا ہو کہ سکندر و دارا کی داستان شاربے ہیں۔

برمال مستثنیٰ نے ارجان کا رخ کیا جان ابن العمید
قیام پذیر تھا، شہر سے باہر ایک جگہ شہر کو اپنے غلام کو بھیجا کہ

ابن العمید کو جا کر خبر کرے۔ یہ دوپہر کا وقت تھا اور ابن العمید

خواب راحت کرنا چاہتا تھا کہ یہ مژدہ پونچھا۔ بسا ختم اٹھ بیٹھا اور نہایت

استغاب سے پوچھا کہ کیا واقعی مستثنیٰ یہاں آگیا، اسی وقت استقبال

کے لیے اپنے خاص حاجب کو بھیجا۔ حاجب سوار ہوا تو راہ میں

ہر لوگ ملتے گئے سب کو ساتھ لیتا گیا، مستثنیٰ بڑے سرداران سے شہر

میں داخل ہوا۔ دربار میں آیا تو ابن العمید نے سرودہ تعظیم دی

مستثنیٰ کے لیے پہلے سے ایک کرسی بچھا دی گئی تھی جس پر کھواب کا

کڈا پڑا ہوا تھا۔ ابن العمید نے کہا میں آپ کے لئے کا بہت مشق

تھا۔ معمولی بات چیت کے بعد مستثنیٰ نے آستین سے ایک کاغذ نکالا

اور یہ قصیدہ پڑھا۔

بادِ ہواک صبرت اولم تصبرا	لو بکاک ان لرجود معک او جری
---------------------------	-----------------------------

تشبیب کے بعد مدح کے بعض اشعار یہ ہیں۔

من مبلغ الاعراب عنی اننی	شاہدت رطالیں والاسکندہ
--------------------------	------------------------

بدیون سے یہ پیغام کون ماکر کرے	کہ میں نے ارسطو اور سکندہ دونوں کو دیکھا
--------------------------------	--

وسمعت بطلمیوس دادس کتبہ	متملکا متبدلیا متحضرا
-------------------------	-----------------------

بن لے بظلمت کو درس دیتے سنا | جو فرزند بھی ہو، بدی بھی ہو، شری بھی ہو

ابن الحمید نے مسنی کی شاگردی اختیار کی، یعنی مجموعہ لغت جو مسنی نے
خاص اپنی تحقیق اور تفصیل سے مرتب کیا تھا اس سے بڑھا۔
ابن الحمید نے غلت و تحالفت کے علاوہ پچاس ہزار اشرفیات
مسنی کی نذر کیں۔

مسنی ارجان ہی میں تھا کہ عضدالدولہ کو یہ خبر پہنچی، لہٰذا
ابن الحمید کو لکھا کہ مسنی کو بیان بسجدو، ابن الحمید نے یہ پیغام
مسنی سے کہا اسنے کہا۔ مجھی میری قدر کیا جان سکتے ہیں۔
ابن الحمید نے کہا عضدالدولہ مجھے ہرات میں بڑھ کر ہو۔ مسنی
نے کہا میں بادشاہوں کی ملاقات سے تنگ آگیا ہوں، میں انکو
بقای دوام کا تاج پہنا دیتا ہوں اور وہ مجھکو صلہ میں ایسی چیزیں
دیتے ہیں جو چار دن بھی نہیں ٹھہرتیں، اس کے علاوہ میں ایک گنگ
جم کر قیام نہیں کر سکتا، اور سلاطین، مجھکو قیام پر مجبور کرتے ہیں،
نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بڑی بے لطفی سے مجھکو قطع تعلق کرنا پڑتا ہے۔ ابن الحمید
نے تمام باتیں عضدالدولہ کو لکھ بھیجیں۔ وہاں سے جواب آیا کہ مسنی
کو ہرات کا پورا اختیار ہو، غرض مسنی ارجان سے روانہ ہوا
شیراز کو جب بارہ میل باقی رہ گئے تو عضدالدولہ نے ابو عمر صباغ
کو مسنی کی پیغوائی کے لیے بھیجا۔ دونوں ساتھ ساتھ آئے، صباغ کی
لے یہ پوری تفصیل خزانہ الادب میں ہے۔

فرمایش پر متنبی نے راہ میں قصیدہ مصریہ کے اشعار سنائے،
متنبی کے لیے پہلے ایک آراستہ مکان طیار رکھا گیا تھا، سفر
کی عمان بننے کے بعد وہ عضدالدولہ کے دربار میں گیا، اور
عضدالدولہ کے تختِ شاہی کے متصل دربار کے قاعدہ کے سوا
ایماندار کو بوسہ دیا پھر سرفرد کھڑا ہوا اور کہا کہ میں اُس سواری کا
ہوں جو مجھ کو یہاں تک لائی، عضدالدولہ نے گرجوخی سے سفر کے
حالات پوچھے۔ متنبی نے مناسب جواب دیا۔

چند روز کے بعد درجہ قصیدہ لیکر گیا اور چاہا کہ دربار کے
دستور کے موافق کھڑے ہو کر پڑھے لیکن عضدالدولہ نے بٹھالیا
متنبی قصیدہ پڑھ کر چلا آیا تو عضدالدولہ نے کافور۔ عنبر۔ مشک۔
عود۔ اسٹپ خاصہ جو پچاس ہزار بکریوں کے عوض میں خریدا گیا تھا
کھواب کے استر کی چادر، عمامہ جسکی قیمت پانچ ہزار دینار تھی۔
ہندوستانی مرصع تلوار جس کا پرتلا سونے کا تھا، ان سب کے علاوہ
اردیوں کے توڑے، صلے میں بھیجے۔ ایک موقع پر جب اس نے
گل افشان کے جشن میں یہ شعر پڑھے

انك صيرت نثراء ديماء
بحر حوى مثل ما به عتماء

قد صدق الورد في الذي زعماء
كانما ما يبحر الهواء بهاء

تو شاہانہ خلعت عطا کیا،
متنبی نے اگرچہ عضدالدولہ کی طرح میں بہت کچھ زور طبیعت

سرف کبا لیکن سیف الدولہ کے علی دروازہ میں جن حریفوں کا
اس کو مقابلہ رہتا تھا، اس پایہ کے لوگ، عضد الدولہ کے دربار
میں کہاں سے آسکتے تھے اسلئے کلام میں وہ زور نہ پیدا ہوگا
عضد الدولہ نے اس منزل کو محسوس کیا چنانچہ لوگوں سے کہا کہ مسنی
کا زور کلام اسی وقت تک رہا جب تک وہ عرب میں تھا، مسنی
نے سنا تو کہا کہ جیسے غائب ہوئے ہیں ویسا ہی شعری کہا جاتا ہے
تاہم عضد الدولہ نے قدر دانی میں کچھ کمی نہیں کی، سو مسنی
میں لکھا کہ مسنی کو دو لاکھ درہم صلہ میں عطا کیے۔ آخر مسنی
کا دل بیان سے بھی اُچاٹ ہوا، ایک وداعی قصیدہ لکھا اور
عضد الدولہ سے رخصت ہو کر کوفہ کو روانہ ہوا، اہواز پہنچ کر
مقام کیا، راہ میں بارش کی وجہ سے اسباب اور کپڑے ختم ہو گئے
تھے صندوق کھلو کر کپڑے و سوپ میں پھیلا دیے، ابو الحسن سوسی
کا بیان ہے کہ میں اس وقت موجود تھا، رنگین اور بیش بہا کپڑے سب
میں پھیلائے گئے تو یہ سلوم ہوتا تھا کہ ہر طرف چمن زار کھل گیا ہو۔
مسنی کی دولت مندی کی خبر عام ہوئی تو بدویوں کا سردار
فانک اسدی آیا اور مسنی سے کہا کہ آگے راستہ بہت پہنچتا
اگر ارشاد ہو تو میرے قبیلہ کے آدمی حضور کے ہمراہ جائیں
حضور اُن کو کچھ انعام و لادین۔ مسنی کو اپنی شجاعت و پہنچ
پر ناز تھا اس کے ساتھ وہ نہایت بخیل اور جرس بھی تھا

سوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھا، اور کہا کہ جب تک یہ
 میرے ہاتھ میں ہو، میں آسمان کے نیچے کسی کی
 پروا نہیں کرتا، ٹامک، اٹھک، چلا آیا، اور شاٹھ شتر
 آدمی لیکر ایک کین گاہ میں چھپ کر بیٹھا، ستہنی سانسے
 سے گزرا تو دفعۃً سدا آور ہوا، ستہنی دیر تک رہا
 رہا۔ لیکن ایک آدمی جامع کشیدہ کا کیا۔ مقابلہ
 کر سکتا تھا، شکست کھائی اور چاہا کہ جان بچا کر
 غل جائے۔ ستہنی کے غلام نے کہا کہ آپ کا
 وہ شعر کیا ہوا

الحیل واللیل واللبداء تعرفنی	والحرب والضروب والقرطاس والقلم
بھگو گھوڑے، راتیں، صبرا	جنگ و جمل، کاغذ اور قلم سب پہانتے ہیں

ستہنی نے کہا ہاں خوب یاد دلایا، یہ کھسک پلٹ
 اور لوکر مارا گیا۔

اس قسم کا موقع ایران کے مشہور شاعر
 انوری کو بھی پیش آیا تھا، یعنی راستہ میں چوڑا
 نے آلیا تھا، انوری کے ساتھ ایک درڑی اور ایک
 حکیم صاحب بھی تھے، سب جان بچا کر بھاگے۔
 انوری نے اس واقعہ کو خود لکھا ہو اور معذرت
 یہ کی ہو کہ (مصنوع)

حکیم و شاعر و درزی چگونہ جنگ کند !!
 بمن سورخن نے لکھا ہو کہ فاکہ اسدی کی
 دشمنی کی : وجہ تھی کہ مستبئی نے قبیلہ بنو ضہرہ
 کی ہو کسی تھی ، بہر حال جو کچھ ہو فاکہ کی ناقدرانی
 نے ایک ایسے شخص کو کھودیا جس کا جواب اُس وقت
 سے آج تک نہ پیدا ہو سکا ۔

مستبئی کے ساتھ اُس کا بیٹا اور عسکرام بھی
 مارا گیا ، اور اس کی بے شمار دولت بے رحم غارتگری
 کے ہاتھ آئی ،

ز مرقان حرم در کام زانان طمہ افشانہ
 مدار روزگار سمنہ پرور را عاشا کن

(باقی آئندہ)

اعجاز القرآن

مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ قرآن شریعت الفاظ و معانی دونوں حیثیتوں سے معجزہ ہے، ایسا معجزہ کہ دنیا میں بڑے بڑے ادیب ہوئے لیکن دوچار فقرہوں کے نشست الفاظ میں بھی وہ زور نہ پیدا کر سکے جو قرآن کے ایک ایک لفظ ایک ایک آیت میں موجود ہے۔ مسلمانوں میں جب علم تھا تو قرآن کے وجود اعجاز پر تفصیل سے بحث کی جاتی تھی، اور خاص اعماد القرآن کا ایک فن ریب دیا گیا تھا، جس میں اکثر اہل علم طبع آزمائی کرتے تھے۔ عرب میں اس فن کی جو کتابیں مشہور تھیں، ان میں ابوبکر بن کامل کی کتاب موجز التاویل عن معجزات النزل احمد بن علی مہرجانی کی جوابات القرآن، ابوصبید کی کتاب المجاز، جاسط کی نظم القرآن، محمد بن یزید واسطی کی اعجاز القرآن، ابن اخشید کی نظم القرآن، ابومسلم کی کتاب الانوار، حسن بن جعفر بریلی کی کتاب البیان ابوطی حسن بن علی بن نصر کی نظم القرآن، ابن جنید کی الاشغال فی القرآن

اور شریفِ روضی کی سحرِ القرآن کا خاص رجب تھا، لیکن اب ان کے نام ہی نام رہ گیا۔ اور دنیا میں بہت تھوڑے بالکل ایسے ہیں جو بتائیں کہ قرآن کی وہ کیا خصوصیتیں ہیں جن کی بنا پر اُس کو سحر کہہ سکتے ہیں۔

• قرآن میں اعجاز کی بہت سی سورتیں ہیں، اور خدا نے جہاں تو اندوہ کے مختلف نہروں میں۔ میں ان سب پر بحث کروں گا، لیکن یہ مضمون تشکک ہوگا اور انتہائی ستائش کا پہلو لیے ہوئے، ضرورت ہو کہ پیسے ناظرین کے مذاق کا اندازہ کر لیا جائے اور اس نہ میں صرف ایک دو معمولی باتیں لکھی جائیں۔

• باتیں زیادہ تر نصر بن محمد بن محمد بن عبدالکریم کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ یہ شخص سلطان صلاح الدین یوسف کے عہد میں تھا، اور ملک الفضل و ملک العادل کا سرمنشی تھا۔ فن اعجاز القرآن میں اُس کو خاص مسابقت تھی اور اس باب میں اُس کو اپنی نکتہ سنجی پر فخر تھا۔

وہ لکھتا ہے کہ بلاغت کی ابتدائی حد یہ ہے کہ جس نے الفاظ استعمال ہوں، اُن میں کوئی مبتذل اور نامانوس نہ ہو۔ لیکن اس قید کی تکلیف پابندی آج تک کسی سے نہ ہوئی۔ مثلاً "لقاتی" کا لفظ نہایت مبتذل ہے، لیکن متنبی لکھتا ہے "یصم الحماہا صیاح اللقاتی"۔

”مندف“ ایک بازاری اصطلاح ہے لیکن مشہور فقہاء کہتے ہیں
 ”علیٰ سروات البیت قطن مندف“۔ ”سراج“ عامی لفظ ہے لیکن
 بھری کہتے ہیں ”ام صفت بعدی بالزاج“۔ ”شطار“ اور ”شطارہ“
 سو فین کی بول چال ہے لیکن ابونواس کہتے ہیں ”بالجمل اتولد صفت الشطار“
 اینٹ کے معنی میں عربی میں کئی لفظ ہیں، اجور، اجور، قمرید،
 قمرید، اور طوب، لیکن ان سب میں ابتذال اور غرابت ہے،
 پھر بھی ثابت ذہبانی کہتے ہیں

اودمیه فی مهم مرفوعه	عنیت بأجتریشاد بقمرید
----------------------	-----------------------

قرآن کی بلاغت دیکھو، اسی اینٹ کے استعمال کی ضرورت پڑی تو
 ارشاد ہوا ”قَاوِدِي يَا هَامَانُ عَلَى الطِّينِ“ ناموس الفاظ چھوڑ دیے
 اور وقود علی الطین سے کیا بات پیدا کر لی۔ ایک اور مقام پر
 بیان یہ کرنا ہے کہ ہاتھ اور پاؤں اور جتنے اعضا ہیں سب اپنے اپنے
 کاموں کا اقرار کرینگے اور ہمارے ان کے اعضا متنازل بھی نہ کرنا
 گواہی دینگے۔ بیان واقعہ میں اعضا متنازل کا مذکرہ ضروری بھی
 ہے اور شرمناک بھی، لیکن دیکھنا کس لطافت سے یہ عقدہ حل
 ہوا ہے: ”وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ“ حتیٰ إِذَا مَا جَاؤُهَا
 شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ“ لفظ
 جلود میں سارا مطلب آگیا اور کس تہذیب سے۔

بعض الفاظ مانوس بھی ہوتے ہیں اور فصیح بھی لیکن

ترکیب میں نامانوس ہو جاتے ہیں۔ مثلاً شریف رضی کہتے ہیں :

اعز علی بان اراک وقد خلا
عن جانبک مقاعد العواد

اس میں مقاعد کا لفظ بھی فصیح ہے اور عواد بھی ، لیکن مقاعد العواد کی ترکیب نے شعر کو مبتذل کر دیا۔ اب دیکھو یہی لفظ قرآن میں دو جگہ آیا ہے۔ ایک وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ مَبْثُورِي الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ اور دوسرے وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ۔ جہاں ترکیبی بیان بھی ہے لیکن کس قدر فصیح و بلیغ ہے۔ شعر مذکور میں بھی اگر بجائے مقاعد العواد کے مقاعد الزیادۃ ہوتا تو اتنا ثقل نہ ہوتا۔

قرآن میں ترکیب الفاظ ایک خاص طرز پر واقع ہے۔ اور بڑی بلاغت ہے۔ ہر کہ ایک معنی کے دو لفظ ہیں اور دونوں دو مقام پر مستعمل ہوئے ہیں لیکن نشست بدل دی جائے تو عبارت یوں ہی رہ جاتی ہے۔ مثلاً مَا جَعَلَ اللَّهُ لِلْجُلِّ مِنْ قُلُوبَيْنِ فِي جَوْفِهِ اور وَبِإِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا۔ یہ دونوں دو آیتیں ہیں۔ ایک میں جوف کا لفظ ہے اور دوسری میں بطن کا اور سنی دونوں کے ایک ہیں۔ لیکن اگر پہلی آیت میں جوف کو بدل کر بطن اور دوسری میں جوف کا استعمال ہو تو عبارت بلاغت سے گرجائے گی۔ اسی طرح فواد اور قلب دونوں قریباً ایک ہیں اور قرآن میں دونوں دو مختلف مقامات میں مستعمل ہیں

ہیں۔ ایک ماکذب القول مادای اور دوسرے اِنِّ فِیْ ذٰلِکَ لَکَیْزٌ
لَمَنْ کَانَ لَهُ قَلْبٌ اَوْ اَلْفُ السَّعَمِ وَهُوَ یَسْمَعُ لیکن مقام تبدیل ہو جائے تو
بہر کوئی بات نہیں رہتی۔ جو لفظ جہاں آیا ہو وہیں کے لیے موزون
ہو۔ ذرا بھی تبدیل و تغیر ہوا اور کلام کی روانی میں فرق آیا۔
شہد جسے فارسی میں انگبین کہتے ہیں عربی میں اُسے
شہد بھی کہتے ہیں اور عسل بھی، اور یہ دونوں لفظ توضیح ہیں،
لیکن عسل میں شہد سے زیادہ شیرینی ہو۔ قرآن میں بھی عسل ہی
وارد ہو اور اعرج جاہلی نے بھی عسل ہی کھا ہو (الموت احلہ
عندنا من العسل) سنبی نے شہد کا لفظ استعمال کیا ہو (رجال
کانت الموت فیہا شہد) لیکن یہ شہد اعرج کے عسل سے زیادہ
اور باہر ہو۔ الفاظ وہی ہیں لیکن قرآن کا اعجاز یہ ہو کہ استعمال
سے شاندار ہو جاتے ہیں۔

حقیقت میں یہ امر انسان کی قدرت سے باہر ہو کہ جو بات
کے دلنشین ہو، جو لفظ بولے خوش آئند ہو، فطرت کا اقتضا ہی ہو
کہ کبھی کبھی گلیہ ٹوٹ جائے اور کسی کسی وقت طبعی کمزوری بھی سامنے
آئے۔ یہ شان خواہی کے کلام میں ہو کہ جو لفظ ہو، جو جملہ ہو، جو آیت ہو
سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمِنْ اَحْسَنِ مِنْ اللّٰهِ صِبْغَةً
وکیو ایک معمولی لفظ ”یوذبی“ قرآن میں آیا ہو: وَ اِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا
وَلَا مَسْتَأْنِفِیْنَ لِحَدِیْثِہٖ اِنَّہٗ ذٰلِکُمْ کَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فِیْسَخِرْ مِنْکُمْ وَاَللّٰہُ

الاستحی من الحقیۃ ہی لفظ متنی نے ہی استعمال کیا ہے۔

فلذلک المردأۃ وی قوڈی | ومن یشتق یلذلک العنرام

مضمون کس قدر بلند ہے۔ لیکن وہی لفظ جو آیت میں دل آویز و شاعرانہ اس کی ترکیب بگڑ گئی۔ جب یہ کہ اس لفظ کا موقع استعمال یہ کہ لہجہ مابعد کے ساتھ مندرج اور متعلق ہو جیسا کہ قرآن میں ہے **لَٰنْ ذَٰلِکَ کَانَ یَوْمَ ذِی النِّبَیِّ**۔ متنی نے اس کو منقطع استعمال کیا ہے اور کلام کو متاثر کر دیا ہے اس لیے لطافت نہیں رہ گئی۔ یوں ہی قرآن میں ہے: **لَٰنْ هَٰذَا اَخْبَرْتَهُ تَسْمَعُوْنَ نَجْمَہٗ وَ لَیْ تَجْعَلُوْا حِدَہٗ** اس میں لفظ "لَیْ" متعلق مابعد ہے اور نصیح ہے۔ یہی لفظ شعرین منقطع آیا ہے اور فصاحت سے گر گیا ہے۔

تسعی الامانی صریح دون مبالغہ | فما یقول لتی ان ذلک علی

اسی طرح لفظ "قمل" قرآن میں بھی آیا ہے اور **فَزِدْ دِقَہٗ** کے شعر میں بھی۔ قرآن میں **فَاَرْسَلْنَا عَلَیْہِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اِبْرَہٖمَ مُفَصَّلَاتٍ** اور شعر میں ہے:

من عزہ احتجرت کلب عندہ | دزیا کاتھم لدیہ القمل

آیت میں ایک کلام کے ضمن میں وارد ہوا ہے اور کلام وہاں منقطع نہیں ہے لہذا نصیح ہے اور شعرین قافیہ یعنی منقطع کلام میں آیا ہے لہذا غیر نصیح ہے۔ ایک بات اس آیت میں اور بھی قابل غور ہے کہ اس میں پانچ لفظ آئے ہیں، طوفان، جراد، قمل، ضفادع، اور دم۔ ان میں طوفان، جراد، اور دم کے الفاظ وکشی ہیں اور قمل و ضفادع مسمولی

قرآن میں ان پانچوں کو ایک آیت میں لانا ہوا تو یوں لائے کہ طوفان و جوار
و دواچھے لفظوں سے ابتدائی کہ پہلے پہل سننے میں بجھے معلوم ہوں اور دم
آخر میں لائے کہ غائبہ بھی بخیر و خوبی ہو۔ لفظ دہر میں ایک بات یہ بھی ہو کہ
اور الفاظ سے سبک ہو، اُس کے آخر میں لانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس سے
قُلْ دَضْعَادِجَ کے نقل کی تلافی ہو جائے۔ چند الفاظ کی نشست میں ان قدر
بلاغت کا لحاظ انسانی طاقت کا کام نہیں ہو۔

بعض الفاظ فی نفسہ ثقیل ہوتے ہیں اور شعرا اُن کے استعمال میں
بسا اوقات مجبور ہوتے ہیں، مگر قرآن میں استعمال کی ضرورت ہوتی ہے تو ضعیف
تقریباً وہی لفظ سبک اور مانوس ہو جاتا ہے۔ مثلاً لفظ ”ودع“ کہ فعل ماضی ثلاثی
ہو اور ثقیل نہیں، لیکن اگر کسی جہ میں بصیغہ ماضی مستعمل ہو تو نقل پیدا ہو جاتا ہے
ابوالعلاسیہ لکھتا ہے:

اَفَرَأَيْتُم مَّا خَلَقُوا قَبْلَهُمْ	شَيْطَانُ مِنَ الثَّرْوَةِ الَّتِي جَمَعُوا
وَكَانَ مَا قَدَمُوا لَا نَفْسَهُمْ	اَعْظَمُ نَفْعًا مِّنَ الَّذِي وَدَعُوا

قرآن میں اس لفظ کی ضرورت ہوئی تو ثقات اس طرح پر رنج کی گئی کہ بجائے
ماضی کے امرکاسینہ استعمال کیا گیا وَدَعْ اَذْهَبْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ۔ یوں ہی لفظ ”ودع“
ہو کہ اگر ماضی استعمال ہو تو نہایت گرانی ہوگی، لیکن قرآن میں بصیغہ امر مستعمل
استعمال ہوا ہے اور نصیح ہے (ذَرَهُمْ يَمْكُرُوا وَيَتَمَتَّعُوا) اور سَأُصْلِيَهُ سَعْتَهُ وَمَا أَزْمَأْزَمَ اسْتَقَرُّ
لَا يَنْتَفِعُونَ وَلَا يَنْتَفَعُونَ

بعض الفاظ میں تو نصیح لیکن صیغہ واحد سے صیغہ جمع میں بلاغت زائد

ہوتی ہے۔ قرآن میں ایسے الفاظ ہمیشہ بصیغہ جمع استعمال ہوتے ہیں۔ لفظ "بعض" بمعنی عقل کہ مدن میں غلامی ہو، بعضے میں سبک ہو، خرچ کے وقت سے بعضہ میں اور فقیل و مکروہ بھی نہیں۔ اس کی جمع "الباب" ہو اور اس میں زیادہ ملاوت ہو اور قرآن میں بھی جہاں آیا ہو یہی لفظ آیا ہو (وَلَا يَكْفُرُ الْكَاذِبُ) (إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرٍ لِّلَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الْآلَاءَ) لفظ "کوب" بھی انوس ہو لیکن اس کی جمع "آواب" زیادہ فصیح ہو اور قرآن میں بھی اسی کا استعمال ہوا ہو (وَالْآوَابُ مُصَوِّغَةٌ) کنارے کے سنی میں "صوا" کا لفظ اچھا ہو اور بحالت اضافت فصیح بھی ہو۔ قرآن میں بصیغہ جمع (ادرجاء) استعمال ہوا ہو اور جو کتنا کیسی لطافت آگئی ہو (وَلَا تَقْلُبُ عَلَىٰ أَسْبَاطِهِمْ وَأَنْ يَكُونَ لَكُم مِّنْ مَّوَدَّةٍ مَّعَهُمْ شَاءَ يَتَذَكَّرُ)۔

بعض الفاظ صیغہ واحد ہی میں فصیح ہیں، جمع میں فصاحت نہیں رہتی۔ قرآن میں جب استعمال ہوئے بصیغہ واحد استعمال ہوئے۔ مثلاً لفظ "بقعة" (قُلْ إِنَّمَا كُنَّا نَدْعُوا إِلَىٰ مَن شَاءَ طَرِيقِ الْوَالِدَيْنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرِ وَأَن يَأْتُوا تَحْتِ الشَّجَرِ)۔ بقعہ کی جمع بقاع ہو، بقاع کا استعمال چندان فصیح نہیں، اگر ضرورت ہو تو باضافت لانا چاہیے جیسے بقاع الارض۔ ارض کا لفظ قرآن میں بہت آیا ہو، اور مساوات (جمع اسم) کے ساتھ آیا ہو۔ مگر تمام مفرد، جمع کہیں نہیں۔ ارض کی جمع اراضی و ارضیں (دونوں غیر فصیح ہیں، ہر کیونکر ممکن تھا کہ قرآن میں ان کو جگہ نہ ملے۔) اعجاز بلاغت یہ ہے کہ جب جمع لانے کی ضرورت ہوتی تو ارشاد ہوا (اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَفِي الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ)۔

خادم قوم۔ عبداللہ عادی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

النون

ذوالنون مصری

مسلمانوں میں ذوالنون کی غیر معمولی شہرت ہے، اُن کا نام ادب سے لیا جاتا ہے، اور اُن کی کرامتیں نہایت دلچسپی سے بیان کی جاتی ہیں۔ لیکن باہر ہمارے شہرت یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ذوالنون کیمیا میں بھی صاحب فن تھے اور مرکبات کے تجزیہ و تحلیل اور مفردات کی ترکیب و تالیف میں اُن کو خاص دستگاہ تھی۔ اس لائف میں ہم اُنکے اُسی قدر سوانح سے گفتگو کریں گے جن کا تعلق کیمیا سے ہے اور بقیہ واقعات کو حدیث و قصوں کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔

کیمیا کا شوق ہر قوم کو تھا۔ اہل مصر و بابل سونا چاندی بنانے میں وقت صرف کرنے کے لیے ضرب المثل تھے۔ یونانیوں میں افاذیمون، الطوس، افلاطون اور دیمقراط۔ ایرانیوں میں کیمیا بس اور جاماسپ اور ہندوستانیوں میں خاٹھ ہندی کو اس میں بڑا اہم تھا، لیکن یہ سب صنعت گرتھے، کیمیا میں بحیثیت فن صرف مسلمانوں نے

توجہ کی، اور انہیں کی غیر معمولی توجہ سے اس صنعت کا مستقل فن قائم ہوا۔

اس فن کی ابتدا مسلمانوں میں بھی اسی سونے چاندی بنانے کے شوق سے ہوئی، اور گو ہم یمنین جانتے کہ اس مقصد میں انہیں کمان تک کامیابی ہوئی، لیکن یہ ضرور جانتے ہیں کہ انہوں نے اس انھاک کی بدولت ایسی ایسی اہم چیزیں دریافت کیں اور بنائیں جن سے علم معرفۃ الانشیا، طبقات الارض، انجینیئری اور اصول دوا سازی وغیرہ کو بہت بڑی مدد ملی۔ اہل یورپ اس کیمیا کو اسلامی کیمیا کہتے ہیں، اور انہیں صاف اعتراف ہے کہ جدید کیمسٹری جن اصول پر قائم کی گئی وہ مسلمانوں ہی کے ایجاد ہیں۔

علم کیمیا میں مسلمانوں کی کوشش جس مبالغہ کی حد تک پہنچی ہوئی تھی اُس کا سرسری اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ ابوبکر رازی کا قول ہے کہ ”جب تک کسی عالم کو کیمیا میں دخل نہ ہو نہ اُس کو علم و فلسفہ میں مہارت ہو سکتی ہے اور نہ اُسے فلاسفر کہنا صحیح ہے، نہ موسیو فلاسفیہ اس کی توثیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فی الواقع یہ قول صحیح ہے۔ کیونکہ کیمیا ہی ایک ایسا علم ہے جس سے فلسفہ کی حقیقت اور سائنس کی فلاسفی معلوم ہوتی ہے۔“.....

اہل عرب کی عادت تھی کہ اُس میدان میں خوشی سے قدم

کہتے تھے جس کی زمین سنگلاخ اور راستا دشوار گزار ہو۔ اسی وقت
ہندی نے کیمیا کی منزلیں طے کرنے پر ان کو مائل کیا اور ایسا مائل
کیا کہ اس ہفتخوان میں بھی کامیابی کا پھریدا اُن کے سر پر لہرتا رہا۔
ہجرت کی پہلی صدی میں یہ فن اسلام میں داخل ہوا اور کچھ کم
۵۰ برس تک ترقی کرتا رہا۔ اس مدت میں بہت سے اور مجتہد الفن
پیدا ہوئے، جن میں ۵ اشخاصوں کے نام ابن الذہبی نے بھی لکھے ہیں
اور انہیں ارباب اجتہاد میں ذوالنون مصری بھی شامل ہیں۔ گو کیمیا کا چرچا
ساتویں صدی بلکہ اُس کے بعد بھی رہا مگر ابوالحسن انصاری لکھتے ہیں کہ
اس زمانے کے صنعتگر کیمیا ساز نہ تھے کیمیا فروش تھے۔

ذوالنون کے واقعات ذوالنون کا نام ذوبان تھا۔ اور ابوالفیض
کینت تھی۔ ارض نوہ (نوبیا واقع افریقیہ) کے ایک گاؤں میں پیدا
ہوئے اور سودانیوں کے طرز ماند و بود کے مطابق ابتدائی زندگی بہت
معمولی حالت میں بسر کی۔ ان کے والد ابراہیم ایک مصری امیر کے
غلام تھے اور اُن کی حیثیت ایک ادنیٰ شخص سے زیادہ نہ تھی۔ آقا
نے کچھ دنوں بعد ابراہیم میں اقامت اختیار کی، جہاں ملازمت کی ضرورت
سے ابراہیم اور اُن کے بال بچوں کو بھی قیام کرنا پڑا۔ آقا دل کا
امیر تھا، اُس نے اہل و عیال کی خاطر سے ابراہیم کی تنخواہ
بڑھا دی تھی۔

تعلیم و تربیت ذوالنون کی سبشت پھر بھی معمولی تھی اور تربیت

بھی یہی تو ایک غلام زادہ کی حیثیت سے ہوئی، لیکن المرء ابن استعداده لا ابن ابلاتہ و احب لہادہ ذوالنون نے اپنی استعداد سے اسی بھٹی حالت میں ترقی کر لی اور آقا زادے جن کی تعلیم کا خاص اہتمام تھا یوں ہی رہ گئے۔ درس قرآن کے بعد ذوالنون نے تعلیم ترک کر دی اور کسی عیب کی ملازمت اختیار کر لی۔ شباب کا زمانہ تھا، لیکن زورون پر تعین، اور طبیعت میں جوش بھرا ہوا تھا، اس پر طرہ صحبت بد، نتیجہ یہ ہوا کہ دھوس میں پڑ گئے اور شراب کا ایسا چمکا پڑا کہ اکثر اوقات بزم عیش آراستہ رہتی اور تسلسل کے ساتھ جام کا دور رہتا۔ متوجہ ابن یونس کہتے ہیں کہ اسی حالت میں انہوں نے ایک روز کسی صاحب دل کو یہ آیت پڑھتے سنی کہ اللہ یان للذین امنوا ان تخشع قلوبہم لذكر الله اس کا اُن پر ایسا اثر ہوا کہ تمام سناہی سے توبہ کر لی اور پھر کبھی اس طن متوجہ نہوئے

توبہ کے بعد حج کے قصد سے عرب کا سفر کیا اور یمن کے راستے سے پہلے پہل مدینہ منورہ پہنچے۔ وہاں امام مالک کا دور تھا اور ۱۱۰ھ انسان اپنی استعداد کا رنگ بھر اپنے باپ دادا کا لوکا میں ہو ۱۱۰ھ صاحب علم الکبیرا کہتے ہیں کہ ایک وہ وقت آیا کہ ذوالنون کے آقا زادے اُن سے تعلیم حاصل کرنے آئے تھے اور انکو شیخ ہو کر لکھا کرتے تھے۔ میری رائے میں یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ ذوالنون کی مشیت کے زمانے میں آقا زادوں سے انکی ملاقات ثابت نہیں۔ ۱۱۰ھ ایمانداروں کے لیے کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُنکے دل میں ذکر الہی سے خشوع پیدا ہو ۱۱۰ھ ابن خلکان نے ایک اور روایت توبہ کی کبھی ہو لیکن ابن یونس کی روایت موصولہ ہی لفظ زیادہ قابل تسلیم ہو ۱۱۰ھ

اُن کے حلقہ درس میں مختلف مقامات کے طلبہ کا جمع تھا حدود چین سے لیکر سواحل دریائی لوآر (واقع فرانس) تک کے مسلمان حدیث پڑھنے کے لیے آستانہ امامت پر حاضر رہتے تھے۔ خلیفہ ہارون رشید نے خود اگر حدیث پڑھی تھی اور عام طالب علموں کے ساتھ بیٹھ کر موطا کا سبق لیا تھا ذوالنون کے دل میں بھی حدیث پڑھنے کی خواہش پیدا ہوئی اور بڑے شوق سے امام مالک بن انس کی شاگردی اختیار کی، اور اس فن میں کچھ ایسی مہارت بہم پہنچائی کہ خود امام صاحب اُن کے مباح تھے۔

دربار خلافت سے تعلقات دربار بغداد سے بھی ذوالنون کو تعلق تھا مگر نہایت سادگی سے۔ وزیر اعظم فتی بن خاقان اور خلیفہ زادہ عبدالعزیز معتز بڑی عزت کرتے تھے۔ اور جب کبھی مجلس میں آجاتے تو خلیفہ متوکل خود ان کی تعظیم کرتے، بٹماتے، دُعا سنتے، اور روتے ایک مرتبہ لوگوں نے اُن کی بدگوئی کی۔ خلیفہ نے اُنہیں مصر سے بلوا بھیجا۔ دربار میں آئے تو کچھ بزرگداشت نہیں ہوئی۔ لیکن جب اُنہوں نے سر محل ان بعض الظن اہم کی تفسیر ایک دلگیر پیرایہ میں بیان کرنا شروع کی تو خلیفہ بے اختیار ہو کر رونے لگا۔

فضل و کمال یہ عیب بات ہو کہ ذوالنون کے فضل و کمال کا ہر طبقہ معترف ہو۔ محدثین اُن کو شیخ الحدیث لکھتے ہیں اور موطا کے

روادۃ میں اُن کو شمار کرتے ہیں۔ شعرا اُن کو مخضر میں کا ہمپایہ سمجھتے ہیں۔
اہل تقوت طبقہ اول میں اُنہیں جگہ دیتے ہیں۔ اور فلاسفہ کیسا اُنکی
ثبت لکھتے ہیں کہ لہ آثار محسوسۃ فی الصنعة وعمل الراح
و الکسب الثام۔

مزاج اور صورت و شکل مزاج بہت سادہ تھا۔ نمکت نام کو
نہ تھی۔ کسی کام میں عذر نہ تھا اور بے کسوں کی حاجت روائی اپنا فرض
سمجھتے تھے۔ خجف الجنبہ تھے۔ دہلا پتلا بدن تھا۔ رنگ گورا اور سرخی
مائل تھا۔ ڈاڑھی سفید نہ تھی۔

آثار قدیمہ ذوالنون کو آثار قدیمہ دریافت کرنے اور اُسکے
روز مرہ حل کرنے کا بڑا شوق تھا۔ مصر کے قدیم خط ہیرو گلیف سے
بھی اُن کو واقفیت تھی اور ہیرو گلیفی کُٹے روزمرہ اکثر پڑھتے
اور اُسکے معانی حل کرتے تھے۔

تقوت صاحب جواہر العلوم لکھتے ہیں کہ تقوت میں
اسرائیل مغزلی سے تعلیم پائی تھی۔ لیکن ابن خلکان شقران زاہد کو اُن کا
شیخ طریقت بتاتے ہیں۔ اُس زمانے تک پیری و مریدی رسم نہیں
سمجھی جاتی تھی۔ ارادت مند خاص طور پر اخلاقی تعلیم حاصل کیا کرتے
تھے۔ اکثر صاحب استعداد مرد اور عورتیں ذوالنون کی گرویدہ تھیں۔

۱۔ مصر کے نامور فاضل نقیب الاشران سید توفیق آفندی نے ذوالنون کے بہت سے
اشارت نقل کیے ہیں ۲۔ جواہر العلوم صفحہ ۳۶۰ ۳۔ کتاب الفہرست مبطوعہ یورپ ۱۲
۴۔ خط و آثار مغربی۔ جلد اول۔ ذکر عجائب و برائی۔ صفحہ ۳۹ و ۴۰۔

یہ استحالہ ختم ہو جائیگا۔ خود افلاک کسی جسم میں مستحیل نہیں ہو سکتے۔

آجکل کے مذاق کے مطابق استحالہ کی کیفیت یوں سمجھنی۔

جاسیے کہ مثلاً پانی ایک ظرف میں رکھا ہو۔ حرارت کا درجہ اگر سخت اصفہر

آگیا تو وہی جاری پانی ایک جسم جاد (یعنی برت) میں مستحیل ہو جائیگا۔

اور اگر حرارت بڑھتے بڑھتے تنو درجہ سے تجاوز کرگئی تو بخارات پیدا

ہو گئے اور پانی کی گیس (غاز) بن جائیگی۔ اگر اس گیس کی تحلیل ہو تو

ایک ایسا جزو فہق مل سکتا ہے جو لیمپ مین پٹیروں (مٹی کے تیل)

کی طرح روشن ہو جائیگا۔ بڑے بڑے شہروں میں سڑکوں پر اسی

ہوا کے گیس کی روشنی ہوتی ہے جو دراصل ہیڈ روجن یعنی وہ جز

ہے جس سے پانی کی تولید ہوا کرتی ہے۔

بڑی بات یہ معلوم کی کہ ہوا میں کوئی چیز ایسی ہے جس سے

خشے نکلتے ہیں، سانس پیدا ہوتی ہے، اور وہ نہ صرف کرہ ہوا میں ہے

بلکہ تیزاب میں بھی اس کا وجود ممکن ہے۔ یہ اسے نہایت اہمیت پر

مبنی تھی، اور بعد میں اہل یورپ کو "فارایر" کے دریافت میں ذوالنون

کی اسی اسے سے مدد ملی۔

ذوالنون کی اسے میں سونا مرکب ہے اور اس کے اجزائے ترکیبی

میں زیادہ تر دو جز کو دخل ہے۔ ایک تو لطیف پارہ دوسرے صاف رنگ کی

لے علم الکیماء الحدیث للشیخ عبدالقادر السامانی۔ صفحہ ۱۳ ۵ ذوالنون نے سونے کو حمان

کھا ہے آفتاب کھا ہے اور جابر بھی یہی کہتے ہیں۔ محکم کے الذندہ صفحہ ۱۱ کے حاشیہ میں چاندی کا لقب

آفتاب بتایا گیا ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ یہ حاشیہ صاحب مطبع کا ہے ۱۲۵۵ م لکھا۔ صفحہ ۱۰۔

گندمک۔ لیکن یہ اسے ذوالنون کی نہیں جابر بن حیان کی ہے۔ ذوالنون نے اس طریقہ میں محض جابر کی پیروی کی ہے۔ بہر حال کسی کی اسے بھی ہو صحیح اسے ہے۔ پہلے اہل یورپ اسکے قائل نہ تھے لیکن اب فرانس کی کیمیکل سوسائٹی نے مان لیا ہے کہ سونا مرکب جو بسیط نہیں ہے۔

انکشافات کیا کے متعلق ذوالنون نے بہت سی باتیں دریافت کیں جن میں بعض باتیں موجودہ کیمسٹری کی جان ہیں۔ بروڈٹ اور حرارت کی مقدار کا مساہ پہلے غیر مشغف تھا۔ ذوالنون نے دریافت کیا کہ حرارت کی کمی یا زیادتی سے جب کوئی ذریعہ ملے لگیا فوراً اُن جسموں کی تعداد بڑھ جائیگی جن میں فعلًا استحالہ ممکن ہے۔ اور یہ اس طریق پر ہو سکتا ہے کہ فلزات صلبہ سیال بنالی جائیں۔ اُن دنوں یہ ایک معرکہ الآرا بات تھی لیکن اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ لوہا یا پلاٹینم (امریکن سلوم) جیسی سخت دھاتیں بھی ڈیڑھ ہزار یا دو ہزار درجہ تک کی حرارت سے پگھل سکتی ہیں اور آذوت و آکسیجن کا پگھلانا بھی درجات حرارت تحت الصفر کم کرنے سے ممکن ہے۔ ذوالنون کی اسے میں ہوا کو پانی کی صورت میں لاسکتے ہیں اور سخت و صلب بھی بنا سکتے ہیں۔ مگر اسکا کوئی قاعدہ انھوں نے نہیں کھا، یا لکھا ہو تو ہمیں معلوم نہیں۔ آجکل اسکا قاعدہ یہ ہے کہ ہوا کو سیال بنانا چاہو تو آذوت کیلئے ۱۱۸ درجہ تحت الصفر سے کم، آکسیجن کے لیے ۱۷۶ درجہ سے کم اور ہیڈروجن کے لئے ۲۵۳ درجہ سے حرارت کم کر دینی چاہئے، اور ٹھوس ہوا بنانے کے لئے

۱۵۵۵
۱۵۵۶
۱۵۵۷
۱۵۵۸
۱۵۵۹
۱۵۶۰
۱۵۶۱
۱۵۶۲
۱۵۶۳
۱۵۶۴
۱۵۶۵
۱۵۶۶
۱۵۶۷
۱۵۶۸
۱۵۶۹
۱۵۷۰
۱۵۷۱
۱۵۷۲
۱۵۷۳
۱۵۷۴
۱۵۷۵
۱۵۷۶
۱۵۷۷
۱۵۷۸
۱۵۷۹
۱۵۸۰
۱۵۸۱
۱۵۸۲
۱۵۸۳
۱۵۸۴
۱۵۸۵
۱۵۸۶
۱۵۸۷
۱۵۸۸
۱۵۸۹
۱۵۹۰
۱۵۹۱
۱۵۹۲
۱۵۹۳
۱۵۹۴
۱۵۹۵
۱۵۹۶
۱۵۹۷
۱۵۹۸
۱۵۹۹
۱۶۰۰
۱۶۰۱
۱۶۰۲
۱۶۰۳
۱۶۰۴
۱۶۰۵
۱۶۰۶
۱۶۰۷
۱۶۰۸
۱۶۰۹
۱۶۱۰
۱۶۱۱
۱۶۱۲
۱۶۱۳
۱۶۱۴
۱۶۱۵
۱۶۱۶
۱۶۱۷
۱۶۱۸
۱۶۱۹
۱۶۲۰
۱۶۲۱
۱۶۲۲
۱۶۲۳
۱۶۲۴
۱۶۲۵
۱۶۲۶
۱۶۲۷
۱۶۲۸
۱۶۲۹
۱۶۳۰
۱۶۳۱
۱۶۳۲
۱۶۳۳
۱۶۳۴
۱۶۳۵
۱۶۳۶
۱۶۳۷
۱۶۳۸
۱۶۳۹
۱۶۴۰
۱۶۴۱
۱۶۴۲
۱۶۴۳
۱۶۴۴
۱۶۴۵
۱۶۴۶
۱۶۴۷
۱۶۴۸
۱۶۴۹
۱۶۵۰
۱۶۵۱
۱۶۵۲
۱۶۵۳
۱۶۵۴
۱۶۵۵
۱۶۵۶
۱۶۵۷
۱۶۵۸
۱۶۵۹
۱۶۶۰
۱۶۶۱
۱۶۶۲
۱۶۶۳
۱۶۶۴
۱۶۶۵
۱۶۶۶
۱۶۶۷
۱۶۶۸
۱۶۶۹
۱۶۷۰
۱۶۷۱
۱۶۷۲
۱۶۷۳
۱۶۷۴
۱۶۷۵
۱۶۷۶
۱۶۷۷
۱۶۷۸
۱۶۷۹
۱۶۸۰
۱۶۸۱
۱۶۸۲
۱۶۸۳
۱۶۸۴
۱۶۸۵
۱۶۸۶
۱۶۸۷
۱۶۸۸
۱۶۸۹
۱۶۹۰
۱۶۹۱
۱۶۹۲
۱۶۹۳
۱۶۹۴
۱۶۹۵
۱۶۹۶
۱۶۹۷
۱۶۹۸
۱۶۹۹
۱۷۰۰
۱۷۰۱
۱۷۰۲
۱۷۰۳
۱۷۰۴
۱۷۰۵
۱۷۰۶
۱۷۰۷
۱۷۰۸
۱۷۰۹
۱۷۱۰
۱۷۱۱
۱۷۱۲
۱۷۱۳
۱۷۱۴
۱۷۱۵
۱۷۱۶
۱۷۱۷
۱۷۱۸
۱۷۱۹
۱۷۲۰
۱۷۲۱
۱۷۲۲
۱۷۲۳
۱۷۲۴
۱۷۲۵
۱۷۲۶
۱۷۲۷
۱۷۲۸
۱۷۲۹
۱۷۳۰
۱۷۳۱
۱۷۳۲
۱۷۳۳
۱۷۳۴
۱۷۳۵
۱۷۳۶
۱۷۳۷
۱۷۳۸
۱۷۳۹
۱۷۴۰
۱۷۴۱
۱۷۴۲
۱۷۴۳
۱۷۴۴
۱۷۴۵
۱۷۴۶
۱۷۴۷
۱۷۴۸
۱۷۴۹
۱۷۵۰
۱۷۵۱
۱۷۵۲
۱۷۵۳
۱۷۵۴
۱۷۵۵
۱۷۵۶
۱۷۵۷
۱۷۵۸
۱۷۵۹
۱۷۶۰
۱۷۶۱
۱۷۶۲
۱۷۶۳
۱۷۶۴
۱۷۶۵
۱۷۶۶
۱۷۶۷
۱۷۶۸
۱۷۶۹
۱۷۷۰
۱۷۷۱
۱۷۷۲
۱۷۷۳
۱۷۷۴
۱۷۷۵
۱۷۷۶
۱۷۷۷
۱۷۷۸
۱۷۷۹
۱۷۸۰
۱۷۸۱
۱۷۸۲
۱۷۸۳
۱۷۸۴
۱۷۸۵
۱۷۸۶
۱۷۸۷
۱۷۸۸
۱۷۸۹
۱۷۹۰
۱۷۹۱
۱۷۹۲
۱۷۹۳
۱۷۹۴
۱۷۹۵
۱۷۹۶
۱۷۹۷
۱۷۹۸
۱۷۹۹
۱۸۰۰

نشیگراو سے بروقت کا درجہ فوق الصفر ہونا چاہیے۔

ذوالنون کو معلوم تھا کہ ہوا میں ایک ایسی کیفیت موجود ہے جس سے نباتات کو نشوونما میں اور حیوانات کو زندگی میں مدد ملتی ہے ہوا میں جب تک یہ کیفیت بقدر معتد بہ رہتی ہے اُس کا وزن گراں ہونا چاہئے اور جب کم ہو جاتی ہے تو ہوا کو ہلکا ہو جانا چاہئے۔ ذوالنون نے نوین صدی عیسوی کے شروع میں اس مسئلہ کو دریافت کیا تھا اور اسی انکشاف کی بنا پر سترہویں صدی میں جان بوساچ نے دریافت کیا کہ ہوا کی یہ دونوں کیفیتیں آکسیجن اور نائٹروجن ہیں۔ بخاری اور کسین ہی اور ہلکا نائٹروجن۔

تصنیف وتالیف فن کیا میں ذوالنون نے بہت سی کتابیں لکھی تھیں، جن میں اب اکثر کا نام و نشان مفقود ہے۔ ۱۱۳۵ھ تک بغداد میں بعض کتابیں موجود تھیں، جن میں دو کتابوں، رکن اکبر اور کتاب الشجرہ کا تذکرہ علامہ ابن الندیم نے بھی کیا ہے

وفات ذوالنون نے ذی قعدہ ۱۱۳۵ھ میں وفات پائی

بغداد میں جب یہ خبر پہنچی تو اہل علم نہایت متاسف ہوئے اور ہر طبقہ میں اُن کے انتقال کا ماتم رہا۔ بعضوں نے سال وفات ۱۱۳۶ھ اور ۱۱۳۷ھ لکھا ہے مگر صحیح ۱۱۳۵ھ ہے۔ واللہ اعلم

خادم قوم

۱۔ علم الکیمیا والحدیث۔ صفحہ ۱۲۔

عبد اللہ عمادی

جبر و مقابلہ کی تاریخ

مصر کے ایک صاحب قلم (فارس الخوری آفندی) نے بڑے طعنان سے دعویٰ کیا ہے کہ مسلمانوں کی طرف جبر و مقابلہ کی نسبت صحیح نہیں، مسلمانوں نے یونانیوں کی کچھ کتابیں ترجمہ کیں، خود نہ اس فن میں وہ صاحب تصنیف ہوئے اور نہ مجتہدانہ حیثیت پیدا کی۔ صاحب موصوف نے دو سال ہوتے ہیں المقتطف (نمبر ۱۰۱) بات ماہنامہ (مستقیم) میں بھی اسی قسم کی گل افشانی کی تھی اور اب التقدم میں اس عنوان پر زور دے کر لکھا ہے۔

اس دعویٰ پر نہ ہم جرح و قبح کرنا چاہتے ہیں اور نہ تردید یا تمیید ہمارا مقصود ہے، ہم صرف واقعات دکھانا چاہتے ہیں، ناظرین نتیجہ نکال لیں۔

واضح جبر و مقابلہ موجود علوم و فنون کی بابت یہ بتانا کہ فلاں علم کا واضح اول کون ہے، دشوار ہے، علوم حسب ضرورت نکلے اور بس قدر ضرورتیں بڑھتی گئیں۔ ان میں بھی ترقی ہوتی گئی۔ گنتی حساب کا

ایک جز ہو، اشکال جاتیثری (علم ہندسہ) میں داخل ہیں، شیاروں کی جال
 علم ہیئت سے متعلق ہو، نیمز-شناوری-حرارت-لمایت اور احتراق
 وغیرہ کو سائنس میں دخل ہو، پتھر اور مٹی سے واقفیت جیالوجی
 کی شاخ ہو، اطین و بلاد جزائیہ میں شامل ہیں، نشوونما اور تولید میں علم نبات
 و علم حیوانات کا شاخہ ہو، بات میں بات پیدا کرنا اور نتیجہ نکالنا منطق کا نام ہو،
 ان علوم میں خاصکر ریاضیات یعنی حساب، جبر و مقابلہ، ہندسہ
 اور ہیئت کے متعلق یہ دریافت کر لینا کہ جمع و تقسیم کے قاعدے
 کس نے نکالے اور اعداد کے مراتب ابتداء کس نے معین کیے،
 نہایت دشوار ہو۔ ضرور ہو کہ ان باتوں کی ضرورت انسان کو ابتدا ہی میں
 پڑی ہو۔ شکاری شکار کو گنتے ہیں، چرواہے بھیڑ اور بکریوں کو جمع
 یا تقسیم کر رہے ہیں، کسان کمیت ناپ رہا ہو، رات کو کہیں آئے
 جانے والے ستاروں کی سمت درست کر رہے ہیں۔ یہ سب نظمیت
 کی ابتدائی باتیں ہیں، یہیں سے علوم کی بنیاد پڑتی ہو اور ترقی ہو
 پر یہی انتہائی باتیں قرار پاتی ہیں۔

ضرورت اُم الاضرع ہو۔ اہل فنیقیہ تاجر تھے۔ لین دین کی
 ضرورت سے انکو حساب کی حاجت محسوس ہوئی ہوگی۔ اہل مصر زراعت
 پیشہ تھے۔ کمیتوں کی تقسیم اور زمین کو سیر حاصل بنانے کی غرض
 سے ہندسہ اور مساحت کی طرف متوجہ ہوئے ہونگے۔ کلدانی اوقات
 مقررہ پر اپنے معبودوں کی عبادت کیا کرتے تھے اور غالباً اسی ضرورت

اہرام فلکی کے طلوع و غروب وغیرہ کے قاعدے مرتب کیے ہو گئے۔

قاعدے خدہ شدہ بنتے ہیں۔ بکثرت بنائے نہیں جاتے۔
 جتنے علوم و فنون ہیں، ایک خفیف مادہ سے سب نے جسمیت تک
 ترقی کی ہے اور بساطت کے پید ترکیب پیدا ہوئی ہے۔ ایک شخص نے
 چار پہل توڑے۔ دو خود لیے اور دو ایک دوست کو دیے، غور کرو
 تو علم حساب کا وہی موجد ہے۔ علم در حقیقت چیزوں میں نمیک شناخت
 اور صحیح معرفت قائم رکھنے کا نام ہے۔ تو کیا کوئی کہ سکتا ہے کہ اس
 سادگی کی تقسیم میں یہ بات نہیں رہی۔

یہی حال جبرو مقابلہ کا ہے۔ کہتے ہیں قبل اسلام اقلیدس،
 ابرہس اور دیوفنٹس وغیرہ حکامی یونان اس کو وضع کر چکے تھے، لیکن
 وضع کرنا اور بات ہے اور فن کی حیثیت پیدا کرنا اور بات ہے۔ حساب،
 ہندسہ اور فلکیات نے دوش بدوش ترقی کی لیکن جبرو مقابلہ میں
 فن کی حیثیت اُس وقت پیدا ہوئی جب ان چیزوں میں علمی شان
 آگئی ہے۔ یہ تبدیلیاں (جہانک ہمارے مضمون سے متعلق ہیں) تین
 دور میں تمام ہوتی ہیں۔ مسلمانوں سے پہلے جبرو مقابلہ کا کمان تک
 رواج تھا۔ مسلمانوں نے اس میں کس قدر ترقی کی مسلمانوں کی تحقیقات
 سے غیر قوموں نے کس حد تک فائدہ اُٹھایا۔

پہلا دور اقلیدس نے حساب میں ایک کتاب لکھی تھی۔
 اُسکے معاصرین اُسکو حساب کقاب بناتے ہیں مگر سمجھ سکتے نہ تھے،

یہ نہ بتا سکے کہ اُس میں کیا بائیں تھیں یونانیوں کی تھوڑے سے پتا چلتا ہو کہ اقلیدس نے حساب عالی میں ایک کتاب لکھی تھی جو اب ناپید ہو۔ اقلیدس نے جبرو مقابلہ کی بائیں اپنی کتابوں میں استعمال کی ہیں، قرین قیاس ہو کہ وہ کتاب جبرو مقابلہ ہی میں رہی ہوگی۔

یونانیوں میں حکیم ابرخس متوفی ۳۷۰ء قبل مسیح اور دیوفلس متوفی ۲۸۵ء کی دو کتابیں جبرو مقابلہ میں ملیں اور دونوں عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ ابرخس کی کتاب کا نام کتاب المحدود ہو اور محمد بن محمد نیشاپوری نے اس کی اور کتاب دیوفلس کی دو شرحیں لکھی تھیں۔ مسلمانوں میں کتاب المحدود کی بڑی شہرت ہوئی، اس میں دلیلین یا تو تھیں نہیں اور یا تھیں تو کمزور تھیں۔ ابوالوفا نے اس میں ہنسی دلیلین بھی بڑھا دیں اور اصل کتاب کی غلطیاں بھی درست کر دیں۔ یورپ میں کئی صدی تک ان کتابوں کا کوئی نام بھی نہ جانا تھا۔ کتاب المحدود تو مفقود ہی ہو گئی لیکن دیوفلس عربی سے یونانی میں ترجمہ کی گئی اور پھر یونانی ترجمہ کو اصل قرار دے کر اُسی سے لاطینی و فرنچ وغیرہ میں ترجمہ ہوا۔ یہ کتاب دراصل تیرہ مقالہ میں تھی اور عربی میں تیرہوں مقالہ کا ترجمہ ہوا، لیکن اب صرف چھ ابتدائی مقالے موجود ہیں اور آٹھ کے سات مفقود۔ ان میں نقطہ درجہ اول کے مہول معادلات بسیطہ و ستارہ کی بحث ہے، کچھ سائل مشق کے لیے دیے ہیں اور ہر مقالے کے آخر میں محکا حل بھی ہے۔ جمولات کی دلیل ایک ہی دی ہے۔ دوسرے درجہ کے

مبادلات مفردہ بھی بیان کیے ہیں یعنی وہ جن میں مہمول فقط مرقع
ہیں۔ ٹیڑھی سیدھی علامتیں بھی رکھی ہیں اور تقسیم کی علامت کیلئے
ذرا ذرا سے ڈیش استعمال کیے ہیں۔

۹۸ھ میں ہندوستان کے ایک مشہور پنڈت برہم گپتا نے
اجرو مقابلہ میں ایک کتاب لکھی اور وہی مسائل جو دیوفلٹوس نے بیان
کیے تھے وضاحت سے لکھ دیے۔ عربی میں اس کتاب کا بھی ترجمہ ہوا
اور اس کے حسن و قبح پر بڑی آزادی سے بحث ہوئی۔ یونانی و لاطینی
میں اعداد و ارقام کی علامتیں دست نہ تھیں اور نہ تھیک طرح پر
ان کا کوئی قاعدہ منضبط تھا۔ ذرا سا حساب کرتے تو اعداد کے لکھنے
میں کئی ورق کاغذ سیاہ ہو جاتا۔ برہم گپتا نے رقم کی وہ علامتیں جو
ہندوستان میں مرقع تھیں استعمال کیں۔ مسلمانوں نے بھی عربی
کتابوں میں یہی صورت اختیار کی اور تقلیداً یورپ نے بھی یہی روش
پسند کی اور کثرت مزاول کی وجہ سے ساری دنیا میں رقم عربی کے
نام سے بطریقہ مشہور ہوا۔ اہل یورپ اس کو اب تک عربوں کی ایجاد
سمجھتے ہیں لیکن عربی کتابوں میں صراحتاً ان علامتوں کا نام
ارقام ہندیہ بتایا گیا ہے۔

دوسرا دور دیوفلٹوس اور برہم گپتا نے چند قاعدے لکھے
تھے، مسلمانوں نے انہیں اصول کے رو سے علم در الجبر نامے
صاحب کا ایک نہایت دقیق علم وضع کیا جو اب تک دنیا کی مہذب

زبانوں میں اسی نام (الجبر یا الجبرا) سے مشہور ہے۔ جمولات کی تجزیہ، ترجیح، اُن مقادیر کی جمع و تفریق و ضرب جن میں صرف ایک مہمول ہو، درجات، قیمت نکالنے کی علامتیں، تیسرے درجہ کے مساوات مفردہ، وغیرہ۔ وغیرہ۔ بہت سے قاعدے و مخرع کیے، اصطلاحیں قرار دیں۔ اصطلاح کے قوس میں نئی نئی باتیں پیدا کیں، مثلث قائم الزاویہ (دوڑا و مساحۃ) کی دو ساتیں نکالیں یعنی $\left\{ \begin{array}{l} \text{کے} = \text{جی} = \text{جی} \\ \text{کے} = \text{جی} = \text{جی} \end{array} \right\}$ اور ی کی قیمت استخراج کی مختصر یہ کہ چند

بہم قاعدوں سے ایک عظیم الخان علم کی بنیاد ڈالی اور چند روز کی عالمانہ جانفشانی میں ایک ذرہ کو آفتاب بنا کر چھوٹا علامہ ابن النذیم بغدادی نے صفحہ ۲۹ سے ۲۸۴ تک ان بالکمال محاسبوں کی فرست بھی دی ہے، خاص اس عنوان میں بہت سی کتابیں تصنیف ہوئیں، مثلاً

جبر و مقابلۃ یعقوب بن اسحاق کندی، سہل بن بفرانی، ابو الطیب سند بن علی، خوارزمی، سان الحوائی، مصبسی، علی بن احمد موصلی، ابوالوفا، ابوالکامل صلیانی، محمد بن موسیٰ - محمد بن موسیٰ نے کئی کتابیں لکھی تھیں، جن میں ایک کا ترجمہ یورپ کی اکثر زبانوں میں ہوا، اور لاطینی و فرانسیسی وغیرہ میں کئی شرحیں اُس پر لکھی گئیں۔ تیرہویں صدی عیسوی تک یورپ کی درسگاہوں میں یہ کتاب داخل تھی۔

خود مسلمانوں میں ابوالکامل، محمد بن موسیٰ، اور خوارزمی کی کتابیں زیادہ مقبول ہوئیں، اور بہت سے شروح و حواشی ان پر تحریر ہوئے۔

مثلاً شرح جبر و مقابلہ ابوالکامل از عمرانی، شرح جبر و مقابلہ ابن موسی از صدیقانی، شرح جبر و مقابلہ خوارزمی از محمد بن محمد بن یحیی النیسابوری۔

اسلام میں ۷۰۰ برس تک جبر و مقابلہ کو ترقی رہی اور قابل تذکرہ یہ امر ہے کہ علم ہندسہ اور جابجی میں جبر و مقابلہ سے مدد لی گئی اور اس طرح پر دو علمندہ فنون ایک کر دیے گئے۔ اس ایجاد کا فخر ثابت بن قرہ کو حاصل ہے۔

تیسرا دور مسلمانوں میں جن دنوں جبر و مقابلہ کو ترقی تھی، یورپ کی طباعی اُس وقت سخت گیزی اور جبر کے مقابلے میں منہمک تھی۔ فلما کے لیے طرح طرح کی سختیاں تھیں اور علمی کتابیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تلف کی جاتی تھیں۔ اُن دنوں ہسپانیہ کی اسلامی درسگاہوں میں ان علوم کی تعلیم دی جاتی تھی، جو عیسائی دہان سے پڑھ کر آتا مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتا مسلمان کافر اور بے دین سمجھے جاتے تھے، اندیشہ تھا کہ اُنکے علوم سے لوگ گمراہ ہو جائیں اور عیسائیت کو صدمہ نہ پہنچے۔ خاص اسی غرض کے لیے یورپ میں ایک محکمہ قائم تھا، جس میں اس قدر سختی کی جاتی تھی کہ فقط ۱۳۸۱ء سے ۱۳۹۹ء تک محکمہ کے حکم سے ۱۰۳۲۰ شخص زندہ جلائے گئے۔ ۶۸۰۶ء نے تشہیر کے بعد پچاسی پائی اور ۷۰۲۳ء شخص مختلف سزاؤں میں سزایاب ہوئے۔

ایسی حالت میں اہل یورپ کا مسلمانوں سے استفادہ کرنا

دشوار تھا، لیکن، شوق در ہر دل کہ باشد جستجو دشوار نیست۔ نبردستی کسی چیز سے باز رکھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس کی خواہش بڑھتی جاتی ہے۔ اسکا عملی ثبوت یونان ہوا کہ فرانس کے خود ایک پادری نے ہسپانیہ میں جا کر مسلمانوں سے جبر و مقابلہ کی کتابیں پڑھیں

۱۳۴۴ء میں ایک اٹالین سیاح (لیوناردو وی بیز) نے مشرق کا سفر کیا اور مسلمانوں سے علوم ریاضی پڑھے اور خصوصاً جبر و مقابلہ کی تفصیل و تکمیل کی۔ ان فن میں اُس کو اسقدر دستگاہ تھی کہ فریڈریک شاہ جرمنی کو حیرت ہوتی تھی اور حیرت کی بات بھی تھی۔

مسلمانوں سے یورپ ہی نے استفادہ نہیں کیا، ہندوستان بھی اس خصوص میں پیچھے نہیں رہا۔ بارہویں صدی عیسوی میں پنڈت بھسکارا (یہ شخص ہندوستان کا سربراہ اور وہ حکیم تھا) نے برہم گپتا کے جبر و مقابلہ کی شش لکھی اور عربوں کی تحقیقات سے سنسکرت میں بہت کچھ اضافہ کیا۔ یہ کتاب جرمنی و فرانسیسی میں ترجمہ ہوئی اور انگریزی میں شرح، انتخاب، انتخاب الانتخاب، ریاک سب کچھ لکھے گئے اور بڑی قدر ہوئی

اس وقت دنیا میں جبر و مقابلہ کو نہایت فروغ ہوا

۱۵۰۰ء اس پادری کا نام جبرٹ تھا۔ ۱۳۴۴ء میں پیدا ہوا اور ۱۳۴۴ء میں وفات پائی۔ اُس نے عربی کتابیں ترجمہ کیں اور ایک مدرسہ قائم کر کے اُس میں درس دیتا تھا۔ آخر میں سلفطروس کے نام سے پوپ بن رہا کا مسند نشین ہوا ۱۲

نئے نئے قاعدے اور مسائل ایجاد ہوئے ہیں، مثالیں سہل
اور آسان دی جاتی ہیں، مختلف علوم میں اس سے مدد لی جاتی
ہو اور اب ایک بکار آمد فن ہو گیا ہو، لیکن تاریخ ہم کو بتا رہی ہو
کہ اس علم کے موجد و مخترع مسلمان ہیں اور یورپ انہیں کے
نقش قدم پر چل رہا ہو،

بیل از فیض گلِ آموخت سخن ورنہ نبود
این ہمہ قول و غزلِ تعبہ ورمقارشن

خادم قوم

عبد اللہ عمادی

(باقی)

مائیل کے صفحہ ۲ و ۳ پر اطلاع ضروری اور فرست چندہ
مکرر چھپ گئی ہو، حال آنکہ یہ گزشتہ اشاعت سے مخصوص تھی،
ناظرین اس کو کالعدم تصور فرمائیں۔ ہم اس غلطی کی معافی
جاتے ہیں

ادب الہند

یعنی

اسلام میں ہندی لٹریچر کا رواج

ایک ہندو مضمون نگار نے مسلمانوں پر الزام لگایا ہے، کہ اگلے زمانے میں ”ہندوؤں کی باتوں کی طرف متوجہ ہونے سے مسلمان کافر سمجھے جاتے تھے یہی وجہ ہے کہ مسلمان ہندوؤں کے لٹریچر سے ہمیشہ محروم رہے اور یہ سلسلہ آج تک ویسا ہی چلا آتا ہے۔“ لائق مضمون نگار نے صرف اسی غلط بیانی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ مسلمانوں کی اس نفرت انگیز بے توجہی پر آپ جوش میں آکر فرماتے ہیں ”مسلمانوں نے صدیوں اس ملک (ہندوستان) پر حکومت کی اور اُس کا خاتمہ بھی ہو گیا، مگر اس ملک کے علم ادب کی طرف انہوں نے بہت ہی کم توجہ کی۔ اس وقت وہ یہاں کے حاکم نہیں ہیں رعایا ہیں..... مگر یہاں کے لٹریچر کی طرف اُن کی وہی بے توجہی اب بھی ہو جیسی حاکم ہونے کے وقت تھی۔ ہندو جب اُن کی رعایا تھے تب بھی وہ ہندوؤں کے علم ادب سے پیچھے تھے اور اب جبکہ وہ اور ہندو دونوں دوسرے کی رعایا ہیں تب بھی وہی بے پروائی ہے“

اس مبحث میں دو باتیں نتیجے طلب ہیں۔

(۱) کیا مسلمان ہندوؤں کی طرف متوجہ ہونے سے کافر سمجھے جاتے تھے؟

(۲) کیا مسلمانوں نے ہندوؤں کے لطیفہ کی طرف توجہ نہیں کی؟

امراول کے متعلق بشریت اسلام میں کوئی ایسا حکم نہیں

جس سے ایک حد تک ہندوؤں کے ساتھ ربط و ضبط رکھنا کفر کا باعث

سمجھا جاتا ہو۔ اسلامی تاریخین ہم کو بتا رہی ہیں کہ مسلمانوں نے ہندوؤں کی سیکڑوں

کتابیں ترجمہ کیں، ہندوستان میں اُس وقت اگر رہے جب ہندو مسلمانوں

کے نام سے بھی آگاہ نہ تھے، سنسکرت میں مہارت پیدا کی، شاستر کی

کتابیں پڑھیں، ہندوؤں کے علوم میں اضافہ کیا، اور علاوہ ترجمہ کتب

ہندیہ کے عربی کتابیں بھی ہندی میں ترجمہ کیں اور اسطرح پر ہندوؤں

کو نہایت عمدہ موقع دیا کہ وہ مسلمانوں سے علمی تعلقات قائم کر سکیں۔

لیکن۔ جنھیں ہم نے سینے میں جگہ دی نہ وہ دل سے خوش نہ بگرتے خوش۔

شاید بے توجہی اسی کا نام ہوگا کہ مسلمانوں نے ہندو مذہب کی

فلاسیفی پر مستقل کتابیں تصنیف کیں اور اصول مذہب کے متعلق

ایسی عمیق تحقیقات کی کہ خود سامانا ہندوؤں کو بھی اُسکی تہ تک پہنچنے

میں وقفہ ہوگا۔ کتاب الہند کے متعلق جو ہندوستان کے نامور عالم بیرونی کی تصنیف ہے، زفا و لکھنا

ہے۔ ہمارے زمانہ میں اگر کوئی شخص سنسکرت اور ہندوؤں کے

علوم کو مطالعہ کرے تو باوجود معلومات کے آسان وسائل موجود ہونے

اور علمی ترقی کی وسعت کے بھی وہ ہندوؤں کے قدیم علوم کی

بہرہ گیری کے لئے ہندوؤں
کا باشندہ تھا اور
باز ترقی علامت
شہر ہندی شہر
ہندوؤں واقع
اسکا ولڈوی
۱۳۱۰ء
۲۷۲۹ء

برسوں کے بعد وہ خدمت کر سکیگا جو ابوریحان بیرونی نے چھٹی صدی میں کی ہے۔
ایک ابوریحان بیرونی پر کیا موقوف ہے، قائم العلوم والمذہب میں کم
ایسی کتابیں تصنیف ہوئیں جن میں ہندوؤں کے مذہب و علوم کا تذکرہ نہ ہو۔
کتاب الفہرست قدیم معتقات و مترجمات کی ایک انوکھی ہے لیکن اس میں
بھی صفحہ ۳۴۵ سے ۳۴۹ تک ہندوؤں کے مختلف مذہبوں اور ان کے
طریق عبادت کا تذکرہ کیا ہے اور علوم و فنون تو بڑی چیز ہیں، ہندی تہذیب
کماؤنوں کی کتابیں جو عربی میں ترجمہ ہوئیں، ایک خاص فصل انہیں
کے بیان میں ہے۔

مسلمانوں نے ہندوستان سے اس قدر تعلقات پیدا کر لیے
تھے کہ بسا اوقات تعلیم و تربیت کے لیے لوگوں کو ہندوستان بھیج دیتے
تھے، چنانچہ خالد بن جعفر جو خلیفہ منصور کے عہد میں دیوبند کے
انصر یعنی وزیر مال تھا، کشمیر کے بھاڑوں میں اُسکی تعلیم و تربیت ہوئی تھی
یہی بن خالد برکمی نے ایک خاص ایجنٹ ہندوستان میں اس لیے
متعین کر رکھا تھا کہ ہندوستان کے علوم و فنون اور وہاں کے بالکل پتہ توں
کی راپوں سے اہل عرب کو روشناس کرتا رہے۔ بظاہر اس شخص کا
تعمین فقط ہندوستان کی جڑی بوٹیوں کے دریافت کرنے کے لیے
تھا لیکن اُس کو یہ بھی ہدایت تھی کہ ہندوؤں کے مذاہب وغیرہ کے
متعلق بھی معلومات فراہم کرتا رہے۔

جس شخص کو مسلمانوں کے علوم و فنون پر نظر ہوگی اور کم از کم کتاب الفہرست، آثار اقیہ، طبقات ابن الصیبعہ اور شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی کی کتاب التراجم دیکھی ہوگی، وہ ہرگز مسلمانوں پر اس تنگدلی کا الزام نہیں لگا سکتا۔

امر دوم کے متعلق متعلق ریویو مین ایک مبسوط اور برزور مضمون شائع ہوا ہے۔ اس مضمون کے اکثر حقے تراجم صفحہ ۱۸۸ و ۱۸۳ و ۲۵۵ لغایت ۲۶۳ سے ماخوذ ہیں، لیکن تراجم مین ہمارے شمس العلماء نے صرف اس قدر بتایا ہے کہ مسلمانوں نے ہندوستان کے علوم و فنون کی طرف کمان تک توجہ کی اور ریاضی و طب مین ہندوؤں کی کس قدر کتابیں ترجمہ کیں۔ یہ عنوان ہمارے سبکدوش کا موضوع نہیں ہوا، ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے علم ادب کی طرف بھی اٹھنا پڑا یا نہیں؟ جہانگیر مین سمجھتا ہوں یہ مضمون بالکل اچھوتا، غیر سبوت، اور اورینٹل ہجے اور خاص اس عنوان پر شاید اب تک کسی صاحب قلم نے خامہ فرسائی نہیں کی۔

اصل یہ ہے کہ بہت دن تک مسلمان ہندوؤں کی مذہبی روایتوں اور بے سرو پا قوتوں سے محترز رہے، لیکن پھر یہ سمجھ کر کہ انھیں دور ازکار خرافات سے آریہ ورت کی قدیم تاریخ کا انکشاف ممکن ہی ہندی لٹریچر کی طرف توجہ کی، اور کتاب البد (پرتعربی مین بت کو سکتے ہیں)

ہویاسف، ہویاسف ولجہرا، ادب الہند، سند بکیر، سند باد صغیر، اہل،
 قلعہ مہیط آدم، بروایت اہل ہند، طرق، دیکھ داس کتاب میں عورت و
 مرد کا بیان ہے، ہندی ہول چال، سادیم، جنگ و فساد ہی، تدبیر یہ کتاب
 شاتانی ہندی کی ہے، آخر، بیٹھا، زجر الہند، سخی و بخیل، سکر سری
 کتاب الادب، وغیرہ ہندی علم ادب دانشا پرداز کی کتابیں عربی میں
 ترجمہ کیں۔ ہندوستان میں سنسکرت کا ایک مشہور دانشا
 پرداز تھا، اُس کے اکثر خیالات عربی میں لے لیے گئے اور خاص
 فن مسمریزم میں جو کتاب اُس نے لکھی تھی، عربی میں اُس کا ترجمہ
 بھی ہوا۔ علامہ ابن النذیم بغدادی نے مسمریزم کا نام فن توہم رکھا ہے
 سنسکرت کی مشہور کتاب کلید و دمنہ، دراصل ۱۷ یا ۱۸
 ہجری میں تھی، عربی میں اُس کے کئی ترجمے ہوئے۔ عبد اللہ بن مقفع
 سہل بن ہارون (بغداد میں بیت الحکمہ کا افسر تھا) اور مرید اسود نے مختلف
 اوقات میں بجای خود اس کے بہت اچھے ترجمے کیے۔ مرید اسود کو خلیفہ
 متوکل نے خاص اسی کام کے لیے ایران سے بلوایا تھا۔ اکثر شعرائے
 عرب بھی ادھر ملتے ہوئے، اور ابان بن عبد الحمید رفاہی، علی بن داؤد
 اور بشر بن معتمد نے اس کتاب کو نظم بھی کیا
 کہنے کو تو جو چاہے مسلمانوں کو اب مستقب کہ لے لیکن حقیقت

۱۷ ابن النذیم صفحہ ۳۰۵ ۱۷ ابن النذیم صفحہ ۳۱۵ ۱۷ ابن النذیم صفحہ ۳۱۶-۱۲

۱۷ ابن النذیم صفحہ ۳۱۲ ۱۷ یہ تمام تفصیل کتاب الفہرست صفحہ ۳۰۵ سے ماخوذ ہے ۱۲

یہ جو کچھ مسلمانوں ہی کے ترجموں سے دنیا میں بہت سی ہندی کتابوں کا نام باقی ہے۔ موجودہ نسل کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ مسلمانوں کی وجہ سے ہندو معنفین کا نام زندہ ہے، ورنہ کون ہی جو۔ گنگہ، جودر، صنجیل، ننتی، راجہ، سکھ، داہر، آنگو، زنگل، اریکل، جہر، اندی، جبارسی، وغیرہ کا پتہ بتا سکتا ہے! ہندی میں ان معنفوں کی اصل تصنیفات دکھا سکتا ہے۔ بیشک یہ مسلمانوں کا احسان ہے کہ ہندی کتابیں ترجمہ کر کے ہمیشہ کے لیے ان مشہور معنفوں کو گمنامی سے بچا لیا ورنہ پڑاؤن میں تو اب کوئی ان کے نام کا جاننے والا بھی نہیں رہتا۔

اسی کلیلہ دومنہ کو دیکھو۔ ہندی لٹریچر کی کیسی بیش بہا کتاب ہے، لیکن اس کا اصل سنسکرت نسخہ کین بھی موجود ہے اور کوئی بھی اس کا نام جانتا ہے؟ صرف عربی ترجمہ کی وجہ سے یہ کتاب اب تک دنیا میں موجود ہے۔ مختلف زبانوں میں اس کے جتنے ترجمے ہوئے قریباً سب عربی سے ہوئے۔ گیارہویں صدی عیسوی میں بربان سریانی، ششمین بربان یونانی، بارہویں صدی میں بربان عبرانی، ششمین بربان فارسی قدیم، ششمین بربان لاطینی، دلاطینی میں ایک قدیم ترجمہ ششم کا بھی ہے، لیکن یہ عبرانی زبان سے ترجمہ ہوا تھا اور عبرانی عربی سے) ششم و ششمین بربان اسپانیش، ششمین بربان شہ کتاب الفہرست صفحہ ۲۷۰ و ۲۷۱ شہ ہندوستانوں اور ان کی کتابوں کے اصل نام کی طرح معلوم ہو سکے اور ہم کو انوس ہو کہ اس امر میں جاری کوشش بے نتیجہ ہے۔ یہ جتنے نام گئے ان کے سب معرب ہیں "

جذنی اور ۱۸۴۳ء میں طبع زبان میں اس کتاب کے ترجمے ہوئے ، اور ایک عربی اصل سے اتنی شاخیں نکلیں۔ فارسی میں عیار دانش والوارسیلی اور اردو میں بستان حکمت بھی اسی عربی کتاب کلیلہ ددمنہ کی ترجمہ یا انتخاب ہیں۔ انگریزی و ترکی زبان میں بھی ترجمہ ہوا تھا لیکن سنہ معلوم نہیں۔

ابوالانشع نے ایک موقع پر جلد ہندی سے پوچھا کہ ہندوؤں میں بلاغت کی کیا تعریف ہو۔ جلد نے جواب میں علم بلاغت کی ایک ہندی کتاب نکال کر دی۔ ابوالانشع نے اُس کو شوق سے پڑھا اور عربی میں بہت جلد اُس کا ترجمہ ہو گیا۔ ابراہیم بن علی احمدی نے زہر الانباب میں کچھ عبارت بھی اُس کی نقل کی ہے۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کے دوستانہ ربا و ضبط اور علمی تعلقات کی داستان بہت دراز ہے۔ مسلمانوں نے بیشک ہندوؤں کا ملک لے لیا تھا لیکن اُن دنوں فاختانہ حیثیت کے یہ معنی نہ تھے کہ مفتوح رعایا کی تحقیر کی جائے اور اُن سے ہر بات میں الگ تھلک رہیں۔ تھوڑی دیر کے لیے پالیٹکس سے علیحدہ ہو کر دیکھا جائے تو صاف نظر آئیگا کہ شاہی دور ہو ، بزمطرب آراستہ ہو ، ہندو اور مسلمان دست و پل ہیں ، خیر و خیراز میں ہندوستان کی افیون آمیز ہو اور ایران محفل سردستار دونوں کے بارے سے سبکدوش ہو کر ایک بے خودی کے

قالمین بتمہ سنجہ ہین :

نہ ایم منکر صبا و لیک می گوئیم

کہ رام رنگی مانفہ دگر دارد

مسلمانوں کو اس دیوبانی زبان (سنسکرت) کے سیکھنے کا

بڑا شوق تھا اور ہندی انشا پردازی میں تو اکثر باکمال گزرے ہین

ابوریمان بیرونی ، موہن مسعودی ، مسعود بن سعد بن سلمان لاہوری ،

امیر طبرہ دہلوی ، ملک الشعرا شیخ ابوالفیض فیضی ، حکیم فتح اسد ، علامہ ابوالفضل ،

کمل خان گجراتی ، مولانا شاہ محمد ، گلاب شیری ، حاجی ابراہیم سرہندی ،

شیخ سلطان تھانیسری ، نقیب خان ، ملک محمد بایسی ، عبد الرحیم خان خانان ،

شہزادہ دارا شکوہ ، شیخ محمد غوث ، شیخ حسین گوالیاری ، سید

عبد الجلیل بگرامی ، میر غلام علی آزاد ، شیخ عبد القادر عمادی ، یسب بزرگ

ہندی لٹریچر کے رکن تھے ، اور اُس زمانے پر موقوف نہیں اب بھی

سنسکرت کے جاننے والے موجود ہین اور بنظر تامل دیکھا جائے تو

شمس العلماء مولوی سید علی بگرامی پروفیسر آکسفورڈ یونیورسٹی و مسٹر بادشاہ حسین

بی اے کے علاوہ بھی مسلمانوں میں ہندی انشا پرداز نظر آئینگے ۔

جن دنوں مسلمانوں نے ہندوستان سے پولیٹیکل تعلقات قائم

کئے شیخ عبد القادر عمادی متوفی شہداء ہندوستان کے ایک سربرآوردہ ادیب و غلام سفر

تھے عربی میں آپ کی کتاب "التعقیب علی الفیلسوف باکون" ، پچھلی سائیکس کی ایک پینٹل

تصنیف ہے۔ اس میں لارڈ بیکن کی غلطیاں دکھائی ہین۔ ہندی میں ایک رسالہ آپ نے

نظم کیا ہے۔ مفصل حالات کے لیے ملاحظہ ہو کتاب فصول مسعودیہ صفحہ ۲۹۶-۱۲

نہیں کہتے تھے، علمی تعلقات اُسی زمانے سے قائم ہیں۔ اسلام نے ہندو
 ناموں کی قدردانی کی اور فیاضانہ کشش سے اکثر بالکمال ہندو، ہندوستان
 کو چھوڑ کر دارالسلام بغداد میں جا رہے۔ منک، سالی، بملہ، مارکر، سندبار،
 اور ابن دھن وغیرہ علمای ہند کی خلافت نے ہمیشہ عزت کی اور بغداد میں
 غیر جمعی وقت اور نہایت آزادی سے ان بزرگواروں کی بسر ہوتی رہی۔ ان میں
 حکیم ابن دھن ایک مدیکل ہاسپٹل کا اعلیٰ افسر تھا، اور اسکے دوسرے
 ہمسفر مسلمانوں کے ذلیلہ خوار تھے۔

ہم نے یہ چند واقعات بیان کر دیے ہیں، اور ضرورت ہوگی تو
 اور بھی لکھیں گے۔ اس سے نتیجہ اخذ کرنا ہمارا کام نہیں ہمارے فاضل
 معترض..... کا کام ہے۔ آخر میں ہم اُن کے الفاظ کو دوبارہ پبلک کے
 روبرو پیش کرتے ہیں کہ ”مسلمان ہندوؤں کی طرف توجہ کرنے سے کافر
 سمجھے جاتے تھے اور اسی وجہ سے وہ اب تک ہندوؤں کے لٹریچر سے
 محروم ہیں“ ہم پوچھتے ہیں کہ جس قوم نے علمی دنیا میں اس قدر کجنامی کا
 ثبوت دیا ہو یہ تنگ خیالی اُس پر صادق آتی ہے یا اُس پر جو بے اصل
 باتوں کو بھی مابہ الاعتراض قرار دیا کرے ؟

سامنے غیر کے تم فتنہ مجھے کہتے ہو
 چھائی جاتی ہے یہ دیکھ تو سراپا کس پر

خادم قوم

عبد اللہ عمادی

علمی خبریں

الحمی میں فیج جنم حدیث شریف میں بخار کی حرارت کو دوزخ کی گرمی سے تشبیہ دی گئی ہو اور بتایا گیا ہو کہ اس گرمی کو ٹھنڈے پانی سے دفع کرنا چاہئے۔ اطباء قدیم کو اس طریق علاج میں اختلاف تھا، لیکن یورپ کی موجودہ ڈیکل تحقیقات نے ثابت کیا ہو کہ حمام میں سرد پانی سے نہانا اور متبردات و دافع حرارت دواؤں کا استعمال کرنا تپ لرزہ میں بہت مفید ہو۔ ذرات غبار غبار کے ذرے ہر جگہ ہوا میں ملے ہوتے ہیں، حتیٰ کہ سمندرون میں بھی ہوا کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ ان کی شکل کروی، مثلث، مربع، المیلبی ہوتی ہو۔

علاج زکام یا انفلوئنزا اکثر بردت سے ہوتا ہو، جس سے جسم میں میکروب زکام کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہو۔ اس کا علاج یہ ہو کہ سرد حمام میں بدن کو خشک رکھنے کی عادت ڈالی جائے۔ میکروب کی تاثیر اس طرح پر دفع ہو جائیگی۔

مصر میں تعلیمی ترقی مصر میں سررشتہ تعلیم کا سالانہ خراج ۱۸۸۸ء میں ۶۳ ہزار پونڈ تھا اور اب دو لاکھ چار ہزار پونڈ ہو، یعنی باعتبار سابق سہ گونہ زیادتی ہو۔

تیز رفتاری تجربے سے دریافت ہوا ہے کہ تیز روی اور دوڑنے کی قوت چارپایہ حیوانات میں حسب ذیل ہے :

نام	میل	گھنٹہ
تازی کتا	۳۸	ایک گھنٹہ میں دوڑ سکتا ہے
تازی گھوڑا	۳۲	"
بہرن	۳۰	"
خزگوش	۲۸	"
لوٹری	۲۶	"
شکاری کتا	۲۲	"
امریکن بھیڑیا	۲۰	"
آدمی	۱۷	"

تھکن تمہارا دماغ اگر ایک کام کرتے کرتے تھک گیا ہو تو اُسے جھوڑ کر دوسرا کام کرو۔ کیونکہ مشاغل کے بدلتے رہنے سے دماغ کو راحت ہوتی ہے۔ جدید تحقیقات امریکہ کے ایک مشہور حکیم اور لہذا کی راسی ترقی نے غائع کی ہر کہ زمین کردی انفلک نہیں مربع ہو اور متحرک نہیں ہو ساکن ہو۔ زمین کے مرکز پر ہوتی کا ایک اس قدر بلند پہاڑ واقع ہو کہ کوئی چیز اُس کی چوٹی پر نہیں بونچ سکتی اور اگر بونچ جائے تو زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ پہاڑ شمال زمین ہے۔ آفتاب و ماہتاب اور سب ستارے اُس کے گرد گردش کرتے ہیں۔ جب آفتاب اُس کے ایک طرف ہوتا ہے تو اس طرف دن اور

دوسری طرف رات ہوتی ہے۔ آفتاب اُس کے گرد ۲۴ گھنٹے میں ایک دورہ ختم کر لیتا ہے اور گردش کرنے کے بعد پھر پہاڑ کی طرف چلا جاتا ہے۔
۲۱۔ مابچ کو وہ ایک ایسے مقام پر ہوتا ہے جو شمال و جنوب دونوں کے درمیان ہے، یہ مقام خط استوا ہے، اس پر آفتاب کے پونپختے سے رات اور دن برابر ہو جاتے ہیں۔ تحقیقات کا یہ عجیب نتیجہ ۲۰ سال کی مسلسل عالمانہ کاوش اور لاکھوں روپے صرف کرنے کے بعد بطور پزیر ہوا ہے۔

عرب عرب کے نامعلوم مقامات دریافت کرنے کے لیے اہل یورپ نے اب یہ ترکیب نکالی ہے کہ غبارہ اور بے مار کے ذریعہ خبر رسانی سے یہ مہم سر کی جائے۔ چند غباروں میں کچھ لوگ بیٹھیں گے اور دو ایک خالی غبارے فقط گیس سے بھرے ہوں گے۔ جب کسی غبارے کا گیس کم ہو جائے گا تو دوسرے غباروں سے لے کر اس کمی کی تلافی کر دی جائیگی۔ ساتھ میں فوٹو گراف بھی ہوگا جس سے آثار عرب کا عکس لیا جائیگا اور مارکونی ٹیلیگراف کے ذریعے سے باہم گفتگو ہو سکیگی۔

آنسو کی بادی تحلیل سے معلوم ہوا کہ آسمان تک اور سوڈا کے اجزا ہوتے ہیں۔

مصری قرض مصر میں دول یورپ کی نگرانی صرف سرکاری قرض کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی، جس میں اکثر اہواب آمدنی کفول ہیں۔
بت کچھ قرضہ ادا ہو چکا ہے لیکن پھر بھی دس کروڑ ۲۱ لاکھ ۸۷ ہزار پونڈ باقی ہے۔

حیوانات میں طاقت مشہور ہے کہ ہاتھی سب سے بڑا طاقتور ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہاتھی طاقت میں اونٹ سے بھی کم ہے طاقت کا اندازہ باعتبار جثہ اور وزن کے ذیل کی جدول سے ہو سکتا ہے۔

نام	وزن جثہ بحساب رطل	طاقت بحساب رطل	طاقت بحساب اوسط
گھوڑا	۱۶۰۰	۱۸۷۵	۱۱۷۳
آدمی	۱۵۰	۱۷۵	۱۱۶۶
اونٹ	۱۸۰۰	۱۳۷۵	۷۶۰
ہاتھی	۱۲۰۰۰	۸۷۵	۷۳۸

اہل فینیقیہ صحراے بلقا دارض فلسطین (شام) میں ایک قسم کے قدیم پتھر پائے جاتے ہیں، یہ پتھر آریخی ہیں اور ان سے اہل فینیقیہ کے حالات دریافت ہوتے ہیں، بالفعل انگلستان و فرانس میں بھی اسی قسم کے پتھر لکھودنے سے ملے ہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل فینیقا ان پتھروں کو لائے ہوئے۔ علمای یورپ کو حیرت ہو کہ اس قدیم ایشیائی قوم نے دلاوت سیح کے ہزاروں برس قبل شام سے یورپ کا سفر کیوں کر طے کیا۔ آدمی سے کیا نو پر عزم و ہمت ہو تو ہو۔

ناظرین کو شکایت ہے کہ الذودہ کے خطمین الفاظ کے جدا جدا کھنڈے اور مفصل و غلطہ غلطہ رہنے سے مضمون کی کم گنجائش ہوتی ہے۔ ہم اطلاع دینے ہیں کہ آئندہ سے الذودہ کا خط حسب دستور سابق درآوردہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اندوہ

شمسہ میں ندوہ کا ڈپوٹیشن اس ڈپوٹیشن کے حالات اس تفصیل سے اجازت میں چھپ چکے ہیں کہ اب ان کا اعادہ، تحصیل حاصل ہے، البتہ مولوی شبلی اور شاہ سلیمان صاحب کی تقریروں اور مضمون کا جو خلاصہ شائع ہوا ہے اسکو اصل سے کوئی نسبت نہیں، لیکن اس کا علاج کیا؟ وہ خطا قلبیہ کوئی چیز نہیں، پھر لکھے جاتے ہیں لیکن مولوی شبلی صاحب کی علم عادت ہے کہ وہ کبھی تحریری لکھ نہیں دیتے، نہ لکھ کے بعد قلب بند کرتے، سننے والے اپنی یاد سے جو کچھ چاہتے ہیں لکھ لیتے ہیں، لیکن اُس میں نہ پورے واقعات چھوٹے ہیں، نہ پشت الفاظ، نہ ترتیب، نہ زور کلام، ایسے اس سے لکھار کی قیمت برہ کا مطلق اذانہ نہیں ہو سکتا۔

شمسہ میں ڈپوٹیشن کا جو خاص تجربہ ہوا وہ یہ تھا کہ ندوہ کے مقاصد سے ابھی تک ملک کے ابھی طرح آگاہی نہیں، یا غلط آگاہی ہے اور ایسے اکثر وہ کو ندوہ کی طرف سے بے اعتنائی اور بعضوں کو مخالفت ہے شمسہ میں جدید تعلیم یافتہ جماعت کو ندوہ کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی نہ تھی، بلکہ یہ خیال تھا کہ ان کی طرف سے مخالفت کا ظہور ہوگا لیکن پہلے ہی لکھ کے بعد ان کی رائیں بدل گئیں اور وہ سب سے

نندوہ سب سے پہلے پڑھیں گے،

نندوہ کی ایسا مقام نہیں جہاں سے کسی بڑی تعداد کے چندہ کی توقع ہو سکتی۔ تاہم آج تک کسی
نندوہ کی پوزیشن کو اس قدر چھوڑا، موصول نہ ہو سکا جو نہ وہ نہ وصول ہو،

نندوہ کے ارکان اور احباب سے جن علوم میں محبت اور کرم جوئی کا بڑا ٹوکیا، وہ مدت تک یاد
ہو گیا، خصوصاً ان میں، منشی فخر الدین صاحب، خان بہادر اکبر بخش خان صاحب، پیر محمد خان صاحب دیکل
سنہ پیر محمد خان پیر شہر، منشی محمد پسر خان صاحب، بابو عبد القادر صاحب، میر شتاق حسین صاحب
پیر جمال الدین صاحب، منشی سیف الدین صاحب، پیر جی حبیب الدین صاحب، مولوی عبد السلام صاحب
محمد ہاشم صاحب، محمد، صفان صاحب، مولوی سید عبد اللہ صاحب، مولوی سعید الدین احمد صاحب
بابو فضل محمد صاحب، بابو تاج الدین صاحب، بابو شہیر محمد خان صاحب، بابو عبد اللہ صاحب منہاس
نائب صاحب، مولوی سید عبد الغفور صاحب، سنہ بدر الدین قریشی، بابو محی الدین صاحب، وغیرہ
بزرگوں کی ممان پرستی اور کرم جوئی مدت تک یاد رہی،

انہیں ہم معین الندوہ نندوہ کا خاص شکر ادا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مصرع
سے باد صبا این حمد آورده است۔

شمس العلماء جناب مولوی نذیر احمد صاحب نے الندوہ کی نسبت جن خیالات
کا اظہار فرمایا ہے ہم ان کو فخریہ انجمن الفاظین درج کرتے ہیں،

نذیر مرون نے ع ہر گلے رنگ دے دیگر ست، + رفارم کے مختلف شیون اختیار کیے
ہیں، اگر آپ اس کو تعلق نہ سمجھیں تو میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ کی شان شوق منفرد اور متیقن الفوز و الفلاح ہے۔
مسلمانوں کی ترقی میں بہت سے موانع ہیں جن میں سے مانع قوی مذہبی غلط فہمیاں ہیں جن کو دور کرنے کا

آپ نے بیڑا اٹھایا ہے، مادہ فاسد محتاج مسل قوی ہوتا ہے، الندوہ وہ مسل قوی ہے جسکے محتاج طبائع زمانہ ہیں، میں رسالہ الندوہ پر ایاجہارت و لکیر آپ کی مشن پر مفصل ریویو لکھتا مگر کیا کروں جیسے ریویو لکھنے کو دل چاہتا ہے اس کے قدر مطلق فرصت نہیں، بلکہ میں نے تو ندوہ کی وجہ میں عربی نظم بھی لکھی چاہی تھی جسکے دو شعر ذیل میں درج ہیں،

بقولہ ان الفضل فی العلم النھ	حبیس علی المتقدم المستبصر
لوگ کہتے ہیں کہ علم اور عمل میں فضل ہوتا	اگلے صاحبان بصیرت پر ختم ہو چکا
فاما تصغنا صحائف ندوہ	حکمتا بان الفضل للمتاخر
لیکن جب ہم نے ندوہ کے نسخے غور سے دیکھے	تو فیصلہ کیا کہ فضیلت ہی متاخر کو

ہم افسوس کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ جو اخبارات الندوہ سے مضامین نقل کرتے ہیں، وہ ندوہ کا مطلق حوالہ نہیں دیتے۔ یہ کہہ کر خیانت ہے اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ وہ نامور اخبارات بھی اسکے مرتکب ہوتے ہیں جو خود ادواروں کو اپنے مضامین کے تعلق بھی طعنہ دیتے ہیں، کاش وہ سپر عمل کرتے کہ ”ہرچہ برخود نہ پسندی بردگران ہم پسند“

اکثر ناظرین اور احباب نے اصرار کیا ہے کہ چونکہ الندوہ کے دو ایڈیٹر ہیں ایسے ایڈیٹریل مضامین نام کا اظہار کر دیا جائے، ورنہ تعین نہیں ہو سکتا کہ کون مضمون کس ایڈیٹر کا ہے، لیکن درحقیقت اسکی چند ان ضرورت نہیں، اس وقت تک جسقدر مضامین ایڈیٹریل نکلے ہیں وہ سب خاکسار شبلی کے ہیں ایک مضمون جو مولوی حبیب الرحمن خان صاحب کے قلم سے نکلے ہیں ان کے ساتھ ان کا نام بھی درج ہے۔ مولوی صاحب موصوف کو گھیسانہ مشاغل سے

مضمون نگاری کی فرصت بہت کم ملتی ہے اور جب قدر ملتی بھی ہوا سمین اور مستحقین کا حصہ نکل جاتا ہے۔
 بہت بے تکلف ہے کلمہ و حوصلہ بیکر۔ کان نیز گمے با من و گم باد گری داشت
 ماجر اگر احباب کا یہی اصرار ہے تو ہم اپنے مضامین کے نیچے اپنا نام بھی لکھ دیا کریں گے۔

فلسفہ اسلام

اور

معلوم شدہ وجہ یہ ہے

عناصر رابعہ

(۲)

آج سے ہزاروں برس پہلے زندہ جانے کس نے اپنی اکل سے کہہ دیا تھا کہ عناصر چار
 ہیں، آگ، پانی، ہوا، خاک۔ یہ باد ہوائی بات معلوم نہیں قبول کا کیا اثر رکھتی تھی کہ یورپ کی
 موجودہ تحقیقات سے قبل تک تمام دنیا اسکو تسلیم کرتی آئی اور قدیم تعلیم یافتہ مسلمان تو آج بھی
 اس سلسلہ کو وحی آسمانی سمجھتے ہیں۔ اندوہ العلماء کے ایک جلسہ میں ایک نظم پڑھی گئی تھی جس کا
 ایک شعر یہ تھا۔

از عناصر برہ و شصت آمد و اینکے بشمار تو همان در گرد و آتش آب استی و باد
 اسپرہ برہی ہوئی کہ ایک شے ہمہ دان فاضل نے ایک نظم اسکے جواب میں لکھی جو رسالہ البیان
 میں شائع ہوئی تھی۔

بہر حال قدامت یونان کی تحقیقات جو عناصر کے متعلق تھی حسب ذیل ہے +

۱۔ عناصر چار ہیں کیونکہ کوئی جسم حرارت۔ برودت۔ رطوبت۔ اور ہوسٹ سے خالی نہیں ہو سکتا، اور ان کیفیتوں کی باہمی ترکیب سے یہی چار عنصر پیدا ہو سکتے ہیں،

۲۔ آگ۔ انتہا درجہ کی گرم، پانی۔ انتہا درجہ کا بارد، ہوا۔ انتہا درجہ کی لطیف، خاک، انتہا درجہ کی جسامت۔

۳۔ سب سے اوپر آگ کا کرہ ہے، پھر ہوا کا، پھر پانی کا، پھر خاک کا۔

۴۔ یہ عناصر آپس میں تبدیل ہو سکتے ہیں اور ہوسٹے ہیں، ہوا پانی بن جاتا ہے، پانی ہوا ہو جاتا ہے، ہوا آگ ہو جاتی ہے، وکھڑا۔

حکماء اسلام نے ان مسائل پر جو رد و فتوح اور اضافہ کیا اسکی تفصیل یہ ہے،

۱۔ علمائے اسلام نے سب سے پہلے اس بات سے انکار کیا کہ عناصر چار سے زیادہ نہیں ہو سکتے، شرح مواقف و شرح تحریر میں اسکو مفصلاً لکھا ہے، اور شریح تحریر میں امام رازی کی پوری عبارت اس کے متعلق نقل کی ہے،

لیکن یہ اعتراف صرف احتمال آخری کی بنیاد پر تھا، کوئی نیا عنصر انھوں نے نہیں نکالا۔
اسکی تحقیقات پر توجہ کی،

پانی کو یونانی جوہر سے زیادہ بارد مانتے تھے، ابو البرکات بغدادی نے اپنی کتاب لمعتبر میں اس سے انکار کیا، شرح اشارات امام رازی میں ہے۔

اما فی لخصیۃ الثانیۃ وہی ان البالغ فی البرودۃ بطبعہ ہو الماء فقد نزع فیہ صلاحتہ باعتبار	باقی دوسرے مسئلے یعنی یہ کہ پانی سب سے زیادہ بارد ہے تو اس سے صاحب معتبر نے انکار کیا اس کا دعویٰ ہے
وزعم ان الارض ابرود منہ لان الکشافۃ لازمة للبرودۃ واللطاۃ لازمة للحراۃ	کہ خاک سب سے بارد ہے۔ کیونکہ برودت کے لیے کثیف ہونا لازم ہے، اسی طرح حرارت کے لیے لطیف ہونا لازم

عنما كانت الارض الكثف وجبلان تكون	چونکہ خاک سب سے زیادہ کثیف ہوا اسلئے ضرور ہر کردہ
اريد وانما يكون الاحساس ببرودة الماء	سب سے زیادہ بارہم چھونے میں جو پانی ٹھنڈا معلوم
اشد من الاحساس ببرودة الارض لان	ہوتا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ پانی کی برودت لطافت کی وجہ سے
الماء ثلثا فقد يصل الى مسام اللامس	مسامات تک پہنچ جاتی ہے بخلاف خاک کے کہ وہ کثافت
والارض بلثا فتمت الايصال	اگر وجہ سے سا آگ میں پہنچ سکتی :-

۴۔ یہ باتوں نے جو کہ جو سب سے زیادہ لطیف مانا تھا، اب امر رازی نے شرح اشارات

میں اسکو اس طرح پرمسل کیا :-

وعندنا النار اولي بدلت فانما نرى ان	ہم نے نزدیک آگ زیادہ لطافت کی مستحق ہے، کیونکہ
الشئ كلما كان اصفى كان الطيف واروق	ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی چیز جسقدر زیادہ گرم ہوتی ہے، اسکا
قواما و نرى ان الهواء كلما ازدادت	قوام زیادہ رقیق اور لطیف ہو جاتا ہے، ہم یہ بھی
سكونته ازدادت وقته ونرى ان النار	دیکھتے ہیں کہ ہوا جسقدر زیادہ گرم ہوتی ہے، اسکی
الترعة تاتي عاية المظافة فقوى في	اسکی لطافت بڑھ جاتی ہے اس بنا پر گلاب غالب پیدا
ظنونا انه كلما كان الشئ اصفى كان الطيف	ہوتا ہے کہ جو شے جسقدر زیادہ گرم ہوگی، اُسقدر زیادہ
وذلك يقضى ان يكون النار الطيف الاجرام	ہوگی، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آگ تمام اجسام سے زیادہ لطیف ہے

۴۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ شیخ الاشراق نے اس بات سے انکار کیا کہ آگ بھی کوئی عنصر ہے

اور یہ مراد اصل تحقیقات حال کے موافق ہے۔ یورپ کے تمام علمائے حال، اس بات پر متفق ہیں کہ آگ کوئی عنصر نہیں، شیخ الاشراق کے الفاظ یہ ہیں (دیکھو شرح مکتب الاشراق مقالہ رابعہ)

والحق يابى هذا اي كون النار عنصرا اخر	حق یہ ہے کہ آگ، ہوا سے کوئی الگ اور جدا گانہ عنصر
ممتازا عن الهواء بصورة مقومة	نہیں، ہوا سے اگر وہ ممتاز ہو، تو خاص کیفیت

جل ہی انما یمازعه بکیفیه خارجیة -	میں، نہ اہمیت کے لحاظ سے۔۔
شیخ نے یونانیوں کے تمام دلائل نقل کر کے ان کو باطل کیا ہے، اخیر میں لکھتے ہیں،۔	
فلا اصولی اصول الغصیات ثلثة	تو اصول یعنی عناصر تین ہیں۔
<p>شیخ الاشراف نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آگ کے عنصر ہونے پر یونانیوں کے جو دلائل تھے ان کو تفصیل ذکر کر کے ان کی لغویت ثابت کی۔ یونانیوں نے اس امر پر کہ آگ ایک عنصر ہے اور اس کا کہ آسمان کی سطح زیر پرپن سے متصل ہے، مختلف دلائل قائم کی تھیں،۔</p> <p>ایک یہ کہ شعلہ ہمیشہ اوپر اٹھتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ آگ کا کہہ اوپر ہے، شیخ الاشراف کہتے ہیں کہ شعلہ کوئی الگ چیز نہیں، بلکہ ہوا میں جب سخت حرارت آجاتی ہے تو وہ مشتعل ہو کر اوپر کا رخ کرتی ہے، کیونکہ حرارت کا قاعدہ ہے کہ وہ احسام میں رقت اور لطافت پیدا کر دیتی ہے اور لطیف چیز ہمیشہ اوپر رہنا چاہتی ہے۔</p>	
ومن خالصیة الحرارة التلطیف فیکون صعود المرتفع لتلطیفه لکونه هواء عارداً لا ینکونه نادراً (شرح مکملۃ الاشراف)	<p>اور حرارت کی خاصیت لطیف کر دیتا ہے تو شعلہ کا اوپر اٹھنا اس وجہ سے کہ وہ آگ سے ہے بلکہ اس وجہ سے کہ وہ گرم ہوا ہے، اسی وجہ سے لطیف ہے۔</p>
<p>دوسری دلیل یہ تھی کہ آسمان کی حرکت کی وجہ سے سخت حرارت پیدا ہوتی ہے اس وجہ سے اس کے نیچے آگ پیدا ہو گئی، شیخ الاشراف کہتے ہیں کہ اگر یہ صحیح بھی ہو تو اس سے آگ کا وجود لازم نہیں آتا بلکہ وہ ہوا جو آسمان کے نیچے ہے، وہی گرم ہو جاتی ہوگی،۔</p>	
<p>۵۔ یونانی جو عناصر کے استواء کے قائل تھے یعنی یہ کہ ایک عنصر بدل کر دوسرا عنصر ہو جاتا ہے، ابو البرکات بغدادی اس سے انکار کیا، یونانی کہتے تھے کہ کسی گلاس میں اگر نہایت ٹھنڈا پانی رکھا جائے تو گلاس کے بیرونی سطح پر پانی کے چھوٹے چھوٹے قطرے نظر آئیں گے، یہ ہوا ہی</p>	

جو پانی بن گئی ہو۔ ابو البرکات کہتے ہیں کہ ہوا پانی نہیں بنی بلکہ ہوا میں پانی کے جوہیات چھوٹے چھوٹے
ات تھے وہ بروقت کی وجہ سے نمایان ہو گئے، شرح تجرید توضیحی میں ہے،

ابو البرکات اس بات کا قائل ہیں کہ پیار کے اس پس	کما ذہب الیہ ابو البرکات۔ فانہ زعم ان
ہوا ہوا اس میں پانی کے طیف اجزاء شامل ہیں لیکن	فی لہ لم للطیف بالطاس اجزاء لطیفہ مائتہ
چونکہ وہ چھوٹے ہیں، اور ہوا کی گرمی ان کو جذب کرتی	لکنہا الصغیرہ او جذب حرارة الهواء ایلھا
رہتی ہے، ایسے اُن کو یہ قدرت نہیں کہ ہوا کو چیر کر	لہ تتکل من خرق الهواء والغزل علی الاناء
برتن پر اتر آئیں، لیکن جب ہوائے برتن کو ٹھنڈا کر دیا	فلما یبرد الاناء الهواء الذی یلیہ رالت
تو پانی کے اجزاء اسے حیرت زائل ہو گئی ایسے یہ	الصغیرۃ من الاجزاء المائتہ الصغیرۃ
اجزاء دلدار ہو کر اکٹرا آئے، اور برتن کے سطح پر	فکثفت وثقلت فنزلت واجتمعت
جم گئے۔	علی الاناء۔

ابو البرکات کی یہ رسلے باطل، آج کل کی طبیعیات کے موافق ہے۔

(باقی آئندہ)

الاسلام

پروفیسر کاسٹری فریسی نے اسلام کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے جس کا ترجمہ عربی زبان میں، اسلام میں یہ مقام مصر شائع ہوا، ہم نے اس کے بعض مقامات کا ترجمہ اندوہ کے ایک پچھے میں کیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہیگا، ناظرین کے یاد دلانے پر ہم پھر اس سلسلہ کو شروع کرتے ہیں،

جب عرب ایمان قبول کر چکا اور لوگوں کے دل، اسلام سے منور ہو چکے تو اب اسلام، دنیا کو ایک دوسرے لباس میں نظر آیا یعنی نرمی اور آزادی خیالات، یا تو قرآن میں تہدید آمیز آیتیں نازل ہوتی تھیں یا اب پڑ در پڑ اس قسم کے احکام آنے لگے :

مذہب میں دہر دستہ نہیں رہتی گرا ہی سے صاف
الگ ہو،

یہ لوگ خدا کے سوا اور کون کچھ پکارتے ہیں (یعنی مجوسان باطل کا کلمہ)
گالی نہ دو، ورنہ جہالت سے وہ بھی خدا کو گالی دیں گے،
اے محمد، ان کی باتوں پر صبر کر اور ان سے کنارہ کر
معقول طریقہ سے، -

لا اکراه فی الدین - فتد تہکین
الرشد من العق -

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ
فیسبوا اللہ عدا وایضیر علم
واصدبر علی ما یقولون واجبرهم
ہجرت جمیلا -

عرب کے اسلام لانے کے بعد، پیغمبر کی تعلیمات اسی طرح کی تھیں، اور آپ کے خلفائے بھی ایسی تقلید کی، اس بنا پر ہیکر اہل فہم کے اس قول کے ساتھ متفق ہونا پڑتا ہے کہ مرتد محمد ہی کے پیروں میں زیادہ پائی جاتی ہے کہ انھوں نے جو شش مذہب اور حسن سلوک کو ساتھ ساتھ رکھا، یہ جو شش مذہب عرب کی فطرت کا سبب ہوا لیکن اس قسم کے سبب میں کوئی ہرج نہیں،

جب اسلام کی کامیاب فوجوں نے شام پر چھا پ مارا اور پہلی کی طرح، شمالی افریقہ پر بھرا کر سے بیکر اٹلانیٹک تک چمکین تو قرآن اپنے دونوں شہسپروں کو بھیلانے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے تھا، اس بنا پر اسلامی فوج کے طریق عمل میں کہیں مسلم کا نشان نظر نہیں آتا بجز ان امور کے جن سے مغزین ہو سکتا، مسلمانوں نے اسی قوم کو اس بنا پر قتل نہیں کیا کہ وہ اسلام لانے سے انکار کرتے تھے، اگر ہم بربروں اور مسلمانوں کی حملہ آوری کا مقابلہ کریں تو ہم مانیں گے کہ مسلمان نقصان کم پر بچا تے تھے، اور نرمی زیادہ کرتے تھے، مسلمانوں کو جن قوموں سے سابلستہ پڑا انھوں نے ان کو تین باتوں کا اختیار دیا، اسلام، یا جزیہ، یا جنگ، ابو بکر صدیقؓ نے خالد کو جب شام کی طرف بھیجا تو یہی ہدایت کی، یہ احکام عموماً عمل میں آتے تھے لیکن بت پرست اس سے مستثنیٰ تھے کیونکہ ان کے ساتھ اور طرح کا برتاؤ کیا جاتا تھا جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں،

بہتر ہو گا کہ ہم اس موقع پر، ابو بکر صدیقؓ کے احکام، اور زبور کی پانچویں کتاب میں جو دلائل کے محاصرہ اور کھدائیوں کے معاملہ کے متعلق ہے سواذکرین، زبور میں ہے، ”جب تو کسی شہر کا محاصرہ کرے تو ان پر امان پیش کر اگر وہ لوگ امان قبول کریں تو سب لوگ محفوظ رہیں گے لیکن اگر وہ لوگ انکار اور دشمنی کا اظہار کریں، تو ان کا سخت محاصرہ کر اور فتح حاصل ہونے کے بعد ہر شخص (مرد)

۱۲ بہ صفت کی غلطی ہے، اسلام نے بت پرستوں کو بھی یہی اختیارات دیے ہیں ۱۲

کو قتل کرنے ۽

مسلمانوں کو افریقہ اور ایشیا میں عیسائیوں کی طرف سے بہت مقابلہ پیش آیا جسکے بعد وہ نئے مذہب کی طرف مائل ہو گئے،

ایسے باخلمت کلیساؤں کا جیسے کہ کارتھج کے کلیسا تھے، اسلام کے زیر اثر آ جانا ایک ایسا واقعہ ہر جگہ ایک نامزد دراز سے لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ اسلام نے تعصب اور سختی کا بڑا دھوکا دیا، لیکن خود اس زمانہ کے معاصرین اسکی وجہ اقتضائے زمانہ کے موافق یہ بیان کرتے ہیں کہ عیسائی، خدا کے غضب کے مستوجب تھے، ایسے خدا نے ان کی بکروی کی سزا دی، عیسائی حابرون میں سے بعضوں نے اس خیال کی تائید میں لوگوں کو توبہ کی ترغیب دلائی چاہی۔ انھوں نے نہایت مبالغہ سے کام لیا اور عیسائیوں پر سخت دار و گیر کی، اور لوگوں کو یہ یقین دلانا چاہا کہ اسلامی فوجیں ایک آلہ ہیں جسکے ذریعہ سے خدا نے عیسائیوں پر عذاب نازل کیا ہو۔

چونکہ اسلامی فتوحات، اور کلیسا کا باہمی اختلاف، دونوں واقعات ایک ہی زمانہ میں پیش آئے ایسے اگر مؤرخوں نے دونوں کو ایک ساتھ ملا دیا تو ان پر کلمہ چینی نہیں ہو سکتی، خود فاتحین بھی قبول اسلام اور اطاعت حکومت میں فرق نہیں کرتے تھے۔ لیکن یہ امر عموماً غلط مانا جاتا ہے کہ ان دونوں واقعات میں سے ایک کو دوسرے کا معلول قرار دیا جائے۔ ان دونوں واقعات میں نہایت خفیف اثر پذیری کا تعلق ہے۔ جس طرح فتوحات اسلام نے، عیسائیوں کو ترک مذہب پر آمادہ کیا اسی طرح کلیساؤں کے باہمی اختلاف نے اسلامی فتوحات کے لیے راستے صاف کر دیے ۽

بشپ آریوس نے حضرت عیسیٰ کے خدا ہونے سے انکار کیا تھا، اس بنا پر اُسے گویا پیغمبر عرب کے لیے فوج طلایہ کا کام دیا، کیونکہ اس سے اسلام کے لیے راستہ صاف ہو گیا، کیونکہ اسلام بھی حضرت عیسیٰ کے متعلق ہی کہتا ہے کہ وہ محمد کے قبل

آخر بالانبیاء تھے۔ + + + یگو یا خرق عادت تھا کہ اسکندریہ کا بشپ جب کا نام اریوس تھا، عیسائی مذہب کے مقابلہ کے لیے کھڑا ہوا ایمان تک کہ اس مذہب کی بنیادین متزلزل ہو گئیں، اور بے شک عیسائیوں پر انہی سے چھا گئی، مگر اس چہرہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا کہ در عالم کون، اس بات سے حیرت زدہ ہو کہ تمام لوگ کافر ہو گئے ہیں، اور اب کسی کا یہ عقیدہ نہیں رہا کہ باپ (خدا) نے بیٹے کا جسم اختیار کر لیا تھا،

اگرچہ ان عیسائیوں نے جو نس کے پیرو تھے، اس مذہب جدید کو دایا نام فریقہ ادا ایشیا کے کلیسیاؤں میں سخت اختلاف پیدا ہو گیا، اسلام جب بے بسے قدم بردھاتا آیا تو ان لوگوں (چروان اریوس) نے اسکو کوئی نیا مذہب نہیں سمجھا بلکہ عیسائی مذہب سمجھ کر اسکو قبول کر لیا، اسلام کی وسعت کا ایک اور بھی سبب ہو، یعنی قسطنطنیہ کی جا براہ حکومت، یہ سلطنت انتہا درجہ کی ظالم تھی حکام کا ظلم اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ لوگ جان سے عاجز آ گئے تھے جب اسلام کا قدم آیا تو لوگوں نے اسلام کے سایہ میں پناہ لی کیونکہ جو شخص اسلام لاتا تھا وہ ٹیکسون اور تاوانوں سے بچ جاتا تھا اور مال مسلوبہ اسکو واپس مل جاتا تھا، جو لوگ اسلام نہیں قبول کرتے تھے ان سے بھی یہی برتاؤ کیا جاتا تھا، صرف جزیہ اُن سے لیا جاتا تھا جسکی مقدار نہایت کم ہوتی تھی، یعنی آمدنی کا دسواں یا بارہواں حصہ۔ (یہ غلط ہے، جزیہ کی مقدار بڑے سے بڑے دولت مند کے لیے بھی کبھی ۴-۵ درہم سے زیادہ نہیں ہو سکتی تھی، جزیہ کی یہ انتہائی تعدا د تھی، آمدنی کے حصہ سے اسکو کوئی نسبت نہ تھی ۲ مترجم)

اسلام کے سامنے میں عیسائی مطمئن ہو گئے، دعوات اسلام میں کوئی شخص اُن کے مذہب سے متعرض نہیں ہوتا تھا، اور اصلی عیسائی اور مرتدون میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا، یہ برتاؤ

۱۲ بیان قریباً دو تین سطروں کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے جسکی وجہ یہ ہو کہ ان کے نسخے میری سمجھ میں نہیں آئے ۱۲

وہ صاحب کا خود **قرآن** نے حکم دیا تھا اور خلفائے اولین اس پر کاربند تھے۔ یہودی اور عیسائی **دُستی** کہلاتے تھے، غیر مذہب والوں کی تین قسمیں تھیں، ذمی۔ مستامن۔ حربی۔

ذمی اسکو کہتے تھے جو اسلام کی زیر حکومت ہو، اور جزیہ ادا کرتا ہو، اسکو یہ حقوق حاصل تھے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق اپنے خدا کی عبادت کر سکتا تھا، اسکو اسلام پر مجبور نہیں کیا جاتا تھا، وہ قوانین سلطنت کا پابند ہوتا تھا اور شخصی قانون مثلاً نکاح۔ طلاق۔ وراثت میں اس کے مذہب کے موافق عمل کیا جاتا تھا، البتہ جب کسی معاملہ میں اس کا فریق ثانی مسلمان ہوتا تھا تو مذہب اسلام کے مطابق عمل ہوتا تھا،

یہ سخت غلطی ہے کہ **دُستی** کے لفظ سے دنی اور دُزدل کے معنی مراد لیے جائیں، درحقیقت اس لفظ کے معنی امان یافتہ کے ہیں،

مستامن اُس شخص کو کہتے ہیں جو سفر میں ہو، اور احکام سلطنت و قوانین حکومت کے زیر حمایت زندگی بسر کرتا ہو،

حربی وہ ہے جو اُس ملک میں رہتا ہے جو علانیہ اسلام کا دشمن اور حرلیت جنگ ہے یا جہانِ مسلمانوں کو امن نہیں ایسا شخص جب اسلامی شہر میں آئے اور آنا وہ جنگ ہو تو وہ قتل کر دیا جائے گا مگر اس حالت میں کہ اسلام قبول کر لے۔ اس حافیت کے سوا، باقی سب مستامن ہیں بشرطیکہ جزیہ ادا کریں، حضرت علیؑ کا قول ہے کہ جزیہ ایسے ہے کہ ذمی کی جان اور مال مسلمان کے جان و مال کے برابر ہو جائے،

اس نرمی اور حسنِ معاملت کی وجہ سے اسلام کو ترقی ہوئی کیونکہ ممالکِ شرقی کے مسلمانین کے ظلم نے تمام لوگوں کو بیزار کر دیا تھا، اور لوگ اُن سے سخت نفرت کرنے لگے تھے۔ اب اگر ہم ابتداء سے فتح کے زمانے کو چھوڑ کر اس زمانہ کی طرف آئیں جب کہ اسلام کی

حکومت نے استقلال حاصل کر لیا تو ہم کو صاف نظر آئے گا کہ اسلام، مشرقی عیسائیوں کے مقابلے میں

کسین زیادہ نرم ہو، اور صلح جو تھا

عرب نے عیسائی رسوم مذہبی کا کبھی معارفہ نہیں کیا اہل رومانیت آزادی سے ان پٹیویاں مذہبی سے خط کتابت جاری رکھتے تھے جو ان کے ہی عالم تھے، مسیحیوں میں پوپ نے جبکا نام لیون تھا افریقہ کے عیسائیوں کو ایک خط لکھا جس میں تاکید کی تھی کہ کارتیج کی شپ کو لارڈ شپ تسلیم کریں، اس دنا میں، مسلمانوں اور عیسائیوں میں کامل اتحاد تھا یہاں تک کہ گرگیوزس ہفتم نے ۵۰۰ ستمبر ۳۸۰ء میں عیسائیوں کو ایک خط لکھا جس میں انکدامت کی تھی کہ انھوں نے شپ کے دربار میں مسلمانوں کی شکایت کیوں پیش کی،

اس غیر معمولی صلح جوئی کے ساتھ ہی جو مسلمان فاتحوں کی طرف سے مفتوحین کے

مقابلے میں حل میں آتی تھی، عیسائی مذہب نہایت کمزور ہوتا جاتا تھا، یہاں تک کہ شمالی افریقہ

سے یہ مذہب بالکل معدوم ہو گیا، حالانکہ اسلام میں دعوت اسلام کے لیے کوئی فرقہ مخصوص نہ تھا

جس کے عیسائیوں میں ہو، اگر اسلام میں بھی داعیان مذہب ہوتے تو ہیکو اسلام کی ترقی کے سبب کے درپٹ

کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آتی، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ **شارلمین** اپنی لڑائیوں میں ہمیشہ

پادریوں اور رہبانوں کا ایک گروہ ساتھ رکھتا تھا تاکہ جس طرح وہ خود اپنی اُن فوجوں سے شہر

کو فتح کر لیتا تھا، جو قیامت انگیز لڑائیوں میں ہوتی تھیں، اُسی طرح پادری لوگوں کے غلبہ اور طلباء

کو منظم کر لیں، لیکن اسلام میں نہ کوئی مذہبی انجمن ہو نہ رسول ہیں، نہ اجامہ ہیں، نہ راہب ہیں، نہ

فوجوں کے ساتھ ساتھ رہیں، کوئی شخص تلوار یا زبان کے ذریعہ سے اسلام لانے پر مجبور نہیں

کیا گیا، بلکہ اسلام نے خود لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا، اور یہ اس اثر کا نتیجہ تھا جو قرآن کی دلاویز

اور فریبندگی کا خاصہ ہے،

ہے شبہ ان لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا جنکی غرض دنیاوی تمتع تھی، لیکن ان کی تعداد ان لوگوں کے مقابلہ میں بہت کم ہے، جو دلی اور سچی خواہش سے اسلام لائے، قبول اسلام میں ایسے بڑی آسانی ہوئی کہ مذہب اسلام ایک سیدھا سادہ مذہب ہے جسکے لیے کلمہ توحید پڑھنا کافی ہے۔ ان باتوں کے ساتھ بھی یہ نظر نہیں آتا کہ استقلال حکومت کے بعد عیسائیوں کے کسی گروہ نے دفعۃً واحدہ اسلام قبول کیا ہو، بلکہ صبر و دردی تھا کہ جو شخص اسلام لانا چاہے وہ قاضی کے ہاتھ پر اسلام لائے اور ایک محضر کھے جس میں یہ تصریح ہو کہ وہ سچے اعتقاد سے بغیر کسی دباؤ اور خوف کے اسلام قبول کرتا ہو، کیونکہ کوئی شخص تبدیل مذہب پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، (یہ محضر ضمیرِ سوم میں درج ہے)

دولت بنو امیہ کے زمانے میں، نہایت کثرت سے عیسائیوں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ خود خلفائے اس ترقی کو اس لحاظ سے پسند نہیں کیا کہ بیت المال کی آمدنی کو نقصان پہنچتا تھا، چنانچہ امیر معاویہ کے زمانے میں، مصر میں جزیہ کی آمدنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زمانے کی نسبت سے آدھی رہ گئی، اس بنا پر خلفائے قبول اسلام کی وسعت کو اس طریقے سے تنگ کر دینا چاہا، کہ نو مسلم بھی جزیہ سے معاف نہ کیے جائیں، چنانچہ حیان نے عمرو بن عبد العزیز کو خط لکھا کہ اگر یہی حالت رہی تو اس ملک کے تمام مسلمان عیسائی ہو جائیں گے اور نتیجہ یہ ہو گا کہ خزانہ شاہی کو سخت نقصان پہنچے گا۔ لیکن عمرو بن عبد العزیز نے خط پڑھ کر ایک شخص کو حکم دیا کہ حیان کے پاس جا کر کہہ دو میں نے تم سے لگائے اور اس سے کہے کہ اس سے بڑھ کر کیا سعادت ہو گی کہ تمام عیسائی مسلمان ہو جائیں، خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے بھیجا تھا کہ وہ اسلام کی تبلیغ کریں۔ ایسے کہ خراج اور ٹیکس لگائیں۔

مسلمان، اگر بیت المال کے خالی ہو جانے سے خوف کرتے تھے تو کچھ تعجب کی

بات نہیں اچھڑا کر (مقبوضہ فرانس) میں مکس کا بار زیادہ تر مسلمانوں پر ڈالا جاتا ہے، فرض کرو کہ تمام مسلمان عیسائی ہو جائیں، اور ان کو وہ تمام حقوق دیے جائیں جو عیسائیوں کو حاصل ہیں، تو آئینہ کے گھٹ جانے سے ہر سنت پریشانی ہوگی،

اسپین میں، مسلمانوں نے عیسائیوں کے ساتھ اور بھی زیادہ نرمی کا برتاؤ کیا، یہاں تک کہ ان کی جو حالت قدیم جرمنیوں کی سلطنت کے زمانے میں تھی اس سے کہیں بڑھ کر وہ خوش حال ہو گئے۔ پروفیسر روزی کتساکہ کہ مسلمانوں کی فتح نے اسپین کو کچھ نقصان نہیں پہنچایا، ابتداً جمع کے زمانہ میں جو برہمی اور اضطراب پیدا ہوا تھا، وہ استقلال سلطنت کے بعد جاتا رہا۔ مسلمانوں سے تمام ہیشنہ و ن کے مذہب شریعت اور عدالت کو قائم رکھا، انکو ملکی عہدے دیے، یہاں تک کہ بعض خروخلفا کے دربار میں ملازم تھے اکثر ان کو فوجی عہدے دیے گئے، اس رجحان سیاست نے سپین کے عقلا کو مسلمانوں کی طرف مائل کر دیا یہاں تک کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں کفر سے نکاح اور رشتہ داریاں ہو گئیں، سیکڑوں عیسائی اپنے مذہب پر قائم رہنے کے ساتھ ب کی تہذیب و تمدن کے دلدادہ ہو گئے یہاں تک کہ انھوں نے عربی زبان اور عربی علوم و فنون کی تحصیل شروع کی، بڑبڑ اور پادری ان کو ملامت کرتے تھے کہ وہ گرجا کے گیسٹ کو چھوڑتے جاتے اور مسلمانوں کا شعار اختیار کرتے جاتے ہیں۔

اس زمانے میں نہ ہی آزادی انتہا درجہ کو پہنچ گئی تھی، اسی بنا پر جب یورپ نے یہودیوں کو جبر کرنا چاہا تو انھوں نے خلفائے اندلس کے سائے میں پناہ لی۔ بخلات اسکے جب چارلس نے سر قوسہ پر قبضہ کیا تو حکم دیا کہ یہودیوں اور مسلمانوں کی تمام عبادت گاہیں بر باد کر دی جائیں۔ یہو معلوم ہے کہ صلیبی لڑائیوں کے زمانے میں عیسائی جان پونچھے انھوں نے مسلمانوں اور یہودیوں کو ایک طرف سے قتل کر دیا، اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہودیوں نے

اگر کوئی اچھا بھلا آدمی پایا تو مسلمانوں ہی کو پایا، اور آج دنیا میں جو یہودی موجود ہیں، یہ مسلمانوں ہی کی عنایت ہے، انڈیکر شالمین نے اسکی وجہ جو یہ بیان کی ہے کہ مسلمان اور یہودی نسب میں، دہان میں، مذہب میں، متحد ہیں، یہ غلط ہے۔

مسلمانوں نے اندلس کے عیسائیوں سے صرف جزیہ طلب کیا جو معمول عام تھا، اس موقع پر ایک لطیفہ کا بیان کرنا موزون ہو گا جسکو ایک عرب مورخ نے لکھا ہے اور جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جزیہ کے بارے میں ان کا کیا خیال تھا، اور یہ کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں کیسے تعلقات تھے۔

(باقی آئندہ)

روس میں ایک اسلامی سلطنت

اتنی بات تو برتھنس کو معلوم ہو گئی کہ ارض مشرق (ایشیا) کا مجموعی رقبہ ۱۶۶۶۱۰۰۰

میں مربع ذریعہ جس میں ۱۰۲۸۷۰۰۰ میل مربع پر اہل مغرب کا پھرہ رہا ہوا ہے، آبادی ۸۵۰۰۰۰۰۰۰

ہو، جس میں تقریباً ۱۵۰۰۰۰۰ شخص یورپ کے تابع ہیں، لیکن پہلے یہ بات نہ تھی یہی یورپ

جو آج فاتحانہ حاکم ہوا ایک ملتے میں مفتوح و محکوم بھی تھا۔

ایشیا و یورپ میں ہمیشہ سے ایک بین الاقوامی جنگ قائم ہوا اور تاریخی نظر سے دیکھا جائے

تو معرکہ مارٹن واقعہ سنہ قبل مسیح علیہ السلام، معرکہ سلامینہ واقعہ سنہ ۶۳۷ م، معرکہ بلاط

واقعہ سنہ ۶۶۱ م، معرکہ آربلیس واقعہ سنہ ۶۶۱ م، معرکہ کینی واقعہ

سنہ ۶۶۱ م، معرکہ زیاد واقعہ سنہ ۶۶۱ م، اور معرکہ الکٹیوم واقعہ سنہ ۶۶۱ م، یہی اسی

جنگ کے نتائج نظر آئیں گے۔

مشرق و مغرب کی یہ باہمی کشش و کوشش یوں تو ہمیشہ رہی لیکن اسلام کے بعد

سے نہایت ترقی کر گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مشرق نے فاتحانہ حیثیت سے مغرب میں فتح و سلطنتیں

لے۔ یہ مضمون ترجمان مشرق اور ریور آف ریورز سے ماخوذ ہے ۱۲

تکم کر لیں اور قریباً سات سو برس تک مغرب کے ایک سو بیس حصہ پر حکومت کی۔

ذیل میں ہم چند مشرقی سلطنتوں کا نقشہ دیتے ہیں جو ارض مغرب میں خصوصیت سے مشہور تھیں اور شان و شکوہ سے یورپ میں حکمران رہیں۔

سلطنت	دار السلطنت	تعداد سلاطین	سنہ ابتداء	سنہ اختتام
امویہ اندلس	قرطبہ	۱۹	۱۳۸	۴۲۲
مرابطین	غرناطہ	۵	۴۰۳	۴۸۳
بنی نوحین	سرقوشہ	۹	۴۱۰	۵۳۶
ناصریہ	غرناطہ	۲۱	۶۲۹	۸۹۷
حمودیہ	مالطہ	۹	۴۰۷	۴۴۹

یہ سب اسلامی سلطنتیں یورپ کے جنوبی مغربی حصے میں واقع تھیں اور تاریخوں میں ان کے واقعات تفصیل ملتے ہیں۔ یورپ کے شمالی حصہ (روس) میں بھی ایک مشرقی اسلامی سلطنت قائم تھی لیکن اس کے واقعات بہت کم ملتے ہیں۔

ہم اس مضمون میں اسی سلطنت کے واقعات لکھنا چاہتے ہیں، لیکن قبل اس کے یہ بتادینا ضروری ہے کہ روسی سلطنت کی ابتدا عہد قدیم کی تاریخی میں بالکل مخفی ہے۔ تاریخ سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ملاحہ میں بالٹک کے ایک مشہور قزاق ریور کے ایک ظالمانہ حکومت کی بنیاد ڈالی تھی۔ روسی اسی ریورک سے منسوب ہیں اور ان کا وحشیانہ جوش اسی قزاقی کا نتیجہ ہے جو انھیں اپنے مورث اعلیٰ سے وراثت میں ملا ہے۔

روس میں مشرقی سلطنت کی ابتدا یوں ہوئی کہ سال ۱۲۳۷ء میں مغلوں اور تاتاریوں نے بحر آصاف کے قرب و جوار میں فوج کشی کی اور آخر کو متواتر حملوں سے ۱۲۳۷ء عیسوی میں

روسیوں کو سخت شکست دی۔ فتوحات کا یہ سیلاب ۲۵۰ برس تک قائم رہا اور فاتحون نے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر لی جسکے حدود بحیرہ کاسپین سے دریائے والگا تک پہنچ گئے۔ اندرون ملک میں روسیوں کی بھی ریاستیں تھیں لیکن وہ سب خراج گزار تھے۔ کچھ ور کے بعد تاتاری سلطان بھی گئے اور غلام خون جن اسلامی جوشش آگیا۔

۱۳۲۵ء میں مسلمانوں نے کیف کو بھی فتح کر کے بواسطہ تھینس کی جہاد رانی روسیوں سے چھین لی اور ان کی جنگی طاقت کمزور کر دی۔

۱۳۶۳ء میں روسیوں نے پھر زور پکڑا۔ مغل حکمرانوں نے ان کے بگڑے ہوئے تہذیب کو دیکھ کر براہ دور اندیشی اسلامی فوج کی تعداد بڑھا دی اور حکم دیا کہ ڈمیٹری گرنیڈویوک ماسکو خود حاضر ہو اور مزید پیشکش حاضر کرے۔ اس درشت حکم کا نتیجہ یہ ہوا کہ روسیوں نے بشارت فوج سے دریائے وان پر مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور حملہ آوروں کو پس پا ہونے پر مجبور کر دیا۔ لیکن مسلمانوں نے بہت جلد اس ذلت کا بدلہ لیا، ۱۳۸۰ء میں ہولناک سادو سامان سے ماسکو چلے آ رہے اور دور دور کی جنگ غلوہ میں شہر کو فتح کر لیا۔

۱۴۰۰ء میں امیر تیمور نے بھی روس پر فوج کشی کی لیکن وہ صرف جہانگیری جہان پزی کا خواہشمند تھا، جہان داری و جہان پروری اُس کے مزاج کے موافق نہ تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ اُس نے خود کوئی سلطنت نہیں قائم کی۔

چودھویں صدی عیسوی کے اختتام پر مغلوں کے شان و شکوہ کی کوئی حد نہیں لگائی تھی شاہی سلطنت کمال پر تھی اور آفتاب اقبال نصف النہار پر، لیکن، عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا، اسی زمانے سے زوال بھی شروع ہوا اور نفاق و بغض و حسد کی بلا ساری قوم میں اس طرح پھیل گئی تھی کہ ذاتی فوائد پر قومی مصلحتوں کا قربان کر دینا ایک آسان کام تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طاقت

ضعیف ہو گئی اور اس قدر کمزوری بڑھی کہ شکلاہ میں جب ایوان ثالث پادشاہ روس نے حملہ کیا تو مغلون کو اطاعت و فرمان برداری کی شرط پر جان بچانا پڑی،

اس شکست سے مغلون کی طاقت گویا مال ہو گئی تھی لیکن انتقام کی تہہ پرین نہون نے پھر شروع کر دیں اور ایوان ثالث کے بعد شکلاہ میں جب اُس کا جانشین حکمران ہوا تو خاص دار السلطنت ماسکو پر فوج کشی کی اور یغارا کر کے شہر میں داخل ہو کر قصر شاہی کا محاصرہ کر لیا، پادشاہ نے تاوان جنگ سے کر صلح کی درخواست کی اور اطاعت کا حلف اٹھایا۔ ایوان رابع نے رفع مذمت کے لیے پھر مغلون پر حملہ کیا اور بہت سے روسی ضلوع ہو مغلون نے فتح کر لیے تھے پھر واپس لیے شکلاہ میں مغلون میں پھر جوش پیدا ہوا اور روس کے جنوبی شہر تاخت و تاراج کرنا شروع کیے اور جب روسیوں کی فوجی طاقت کا اندازہ کر لیا تو روسی فوج کو پارہ پارہ کر کے شہر میں آگ لگا دی۔ پادشاہ نے مع اپنے دو بیٹوں کے بھاگ کر ایک محفوظ قلعہ میں پناہ لی اور جب تک کہ مغلون کی فوج ملک کو برباد کرنے واپس نہیں گئی قلعہ سے باہر نہیں نکلا۔

روسیوں نے مجبور ہو کر مغلون سے ودائی صلح کر لی اور ہمیشہ قرار جزیرہ کے وعدہ پر جب ادھر سے اطمینان ہوا تو فوجی طاقت بڑھانے کی تدبیریں کرنا شروع کیں۔ ادھر مغلون کی کیفیت تھی کہ خواب غفلت میں سرست تھے اور باہمی نا اتفاقیان اتنی بڑھی تھیں کہ ہر ایک دوسرے کا بدخواہ تھا۔

۱۹۱۲ء میں مغلون نے گزشتہ فتح سے دلیر ہو کر پھر روسیوں پر حملہ کیا لیکن میں برس کی مسلسل جنگی طیار یوں کے بعد اب روس کی وہ حالت نہیں رہی تھی کہ مغل اُن کا مقابلہ کر سکتے۔ پھر بھی مغلی سلطنت کا سکے ایسا بیٹھا ہوا تھا کہ ارکان سلطنت نے جب تھیوڈور نوڈر

بادشاہ دوس سے فوج کی کمان لے کر متبادل کرنے کی درخواست کی تو اُس نے صاف جواب دیا کہ "جن مذہبی مقدس سینوں نے آج تک ان غلاموں سے ملک کی حفاظت کی ہے وہی اب بھی اس بار سے محفوظ رکھیں گے مجھ میدان جنگ میں جانے کی ضرورت نہیں، علاؤدین جاسکو شکست دیتے ہیں آئے تو پہنچا۔ فوج کو مدافعت کے لیے متبادل ہونا پڑا لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ غلاموں نے ایسی شکست فاش اٹھائی کہ ریاست و حکومت سب کچھ کھو بیٹھے اور وہی بہادر جن کے حملوں سے شمالی یورپ کا پتلا تھا بے تدبیری سے فاتحوں کے غلام ہو گئے،

مغلا بلخارشت مزاج تھے۔ سختی ان کی فطرت میں حاصل تھی۔ اور خاص کر جنگ میں ان کی ہتھیانہ کارروائیوں کی کوئی حد نہیں رہ جاتی تھی۔ لیکن خاص اپنی سلطنت میں اجنبی رعایا کے ساتھ (بقول مسٹر اسٹڈم) ان کا بڑاؤ نہایت شریفانہ تھا۔ مسائبوں کو ہر طرح کی آزادی دے رکھی تھی اور انھیں اجازت تھی کہ مذہبی رسوم خاطر خواہ ادا کریں،

مسٹر اسٹڈ لکھتے ہیں کہ "۳۰۰ برس سے زیادہ غلاموں نے روس میں حکمرانی کی۔ جنوبی روس میں ان کی حکومت ویسی ہی باضابطہ تھی جیسے بمبئی اور بنگال میں ہماری حکومت۔ شمالی اور وسطی روس میں انھوں نے اسی طرح حکومت کی تو جیسے کہ ہم ہندوستان کی اعلیٰ راج گرو ریاستوں میں حکومت کرتے ہیں۔ اس مشرقی سلطنت کا مشہور شہر مسرے تھا جسکی دلچسپیوں نے ایک ایرانی شاعر کو ایسا دارفتہ بنا دیا کہ وہ بے اختیار کہ اٹھا:

اگر سرے ہمیں ست دہران سرا بیار بادہ کہ من فارغم زہر د سرا

سرے کے قریب ایک اور شہر جنوبی ساحل دریائے والگا پر آباد تھا اور وہی غلاموں کا دارسلطنت تھا، اُس کا موقع ہستراخان کے موجودہ محل وقوع کے قریب قریب تھا اور وہیں سے حکمران

خانان روسیوں اور ترکوں پر پڑاں سے کاپین تک حکومت کرتا تھا۔ فرمان روا کا لقب خان عظیم تھا۔ عربی میں اس خاندان کو خانات العشائر الذہبیہ کہتے ہیں۔

مغولوں کا طریق حکومت انگریزی طرز حکومت سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا۔ سلطنت کے مختلف صوبوں میں دیسی قوانین نافذ تھے، عدالتیں بھی دیسی تھیں اور حکومت و گورنری کی خدمت بھی روسیوں ہی کے سپرد تھی۔ مذاہب عامہ کے ساتھ ان کی پالیسی صلح کل تھی اور مذہبی حکومت و مذہبی اقتدارات ایک خالص یونانی پادری کو سنبھالے تھے اور مذہبی گروہ ہر قسم کے ٹیکس سے بری تھا۔ بے تعصبی کا یہ عالم تھا کہ ایک پادشاہ نے خاص ایوان سلطنت کے پاس عیسائیوں کو گر جانے کی اجازت دی تھی اور عیسائیوں کے مذہبی تقریبات میں خود پادشاہ بھی شریک ہوتا تھا،

روسی شہزادے اپنے آپ کو ہم قوموں میں ذی رتبہ بنا چاہتے تو مغلی فوج میں آکر نوکری کرتے، ایم ایم یاد نے جسکی تاریخ روس سے زیادہ تر واقعات لیے گئے ہیں خان عظیم کی حکومت کا پر داز حسب ذیل مضامین خلاصہ کیا ہے:

(۱) روسی شہزادوں کی تاجپوشی کا اختیار صرف خان عظیم کو تھا۔ اسی وجہ سے حریف

روسیوں کو ہمیشہ فصل خصومات کے لیے دربار میں حاضر ہونا پڑتا تھا،

(۲) کسی روسی شہزادے کو خان عظیم کی مرضی کے خلاف باہم جنگ کرنے کی اجازت نہ تھی

(۳) ماتحت شہزادوں کے مقدمات میں خان عظیم کا فیصلہ آخری اور قطعی ہوتا تھا،

(۴) روسیوں کو جزیہ دینا فرض تھا،

(۵) جزیہ کی رسم میں اختیار تھا کہ نقد دی جائے یا سمور وغیرہ قیمتی کپڑے اُس کے

عوض میں دیے جائیں،

(۶) جزیرہ دسٹے شے کی جان و مال کی حفاظت سلطنت کے ذمہ نہ تھی۔

(۷) جزیرہ کی وصولی خیواس کے سوداگروں کے متعلق تھی۔ یہ سوداگر نہایت سخت گیر تھے۔

لہذا ان کے برتاؤ سے رعایا میں انتشار ماضی رہتی تھی۔

(۸) ایک روسی ریاست کو ایک سفرہ غذا سپامیون کی میا کرنا ہوتی تھی۔ یہ امر

خان شہزادہ کی مرضی پر منحصر تھا کہ جب چاہیں اس فوج کو طلب کریں اور یورپ و ایشیا میں جہاں چاہیں
اور جس سے چاہیں اس فوج کو لوٹنے کے لیے بھیج دیں۔

(۹) خان جلندہ کا پروانہ جب کسی روسی شہزادے کے پاس آتا تو شہزادے

کا فرض تھا کہ پایادہ قاصد کا استقبال کرے، راستہ سکھت فروش سے آراستہ ہو، قاصد کے وبرد

کو ان نعم کی جائے اور ایک پیاسے میں الشرفیان بھر کر اس کو نذر دی جائیں اور فرمان شہنشاہی وقت
شہزادہ و ورنافو خاموش بیٹھا رہے۔

(۱۰) دبار میں ماضی کی ضرورت موقوف تو پہلا فرض یہ تھا کہ خان اعظم کے وبرد شہزادہ

زمین بوس مو اور شربت کا ایک پیالہ پیش کش کرے۔
(عہدہ عادی)

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے انتقال سے ہندوستان کی ملی دنیا کو جو سخت نقصان

ہوا تھا اپنا پروردہ ناقابل تشریح و مرحوم نے اس آخری دور میں حدیث نبوی کی قابل قدر خدمت کی اور اپنے

آپ کو نمونہ بنا کر مسلمانوں کو دکھا دیا کہ ایک پابند مذہب مسلمان کا کیا طرز عمل ہونا چاہیے۔ سحر اسد لہ

و عفا عنہم ونبہ۔

شیخ محمد عبید

دنیا میں ہزاروں تغیرات ہوئے اور ہوتے رہیں گے، اور سچ یہ ہو کہ انہیں تغیرات سے دنیا کی دلچسپیاں قائم ہیں، سکندر نے ایشیا و یورپ کی قومی جنگ میں نیا دور پیدا کیا، پولین نے یورپ کی ہیئت بدل دی، جنگ جاپان و روس نے مشرقی زندگی میں ایک نئی روح پھونکی، لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ پولینکل تغیرات غلطی شان میں جس قدر باوقت اور ہونک نظر آتے ہیں دوام اور جست میں اسی قدر مرکز ثابت ہوتے ہیں، تغیر اسی کا نام نہیں ہو کہ بزرگ مشیر دنیا کا نقشہ بدل دیا جائے، تغیر اس کا نام بھی ہو کہ وحشیانہ لائف ایک مذہب علمی اخلاقی زندگی سے بدل دی جائے،

یہ انقلاب جس قدر دیکھنے میں معمولی نظر آتا ہو، اُسی قدر تاثیرات و نتائج میں دیرپا، مستحکم، اور غیر معمولی ہوتا ہو۔ رستم و ہنیاں کی شجاعت سے زمانے میں جو انقلاب ہوا وہ چند صدیوں کے بعد زائل ہو گیا لیکن کالون اور لوٹھر کے رفارم کا اب بھی وہی دور ہر جو ابتدائی حمد میں تھا،

کہتے ہیں۔ سٹے نامیوں نے تان کیسے کیسے؟ لیکن یہ سٹے دے میدان جنگ

اور اپنی مجلس کے نامور رہے ہونگے جن کے آثار نفا ہو گئے، ورنہ اخلاقی و علمی دنیا میں جن ناموروں نے
پیشانی کی شہرت حاصل کی وہ مر گئے لیکن اب بھی زندہ ہیں،

سید امرد کو نام فیسر دھرم گزردہ آن سے کشامش بنکولے بنزد
انہیں بزرگوں میں امام غزالی ابن رشد اور شاہ ولی اللہ تھے، اور انہیں کے
نقشبہ مہم پیشی محمد عبید چلے اور اس انداز سے چلے کہ زمانہ کی روش بدل دی۔

شیخ محمد عبید رحمہ اللہ پائلہ ہجری میں پیدا ہوئے اور جس گائون میں پیدا ہوئے
جس طرح وہ کورہ تھا اسی طرح جس خانہ ان میں پیدا ہوئے وہ بھی ایک دینی درجہ کا درجہ پیش
شرکاتی خانہ ان تھا۔ ان کے والد عبید بن حسن محلہ نصر مصر کے ضلع بحیرہ میں ایک
گائون کا نام ہے، میں تعلیم تھے اور مفتی شیخ محمد عبید بھی وہیں پیدا ہوئے اور ابتدائی
دنگی بھی وہیں بسر کی۔ حرف شناس تو گھر ہی میں ہو چکے تھے لیکن مکتب میں دسویں برس
داخل ہوئے اور دو برس میں مشران شریف حفظہ کر کے طنطا میں ایک عزیز کے یہاں قیام
کیا اور جامع احمدی میں تجویہ و قرات سکھنا شروع کی،

یہ واقعہ سنہ ۱۲۸۰ ہجری کا ہے، مفتی صاحب نے اسی زمانے میں بخوکی کچھ کتابیں بھی
پڑھ لی تھیں لیکن تعلیم کا طریقہ ایسا ناقص تھا کہ پڑھنے والے کو کتاب تو یاد ہو جاتی
تھی مگر مسائل میں کچھ بصیرت نہیں ہوتی تھی۔ استاد نے شیخ کفرادی جب پڑھا تا شروع
کی تو سبق تو ذہانی سن لیا جاتا تھا لیکن اصطلاحات نہ سمجھ میں آتے تھے اور نہ مناسب طرح
پر سمجھانے جاتے تھے۔ اسی حالت میں ڈیڑھ برس کا زمانہ گزر گیا اور مفتی صاحب
اس قدر گھبرا گئے کہ تحصیل علم سے ناامید ہو کر زمینداری کی نیت سے مکان واپس گئے
اور سنہ ۱۲۸۲ ہجری میں شادی کی

مرحوم فرماتے تھے کہ پہلی نفرت تھی جو بطریق تعلیم کی طرف سے پیدا ہوئی اور میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی نفرت فی صدی ۹۵ طالب علموں کے دل میں ہوگی، کہ مدرسین پڑھاتے جاتے ہیں اور متعلموں کی استعداد کا کچھ خیال نہیں کرتے اور جو جی میں آتا ہے بھجاتے ہیں، طلبہ کو اس کے سمجھنے کی لیاقت ہو یا نہ ہو۔ اس طریق کی مدامت سے شعور و احساس ابسا باطل ہو جاتا ہے کہ طبیعت انھیں باتوں کی خوگر ہو جاتی ہے اور پھر یہ نقص نظر بھی نہیں آتا، شادی کے چالیسویں دن والد نے پھر پڑھنے پر مجبور کیا اور ایک شخص کو ساتھ لیا کہ مفتی صاحب کو زیر دستی ملنا پونچا آئے۔ آخر ہزار وقت جانے کا سامان ہوا لیکن طبیعت کچھ ایسی متنفر تھی کہ مفتی صاحب راستے سے غائب ہو گئے اور بھاگ کر وہ کنیسہ اورین،، نامے ایک قصبہ میں، جہاں کچھ رشتہ داری بھی تھی آکر قیام کیا گاؤں کے نوجوان مفتی صاحب سے مل کر بہت خوش ہوئے، کیونکہ شہسواری اور شمشیر بازی میں مفتی صاحب کو اچھی ہمارت تھی اور اسی وجہ سے وہ بہت جلد نوجوان پارٹی میں ہر دلعزیز ہو گئے،

حسن اتفاق سے اس گاؤں میں شیخ درویش ایک صوفی مشرب بزرگ تھے، مفتی صاحب کی صورت دیکھ کر وہ مار گئے کہ یہ ہونا رخصت ہے۔ ایک روز تصوف کی ایک کتاب لے کر آئے اور مفتی صاحب سے کہا وہ ذرا اس کو پڑھنا تو۔ ضعف بھارت کی وجہ سے مجھے پڑھنا نہیں جاتا، مفتی صاحب نے بکراہت عبارت پر مدھر کر سنائی تو درویش نے کہا: تم اس کا مطلب بھی کچھ نہ سمجھو، اور نفی میں جواب ملنے پر اس نے بڑی وضاحت سے معنی بیان کیے اور حشرات بائیں سمجھائیں۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ ہم صحبتوں نے آکر غامش کی کہ قریب کے ایک دریا میں چل کر سیرنا چاہیے۔ مفتی صاحب سنتے ہی

آٹھ گھنٹہ ہوئے اور صحبت درویشی برہم ہو گئی۔ عصر کے بعد درویش نے پھر اگر کتاب کے پڑھنے کی خواہش کی مگر مفتی صاحب چند ہی منٹ کے بعد پیرا مذاق و دستوں کے ساتھ تفریح کر چلے گئے،

درویش صاحب اب روز آتے گئے اور تھوڑا بہت پڑھانے لگے، کتاب تھی تصوف کی اور دیکھ پ، اور خود وہ طلیعی اللسان تھے، اخلاقی باتیں اس صفائی سے سمجھاتے کہ بہت جلد طبیعت قبول کر لیتی اور پانچ ہی روز میں اس طرز تعلیم کا یہ نتیجہ طہا ہر ہوا کہ مفتی صاحب کو لہو و لعب وغیرہ سے نفرت ہو گئی۔ ساترین دن مفتی صاحب نے پوچھا:

”آپ کا طریقہ کیا ہے؟“

”اسلام۔“

”اسلام کس کا طریقہ نہیں؟ سب ہی مسلمان ہیں۔“

”سب لوگ مسلمان ہوتے تو ذرا ذرا سے اختلافات پر باہم نہ لڑتے اور خدا کی جھوٹی قسم نہ کھایا کرتے۔“

یہ جملہ ایک شعلہ تھا جسے خرمن ہوا و ہوس میں آگ لگا دی اور یہ خیالات کہ، ہمارا ہی مذہب صحیح ہے اور رہائے سوا کسی مسلمان کو نجات نہیں ہو سکتی، بالکل مٹا دیے اب مفتی صاحب کی زندگی میں انقلاب آگیا اور چند ہی روز کی تعلیم میں مایک صوفی صافی بن گئے،

جمادی الآخرہ ۱۲۸۵ ہجری میں اس صحبت کو الوداع کہہ کر طعنا جانا پڑا، وہاں پوچھکر شیخ درتانی شروع کی لیکن ایک شخص کی ہدایت سے طعنا کو خیر باد کہہ کر مصر پونچھے اور جامع انہر میں پڑھنا شروع کیا،

۱۳۸۱ ہجری میں سید جمال الدین افغانی مصر میں وارد ہوئے اور علم و فضل سے
مصریوں کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ مفتی صاحب بھی اُن کی صحبت میں حاضر ہوتے تھے، لیکن محرم
۱۳۸۲ ہجری سے جب سید صاحب کے درس میں شریک ہوئے اور ریاضی و فلسفہ و علم کلام کی
کتابیں پڑھنا شروع کیں تو عوام میں طرح طرح کی بے گمانیاں پھیل گئیں اور فساد عقائد کا چرچا
ہونے لگا،

اُن دنوں مصر کی تعلیمی حالت بہت مبتذل تھی، صرف غوغوہ و غیرہ کی تعلیم دیا جاتی
تھی، اور وہ بھی اس طرح کہ پہلے اصل کتاب پڑھاتے، پھر اُس کی شرح، پھر اُس کے حواشی
اور بسا اوقات حواشی کی شرحیں پڑھائی جاتیں، مقولات کا بالکل رواج نہ تھا، چنانچہ
مفتی صاحب نے جب اس طرف توجہ کی تو بے شکل ایک کتب خانے میں قطبی کا ایک نسخہ ملا
وہ بھی ناقص تھا،

قریباً آٹھ برس تک سید صاحب کا ساتھ رہا، مفتی صاحب نے اس مدت میں اُن سے
اکثر کتابیں پڑھیں اور مضمون نگاری اور ایچ بی سی کے خاص مہارت ہم پونچائی، علوم جدیدہ
سے بھی واقفیت حاصل کی اور فی الجملہ زمانے کی روش سے بے خبر نہ رہے۔ لیکن خیر بیان
تعیین جن سے طلباء کے گروہ میں وہ بدنام ہوئے اور جامعہ ازہر کے فائسل امتحان میں بے وقت
انکسٹریٹ کی سند ملی،

۱۳۹۱ ہجری میں تکمیل تعلیم کے بعد کتب بینی کا شوق ہوا اور قدمائے فلاسفہ کی
جس قدر کتابیں ملی سکیں مطالعہ کیں ۱۳۹۵ ہجری میں مدرسہ دارالعلوم کے مدرس مقرر ہوئے
طلبہ کو مقدمہ ابن خلدون کا درس دیتے تھے، فلسفہ تاریخ کے اصول بیان کرتے تھے اور
ابن خلدون پر ریمارک بھی کرتے جاتے تھے بعد میں یہ ریمارکس ایک کتاب کی صورت میں

(ترتیب ہوئے)

۱۱۹۶ھ ہجری میں وزیر عظمیٰ ریاض پاشا کے حکم سے سرکاری گزٹ "وقائع مصریہ" کے ایڈیٹر مقرر ہوئے، قانون مطبوعات وضع کیا، ہر رشتہ تعلیم کے لیے ایک انجمن قائم کی، اور مختلف سرکاری عہدوں میں ترقی کی۔

فتنہ عراقی پاشا میں مفتی صاحب پر بھی شرکت کا جرم قائم کیا گیا، اور تین برس کے لیے محکوم کر دیے گئے۔ اس جلائے وطنی کے زمانے میں کچھ دن بیروت میں رہے، پھر پیرس جا کر رسالہ "نورۃ الوثقی" شائع کیا، اپنی یورپ سے ملے اور علوم جدیدہ میں تبحر پیدا کیا۔ تین برس کے بعد سترانس سے واپس آنے پر توفیق پاشا نے مصر میں محکمہ قضا میں ان کو چارج مقرر کیا اور کچھ روز کے بعد جامع ازہر کے ٹرینی شپ میں جگہ دی، پالیس برس کی عمر میں مفتی صاحب نے فرانسیسی زبان سیکھی، طلب صادق کا یہ حال تھا کہ سویٹزرلینڈ کے آخری سفر میں معلوم ہوا کہ کسی یورپین کتب خانے میں ملوک حمیر کی کچھ یادگارین ہیں اور ان سے تمدن عرب کے بعض قدیم تاریخی حالات معلوم ہو سکتے ہیں مفتی صاحب دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے اور خاص اسی غرض سے خط مستدیکھا تاکہ الواح اور کتب بے پڑھ سکیں۔

تاریخ، تفسیر، ادب، اور علم توحید میں ان کی کتابیں یادگار ہیں، جن میں کتاب التوحید، تفسیر سورۃ فاتحہ، تفسیر سورۃ العصر، تفسیر غنیۃ النون، حواشی بصائر تفسیر، شرح نوح البلاغ، شرح مقالات برج ہدائی شائع ہو چکی ہیں۔ اول الذکر کا اردو میں بھی ترجمہ ہوا ہے،

صاحب موصوف شاہ میں مصر کے مفتی عظمیٰ مقرر ہوئے اور اسی عہدہ پر ۱۲۶۳ھ ہجری کو بمقام اسکندریہ وفات پائی۔ اناسہ وانا الیہ راجعون سرکاری

اسلام سے جنادہ بڑی دھوم دھام سے اٹھایا گیا، ارکان دولت، افسران فوج، علمائے کرام اور بزرگان قوم جلو میں تھے۔ فوج کا ایک دستہ ساتھ تھا اور اتنی بند بچ رہا تھا، شایعت میں لا رسول بھی شریک تھے۔ جنادہ اسپش ٹرین میں اسکندریہ سے قاہرہ لایا گیا۔ شیخ جامع ازہر نے نماز و حوائی۔ مجمع کی حد نہ تھی، علما، فضلا، حائذ ملک، اہل علم، شعرا، مسلمان، عیسائی، یہودی، قطعی، انگریز، امیر، غریب، لکھ، بٹے، ہر طبقہ کے لوگ موجود تھے اور ہر سوسائٹی میں اکھاٹم ہوا، مرحوم، جدید و قدیم دونوں فرقوں میں معزز تھے، جدید فرقہ ان کو اسلام کا مٹھ دیا، تھن عرب کا صلح اور علوم اسلامیہ کا عظیم الشان رنارہ سمجھتا تھا، تہا است پسند علما میں بھی وہ غیر معمولی حیثیت سے ہر و عزیز تھے، ہر چند کچھ لوگوں نے مخالفت بھی کی لیکن مرحوم کا علمی پایہ بلاغت و ادب و کلام میں ایسا بلند تھا کہ لوگوں کو مجبوراً ماننا پڑا،

مرحوم کا لباس ہمیشہ عربی تھا۔ وضع کے اس قدر پابند تھے کہ توفیق پاشا کے عہد میں ایک مرتبہ حکم ہوا کہ تمام ملازمین طربوش (ترکی ٹوپی) پہنا کرین، مفتی صاحب نے جب اس کے خلاف ورزی کی تو ریاض پاشا وزیر عظم نے بہت سمجھایا لیکن انھوں نے ایک دہائی اور آخر اس پابندی سے شتھ کر دیے گئے،

ایک بڑی خصوصیت مفتی صاحب کی یہ تھی کہ تعلیم کے لیے ایسی کتابیں انتخاب کرتے تھے جو عقلی مناقشات و خلاصہ سے پاک و صاف ہوں، فن بلاغت میں انھوں نے دیکھا کہ اسکی تعلیم کا طریقہ بُرا ہے اور جو کتابیں زیر درس ہیں، ان سے فن نہیں آتا۔ مرحوم نے اسکی اصلاح فرمائی اور مکمل الامجاز کو، جن کے نسخے آیا اب تھے، تصحیح کر کے پھیلوایا اور خود اس کا درس دیا۔ آخر لکھنؤ کے صاحب زادہ کے نصاب تعلیم میں بھی داخل ہے۔

منطق میں بھی کفایت تھی، مرحوم نے نقض رفع کرنے کے لیے بصائر نصیر پر شاہ

انکر غور اسکوپ چھپوایا۔ یہ کتاب مفتی داد پڑیں الدین عمر بن سلطان السادی کی سیست پر
شیخ اشراق جیسے ملا سکرام اس کا درس دیتے تھے۔ ۵ رجب ۱۳۳۲ ہجری سے جامع امام
مصاب تعلیم میں داخل ہوا

ہندوستان میں جو فرقہ جدید ہو، انکو ملا اس لیے نہیں مانتے اور نہ مان رکھتے تھے کہ
علوم عربیہ سے واقفیت نہیں۔ مفتی صاحب علوم قدیمہ و جدیدہ دونوں کے حامی اور کوشش کرتے تھے
نئی پڑائی کی نامحدود آزادیوں کو وہ بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ علامہ شبلی نعمانی جن دونوں صریح
تھے قحط مصر سے عموماً ملاقات رہتی تھی۔ ایک دن دوران گفتگو میں مفتی صاحب مرحوم قدیم
تعلیم کی شکایت کرتے تھے لیکن علامہ نعمانی نے جب جدید تعلیم کے متعلق استفسار کیا تو ان سے
میں کلام اخلاقی تبدیل لایا۔ ان سے بھی شک نہیں۔

مرحوم کی علمی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہو کہ جامع ازہر میں قرآن پاک کا عربی شیخ
تھے اور اصول جدیدہ سے آیات کی تفسیر کرتے تھے، عربی زبان کہلاتے تھے کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں
میں عام ہو جائے، بہر حقیقت میث دی جائیں، ولوں میں اسلام کا خالص جوش پیدا ہو سکے
علوم کی تعلیم جدید طرز پر دی جائے، جامع ازہر ایک عظیم الشان اسلامی یونیورسٹی قرار پائے،
افسوس ہو کہ ان کی وفات سے ان سب چیزوں کو نقصان پہنچا اور مسلمانوں کی عام فہمی برباد ہو گئی
وہاں تک قیاساً سارے ماسد و واحد و لکنہ بقیات خود مرگئے
(مفتی صاحب کے علمی کارناموں کا ہم کسی آئینہ و نیرین تفصیلی تذکرہ کریں گے)

غلام فرم

عبد اللہ عابدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زندہ

زندہ کے متعلق خبریں

گفتگو کی آب و ہوا کے خراب ہو جانے کی وجہ سے، دارالعلوم ندوہ میں ۱۵ دن کی قطعی بندی لگئی، جو ۱۰ ستمبر ۱۹۸۱ء کو ختم ہوئی۔

مولوی غلام محمد صاحب مولوی ندوہ کی طرف سے دورہ کے لیے روانہ ہو گئے، وہ بھولائی
محکم آباد، بڑوہہ وغیرہ کا دورہ کرتے ہوئے رنگون جائیں گے،

جائے پاس ابتدائی تعلیم کی انتظام کے لیے کثرت سے درخواستیں آ رہی ہیں، دارالعلوم ندوہ
میں جس سے کم عمر کا لڑکا داخل نہیں ہو سکتا، اگر کچھ ایسی ابتدائی تعلیم کے لیے کوئی انتظام
ہو گا تو اس پر اگر لڑکے اپنے محکمہ کو آئیں، اگر بری تعلیم دلا تا چاہتے ہیں، اس کی

خواہش ظاہر کرتے ہیں کہ اگر ابتدائی تعلیم کا انتظام نہ وہ بین کیا جائے تو وہ اپنے بچوں کو ابتدائی تعلیم بیان دلا کر، انگریزی مدارس میں داخل کرین، یہ درخواستیں اکثر انگریزی تعلیم یافتہ حضرات کی طرف سے آتی ہیں، جس سے اجابت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس گروہ میں بھی جن لوگوں کو کسی قسم کا تعلیمی احساس باقی ہے وہ بچہ کی ابتدائی تعلیم کے ساتھ مذہبی تربیت و تعلیم ضروری سمجھتے ہیں، ہمارا خیال ہے کہ اگر نہ وہ بین ابتدائی تعلیم کا انتظام کیا جائے تو لوگ نہایت کثرت سے اپنے بچوں کو یہاں بھیج دیں گے، اور یہ طریقہ نہایت مفید ثابت ہو گا، کیونکہ جو گروہ اس وقت تک مذہبی تربیت سے محروم ہے، اسکے لیے اسکے ساتھ ساتھ اور کوئی تہذیب نہیں ہو سکتی، اس بنا پر ہم ارکان نہ وہ کی خدمت میں التماس کرتے ہیں کہ وہ جس قدر جلد ہو سکے اسکی طرف متوجہ ہوں،

ارکان نہ وہ سے ایک بڑی غلطی جو ابتدائین ہوئی اور اب تک قائم ہے، وہ یہ ہے کہ جس اسکے کو کافی سرمایہ جمع ہو کر اسکی آمدنی سے نہ وہ کے مصارف ادا ہوتے، سالانہ عطیات کے بھروسہ پر کام چلایا گیا اور اب تک چلایا جا رہا ہے، اس غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ پونہ چند وغیرہ تمام مدارس اسلامیہ میں بھی طریقہ جاری ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ طریقہ بالکل غیر مستقل اور ناقابل اعتماد ہے، اس بنا پر ۲۰ ستمبر ۱۹۱۸ء کو دارالعلوم کا ایک اجلاس ہوا، اور باتفاق ارکان یہ قرار پایا کہ سر دست لکھنؤ اور اطراف لکھنؤ سے عام چندہ کر کے متعلق تہذیبین اختیار کیا جائیں، چنانچہ جناب منشی احتشام علی صاحب کو یہ کام سپرد کیا کہ وہ ایک تفصیلی یادداشت تہذیب و اصولی چندہ کے متعلق قلمبند کر کے پیش کرین اور وہ منظور ہو کر فوراً کارروائی شروع کی جائے۔

انشاء اللہ کے آقا دین، عام چندہ کے لیے نہ وہ کا ڈپوٹیشن اطراف ملک میں روانہ ہو گا۔

موبدان مجوس

(ہندوستان میں)

مسلمانوں کا تاریخی سرمایہ جو بہت کچھ مفقود ہو چکا، اور ہوتا جاتا ہے، اسنے علاوہ اور بہت سے نقصانات کے سب سے بڑا نقصان یہ پونچا یا کہ خود مذہب اسلام کے متعلق دنیا کو عجیب عجیب غلطیاں اور بدگمانیاں پیدا ہو گئیں، اور ہوتی جاتی ہیں، یہاں تک کہ اب خود مسلمان بھی ان غلطیوں سے بچ نہیں سکتے، وہ بھی مذہب کی حقیقت وہی سمجھتے ہیں جو معلومات کے مفقود ہونے نے کئی سو برس سے قائم کر دی ہے۔

اہل یورپ کا خاصہ یہ کہ وہ ہر زمانہ واقعہ کو عموماً علت و معلول فرض کر لیتے ہیں، مثلاً جب تاریخ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے بعد ایرانیوں کا اثر پھر بڑا دہو گیا تو وہ قطعی طور سے فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ اسلام ہی کے طرز عمل کا نتیجہ تھا،

اسی طرح جب وہ دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کی کسی اسلامی تاریخ میں پارسی قوم کے معابد کا، پیشوایان مذہبی کا، تصنیفات کا، تعلیم و تلقین کا، پتہ نہیں چلتا، تو ان کو یقین ہو جاتا ہے کہ سلاطین ہندوستان نے تعصب کی وجہ سے یا تو سرے سے اُن کو ملک میں گھسنے نہ دیا یا ایسی

اگرچہ اس ناممکن صنعت پر ہم یقین نہیں کر سکتے، لیکن اس سے انکار کی کوئی وجہ نہیں کہ
آذرکیوان نے اپنی کوئی تصنیف ضرور بھیجی تھی،۔

آذرکیوان نے تو آنے سے انکار کیا، لیکن ایک دوسرا موبہ جبکا نام اردو شیر تھا، حسب
طلب آیا اور اپنے ساتھ مذہبی آتش کدہ کی آگ بھی لیتا آیا، چنانچہ اسکی حفاظت اہتمام شیخ ابوالفضل
کے سپرد کیا گیا یہ آثار الامر کی روایت ہے، لیکن دبستان مذاہب کے مصنف نے صاف تصریح کی ہے
کہ آذرکیوان ہندوستان میں آیا اور عظیم آباد پٹنہ میں سکونت کی، اور ۱۲۰۰ھ ہجری میں ۸۵ برس
کے سن میں انتقال کیا۔

ممکن ہے کہ یہ آذرکیوان وہ نہ ہو جسکا ذکر آثار الامر میں ہے، بلکہ کسی اور موبکا نام ہو، بہر حال
یہ آذرکیوان، اسفندیار کے خاندان سے تھا، دبستان میں اسکا پورا شجرہ نسب لکھا ہے
بچپن ہی سے وہ مراض اور گوشہ نشین تھا، ۱۸ برس ختم میں بیٹھا۔ علوم و فنون میں یہ کمال حاصل
کیا کہ لوگ اسکو ذوالعلوم کے لقب سے پکارتے تھے، عربی زبان کا بھی ماہر تھا۔ فقہاء و صوفیہ
اس سے ملتے جلتے تھے اور ان سے پُر لطف صحبتیں رہتی تھیں، ایک دن کسی فقیہ نے پوچھا
کہ آپ جالورون کے مارنے سے کیوں منع کرتے ہیں، بولا کہ جو لوگ کعبہ کا احرام باندھتے ہیں،
ان کو جالور کا مارنا حرام ہے، دل بھی، کعبہ ہی ایسے جو لوگ اسکا احرام باندھتے ہیں ان کو جالورون
کا مارنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

ایک دن ایک شخص نے آذرکیوان سے کہا کہ میں سوداگر تھا، رہزنیوں کے ہاتھ سے
شنگ آکر آخر درویشی اختیار کی۔ آذرکیوان نے کہا کہ اب تم خود رہزنی
کر دو گے۔

آذریوان کی تصنیفات سے جام کبخر و کا ذکر دبستان میں کیا ہے۔
اور اس کے اشعار بھی نقل کیے ہیں جو ذیل میں درج ہیں۔

چرا باده نیا برگد شتم روان	رسیدم سوے پاک فنج روان
ہستم از بود نیھا ہمہ	نشدم با سروشش بودگ رمہ
در دجوان سے برتری یافتم	فرغے زیزدان سے یافتم
جو بلرزود پر تو ہر رفت این منی	سروشے تاباید اہر منی
خدا بود و از من نشانے نبود	فراوش و یاد روانے نبود
ہمہ را از خود سایہ می یافتم	یہ ہوشش سروشان ہی یافتم
ز خوشان ہی یافتم بر روان	چنین تابہ اندام با نیز خان
فراتو داناد والا بدم	چنین تا اذان پایہ زیر آدم
بران رہ کہ رفتم شدم سوی زن	اصدا یزدی فروزان انجمن
خداوند را پایہ زان بر ترست	کہ آمیزش بندہ را در خورست
ز دریائے مستیش میگفتے نے	نم نم بگو چیت بودش نے
ز ہر او نوار شش کند بندہ را	کہ برداشتن شاید اگلندہ را
کہ ارا تو نگر کند مہر او	جہان پر توے از خو چہر او
مراد را جز او کس نیار مستود	کہ او در نیاید گفت و شنود

آذریوان کے تلامذہ کثرت سے تھے، ان میں سے چند ممتاز شاگرد جن سے
صاحب دبستان نے ملاقات کی تھی اور ان کی صحبت سے فائدہ اٹھایا تھا ان کے نام اور
مختصر حالات حسب ذیل ہیں۔

خراوا اسکا مورث اعلیٰ نوز شیروان کی خوان سالاری کا منصب رکھتا تھا۔ خراو نے شیراز میں آذرکیوان کی شاگردی اختیار کی اور ایک مدت تک سخت ریاضتیں اٹھائیں، سترہ ہجری میں انتقال کیا۔

فرشید و رو یہ بھی شیراز میں آذرکیوان کے فیض سے مستفید ہوا اور ہندوستان میں سترہ ہجری میں وفات پائی۔

خر و مند سام نریمان کے خاندان سے تھا۔ مصنف دبستان پٹنہ میں ان بزرگوں سے ملتا تھا چنانچہ خود لکھتا ہے: گردآور نامہ در پٹنہ میں چار آزدادہ یعنی خرا، فرشید، درو، و ہمن و خرو مند را دید۔ دو عاے خیر بارہ نامہ نگار بجاے آوردند۔

ہرام ابن فرہاد، گودرز کے خاندان سے تھا، آذرکیوان جس زمانہ میں پٹنہ میں تھا، ہرام، شیراز سے چل کر پٹنہ میں آیا اور تکمیل نفس میں بڑی محنتیں اٹھائیں، اسنے فلسفہ کی تمام شاخوں میں کمال حاصل کیا تھا، اور ان فنون میں عربی، پہلوی، اور فارسی زبانوں کی تصنیفات سے واقفیت حاصل کی تھی، عربی فلسفہ کی کتابیں خواجہ جمال الدین عمود سے جو علامہ دوانی کے شاگرد تھے پڑھی تھیں۔ تجارت کے ذریعہ سے بسر کرتا تھا۔ سترہ ہجری میں بمقام لاہور وفات پائی۔ ہرام کی تصنیفات میں سے تین کتابیں زیادہ مشہور ہیں، شارستان دانش۔ گلستان بنیش۔ شارستان۔

مصنف دبستان نے پارسیوں کے عقائد و خیالات، اکثر انھیں کتابوں سے لیے ہیں۔

نوشیار۔ سورت میں پیدا ہوا، رسم کے خاندان سے تھا۔ نہایت راست باز و دلیر صاحب تدبیر و مقدمہ فہم تھا، آذرکیوان کی صحبت اٹھائی تھی، ایک ایک پتر تک جس نفس

کر سنا تھا، کھانے پینے میں سی چیز سے پرہیز نہیں تھا۔ ششہ جبری میں بقیام آگرہ وفات پائی۔
سرودستان کی تصنیف ہو۔

موبد سروش۔ زردشت کی نسل سے تھا، عربی اور فارسی کے ساتھ

ہندی زبان بھی جانتا تھا۔ عربی ہرام بن فرناو سے حاصل کی تھی۔ تمام عمر شادی نہیں کی۔ گوشت
بھی نہیں کھاتا تھا۔ اسکی تصنیفات کثرت سے ہیں، مثلاً نوش دارو۔ سبکگین۔ زردشت افشار
وغیرہ۔ محمد حسن ایک قابل کا بیان ہر کہ میں نے خدا کے ثبوت میں ۳۶۰ دلیل اسکی زبان سے
سنیں لیکن انکو قہقہہ کرنا چاہا تو ذکر سکا، اکثر خرافاتی عادات اس سے صادر ہونے لگے مصنف
دبستان نے ششہ جبری میں اس سے بقیام کشمیر ملاقات حاصل کی تھی۔

خدا جسے ہرات کا باشندہ تھا، مدت تک جویا سے حق رہا آخر خواب میں

ہدایت ہوئی کہ آذکیوان سے فیض حاصل ہوگا چنانچہ موبد خوشی کے ساتھ اسطرگیا اور آذکیوان
کے حلقہ میں شانی ہوا، عربی اور فارسی زبان میں مہارت کامل رکھتا تھا، اکثر چپ رہتا تھا، اور
لوگوں کے اصرار سے گفتگو کرتا تھا، آذکیوان کی مشہور کتاب جام کیمخسرو کی شرح لکھی ششہ
میں بقیام کشمیر وفات پائی مصنف دبستان نے یہیں اس سے ملاقات حاصل کی تھی۔

موبد خوشی، ایک مدت تک حق کی تلاش میں تمام دنیا میں پھرتا رہا، آخر آذکیوان

کی خدمت میں پہنچا اور اس سے مقامات سلوک تحصیل کیے، اسکی تصنیفات سے بزمگاہ

ایک مفید کتاب ہے جس میں اسے آذکیوان کے بارہ شاگردوں کے حالات اور واقعات

لکھے ہیں، ان شاگردوں کے یہ نام ہیں، اردشیر۔ خرداد۔ شیرویہ۔ خردمند۔ فرہاد۔ سہراب۔

ازادہ۔ بیژن۔ اسفندیار۔ فرشیدورد۔ بہمن۔ رستم۔ مصنف دبستان نے آذکیوان کے

شاگردوں کے حالات زیادہ تر اسی کتاب سے لکھے ہیں

بہرام بن فرشاوار ڈنگانی اسکی تصنیف ہے۔ آذرکیوان کا شاگرد تھا لیکن کلیل

بہرام کی خدمت میں کی، ششہ ہجری میں بہ مقام لاہور وفات پائی، شیخ شہاب الدین مقتول سہروردی کی تصنیفات جو فلسفہ اشراق کے متعلق تھیں ان کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا تھا، ایک عجیب بات یہ ہے کہ عربی۔ فارسی۔ اور ہندی کے علاوہ یورپ کی بعض زبانیں بھی جانتا تھا۔ اکثر کتابت کا شغل رکھتا تھا، اور نہایت قلیل الفاظ تھا، مصنف دبستان کا بیان ہے کہ میں نے ششہ ہجری میں اسکو لاہور میں دیکھا تھا ایک رات دن متصل دو روز ایک مقام پر بیٹھا رہا اور ذرا جنبش نہ کی۔

موید پرستار، پٹنہ میں پیدا ہوا، بچپن میں آذرکیوان کی صحبت اٹھائی اور زیادہ تر

فیض موید سروش سے حاصل کیا، پترہ سو بدی اسکی تصنیف ہے،

شیدوش بن انوش۔ زردشت کے خاندان سے تھا۔ اسکا باپ آذرکیوان کا

تربیت یافتہ تھا، نہایت خوش لباس تھا، اور بڑے کروفر سے زندگی بسر کرتا تھا، غور دا اور وجہ تھا ششہ ہجری میں کشمیر بن بیار ہوا، اور زمین وفات پائی۔ نزع کی حالت میں حضرت نور بخش کے یہ اشعار پڑھنے شروع کیے۔

ایکے قطرہ ام از محیط وجود	اگر چہ نہ داریم کشف دستود
من از قطرہ کی گشتہ ام بن نفور	خدا یا رسا نم بہ دریا سے نور

انیر شعر پر دم نکل گیا،

مصنف دبستان نے اسکا مرثیہ لکھا جسکے چند شعر یہ ہیں،

شیدوش تار دیدہ من بر کرانشد	اگر خیم خانہ بود بہ سر رود خانہ شد
آرام گاہ طائر قدسی سپر بود	زین لپست آشیان بہ فراز آشیانہ شد
جاننش بہ ذات حضرت جان آفرین شد	بیرون ز قید جبرج و زمین و زمانہ شد

یہ نام موبد جن کا ذکر مہو، آذر کیوان کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے،
مصنف، اہستان نے اور موبدوں کے نام بھی لکھے ہیں ہم نے ان کو قلم اندا کیا،
سہ انون کی بنی تعصبی کا اس سے زیادہ کیا بنوت موبکا کہ بت سے سلمان فضلانے
آزادیان کی شاگردی اختیار کی، اور چونکہ وہ سوجہ اور صوفی تھا، اسلئے سلوک کے مقامات اس سے
محکم تھے، ان میں سے محمد علی شیرازی، محمد سعید اصفہانی، عاشور باگ، محمود باگ کا حال مصنف
اہستان نے تفصیل سے لکھا ہے۔ دونوں کو یہ ستریت ہو گئی کہ شیخ بہار الدین عالمی نے بھی ذکر کیا ان
کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا، سچ ہے۔
ہیچم ذوق طلب، زجستہ باز مہر، اشت، دانہ می چہ، م من آن شے کہ خرمن ہشتم

مناظر کا ایک جلوہ

مناظر سے ہماری مراد، علم مناظر و مرایا، ہے، اور اس مضمون میں ہم یہ دکھانا چاہتے
ہیں کہ مناظر کی ابتدائی حالت کیا تھی؟ یونانیوں نے کس درجہ تک اس میں ترقی کی اور مسلمانوں
نے اس کو کس حد تک پہنچایا؟ ساتھ ہی ہم یہ بھی دکھائیں گے کہ موجودہ علمی ترقی کو اسلامی تحقیق
سے کہاں تک فائدہ پہنچا اور اہل یورپ اس بارے میں کس قدر مسلمانوں کے احسان مند ہیں۔
یہ ہم کو یہ نہیں معلوم ہے کہ علم مناظر کی ایجاد و انکشاف کا فخر کس قوم کو حاصل ہے، لیکن کتاب
در انعکاس الشعاع و الغطاء، کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یونانیوں کو شعاع کے متعلق کچھ باتیں مل
گئی تھیں، جن کی بنا پر انھوں نے مناظر کے ابتدائی اصول مقرر کیے تھے۔ کتاب مذکور کی عبارت یہ ہے:
الف اس نام کی دو کتابیں ہیں ایک محقق طوسی کی اور ایک ملی بن منصور قزوینی کی اور یہی آخر لفظ کتاب ہماری منقول ہے

یونانیوں کو خود اس فن میں دسترس نہ تھی۔ غیر تو مومن سے
کچھ چیزیں مل گئی تھیں جن کی بنا پر انھوں نے عمارت کھڑی کر دی

لہذا ان کے لیے وہاں اوجہ الاشیاء عن قوم
اخرین فابتنوا علیہا العلاف والقصور

اس کے بعد صاحب کتاب نے وہ چیزیں بیان کی ہیں، جو اس فن کے لیے یونانی عمارت
میں داغ بیل کا کام دیتی رہیں، لیکن وہ اس قدر معمولی چیزیں ہیں کہ انکی تلخیص چند جملوں میں کی جاسکتی ہے
مثلاً ابتدا میں رسے قائم کی گئی تھی کہ: مناظر کی حالتیں باختلاف اوضاع ہیں، شعاع بصارت میں آنکھ کا
آلہ ہوا و رہی وجہ ہر کہ جس چیز پر شعاع پڑیگی صرف وہی نظر آئیگی، بان یہ ضرور ہر کہ شعاع انھیں اجسام
میں متذبذب ہو سکتی ہے جن میں اُس کے نفوذ کی قابلیت ہو، امتداد شعاع کے لیے انتہائی القیال شرط ہو
اور انعکاس کے لیے لازم ہر کہ سطح مستوی اور چمکدار ہو جس سے شعاع نکل کر اپنے مقابل پر انعکاس ہوگی
اور اگر وہ سطح مقابل آب ساکن کی طرح شفاف ہو تو اُس میں شعاع نفوذ کر جائیگی اور پھر جہت ذوالشعاع
کی سمت منحرف ہوگی، جہات شعاع میں اگر پستی و بلندی وغیرہ کا اختلاف ہو تو مرئیات میں بھی اسی
حساب سے اختلاف ہوگا۔

یہی چیزیں تھیں جن کی بنا پر یونانیوں نے مناظر کی بنیاد ڈالی اور گوان کی عمارت بھی عظمت
و شان کی حیثیت سے چند ان قابل توجہ نہیں ہے، لیکن اس حیثیت سے خاص تذکرہ کے قابل ہر کہ اُس سے
عہد بعد کی ترقیوں کا پتہ چلتا ہے۔ یونانیوں نے مناظر میں ۶۱۔ اصول قائم کیے تھے اور عقلی دلیلوں
سے انھیں اصول کو مختلف شکلوں سے ثابت کیا تھا، جن کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

(۱) بہت سی چیزیں ایسا رنگی نظر نہیں آسکتیں جب تک کہ ان میں سے کوئی ایک مقصود نہ ہو۔
(۲) جو چیزیں مقدار میں برابر ہوں مگر فاصلہ میں مختلف ہوں، ان میں جو چیز زیادہ قریب ہوگی
وہی ٹھیک بھی اور بڑی بھی نظر آئے گی،

(۳) مزیات کے لیے ایک حد مقرر ہونی چاہیے کہ جب اُس سے گزر جائے تو نظر نہ آئے،۔

(۴) جو چیزیں کمقدار میں بڑا اور خط واحد پر ہوں، اُن میں جس چیز کی طرف سمت شعاع ملو گی وہ چھوٹی نظر آئے گی۔

(۵) خطوط متوازیہ جہ آکھ سے نیچے ہوں دو سے مختلف بعض کے نظر آئیں گے،

(۶) مقدار میں جو چیزیں برابر ہیں مگر آکھ سے مختلف درجہ کے فاصلہ پر ہیں، وہ بڑائی میں بھی مختلف نظر آئیں گی

(۷) جو چیزیں مقدار میں متساوی و متوازی ہوں، اُن کے دیکھنے کا اختلاف فاصلہ کی نسبت سے ہوگا۔

(۸) تحت البصر سطحوں میں جو سطح بہت دور ہوگی وہی سب سے بلند نظر آئے گی، اور اسی طرح جو سطح فوق البصر ہوگی وہ سب سے پست نظر آئے گی۔

(۹) حد واحد کی تحت البصر مقداروں میں جو زیادہ دور ہوگی، وہی سب سے زیادہ نزدیک والی مقدار سے اعلیٰ نظر آئے گی۔

(۱۰) اگر ہم کسی کرم سے آکھ کو قریب کر کے دیکھنا چاہیں، تو شہر مٹی بہ نسبت سابق کے اول نظر آئے گی گو ہم اُس کو عظم سمجھتے ہوں۔

(۱۱) اشکال قائم الزوا یا دور سے مستدیر نظر آئے ہیں۔

(۱۲) دونوں آکھوں کے مابین اگر قطر کرہ کے برابر ہو تو نصف کرہ نظر آئے گا، بڑا ہو تو نصف سے بڑا، اور چھوٹا ہو تو نصف کرہ سے چھوٹا نظر آنا چاہیے۔

مسلمانوں نے مناظر میں: سویرین صدی عیسوی میں نظر کی اور علی بن منصور قرطوبی، ابوعلی الحسن بن الحسن، ابن میثم بھرائی وغیرہ علمائے دقیق اجتہادات سے اس میں علم کی حیثیت پیدا کر دی اور ایک ایسا فن مرتب کیا جس پر آج کل بہت سے علوم و فنون کا مدار ہے۔ یونانیوں میں روشنی کا مطالعہ

ماشخص تھا اور کوئی ٹھیک رائے نہیں قائم ہوئی تھی کہ روشنی کیا چیز ہے۔ مسلمانوں نے قریباً ستہ عین اس کی تحقیقات کی چنانچہ قابلِ فزونی لکھتے ہیں:

ومن ذلك النعم خطوا خطا عشوا في ماهية النور وحقيقته وانما هو احساس للعین یحذف عن الاضواء باهتزاز الهواء الصافي واما واجه المقابل بعضه بعضاً (بغضاس سطح صفحہ)	یونانیوں نے روشنی کی ماہیت و حقیقت میں سخت غلطی کی۔ روشنی ایک قسم کا نورانی احساس ہے جو آنکھ کو ہولے صافی کی حرکتوں اور موجوں سے جو ایک دوسرے کا مقابلہ کرتی، ہستی ہیں محسوس ہوتی ہے۔
--	--

اُن دنوں ہولے صافی کی نورانی موجوں کے احساس کا نام روشنی تھا، لیکن اب اسکیون
مجھنا چاہیے کہ زمین اور سیاروں کے مابین جو فضا ہے وہ نہ خالی ہے اور نہ ہوا سے موجودہ سے معمور
ہے۔ اُس میں دراصل ایک خاص قسم کی لطیف اور چمکدار ہوا بھری ہوئی ہے جس کو اہل یورپ ”ایتھر“
اور اہل عرب ”دائرہ“ کہتے ہیں۔ ایتھر میں اتنی لطافت ہوئی ہے کہ ٹھوس چیزوں کے ذرات بھی اُس کے
نفوذ کو، مانع نہیں ہو سکتے، اجرامِ نورانی سے اُس میں توج پیدا ہو جاتا ہے، در وہی موجیں جب ہماری
آنکھوں سے آکر لگتی ہیں تو اُن کے تضادم سے ایک قسم کا احساس پیدا ہوتا ہے جس کا دوسرا نام ”
”روشنی“ ہے۔ روشنی کی موجیں فضا میں موجود ہیں مگر ہم کو وہ اُسی وقت محسوس ہونگی جب
آنکھ سے آکر تضادم ہو۔

الشئی بالشیء ذکر۔ بات میں بات نکل آتی ہے۔ روشنی کے متعلق کئی عین نیوٹن نے
دریافت کیا تھا کہ: روشنی مختلف رنگوں کا مجموعہ ہے، اور یہ رنگ تعداد میں سات ہوتے ہیں۔ اس
انکشاف کا غرور اصل فلاسفہ اسلام کو حاصل ہے، مسلمانوں نے کئی صدی پیشتر اس سائل کو دریافت
کر لیا تھا اور اسی بنا پر عوام میں مشہور تھا کہ ”بہت سے رنگوں کے اجتماع سے سب رنگ نائل ہو جاتے
ہیں اور اصلی رنگ سفید عود کرتا ہے“۔ نیوٹن نے رنگوں کی تعداد البتہ ایک نئی بات بتائی، لیکن

وہ ایک سرسری بات تھی۔ نگون کی تعداد اس سے کمین زیادہ ہے۔

انشار شعاع سے تمام بالکل ناواقف تھے، مسلمانوں نے دریافت کیا کہ ”شعاعین جب کسی کیفیت شیئ میں ہو کر گزرتی ہیں تو منتشر ہو کر ترجیحی ہو جاتی ہیں،“ اس دریافت کی صورت یہ ہوئی کہ ایک حکیم ابو علی الحسن ابن الحسن ینٹھے ہوئے تھے اور سامنے ایک پشت میں پانی بھرا ہوا تھا۔ ابو علی نے بطور تفریح طبع ایک پتلی لکڑی لے کر اسکا نصف حصہ پانی میں ڈبو دیا اور نصف باہر رکھا جو مس پانی کے اندر تھا وہ تر چھا نظر آتا تھا۔ اس تجربہ سے اُسکو معلوم ہوا کہ لکڑی کا عکس پانی سے باہر نکلنے پر تر چھا نظر آتا ہے اور یہی نہیں بلکہ ہوائے محیط کی کثافت کی وجہ سے آفتاب و ماہتاب کی شعاعیں بھی آتے آتے ترجیحی ہو جاتی ہیں، اور یہی سبب ہے کہ غروب ہونے کے بعد اور طلوع سے پہلے بھی آفتاب نظر آتا ہے۔ لیکن ہوائے لطیف (اتھیر) میں شعاعیں بدستور سیدھی رہتی ہیں اور سیدھی ہی نظر بھی آتی ہیں

اہل یورپ نے اس بنیادی قاعدہ پر عالیشان عمارت طیار کی اور بہت دن کی تحقیقات کے بعد دریافت کیا کہ ہوائے نکل کر پانی میں ہو کر جو شعاعیں گزرتی ہیں وہ ایسے دو افقی خطوط میں منتشر ہو جاتی ہیں، جن میں چار درتین کی نسبت ہوتی ہے۔ یہ قاعدہ مسلمانوں میں اسٹیلوین صاحب نے دریافت کیا تھا اور اسی نسبت سے اُسکو ”سینزلا“ کہتے ہیں۔

بیشاپور نایورپ میں مناظر و مریا کا ایک مجتہد تھا، لیکن اُس نے مختلف مباحث میں ابو علی کی تقلید کی اور ایک سے زیادہ مسائل میں اُس کی تحقیقات علما سے اسلام کی رایوں پر مبنی ہے۔ ابو علی کی رائے تھی کہ اگر کسی تاریک مکان کی کھڑکی کھول دی جائے اور اُس میں آفتاب کی چمکد اشعاعیں

ل ناظرین اس موقع پر رسالہ اجتہاد نمبر ۱۰ بابت ماہ مئی ۱۳۸۷ء ملاحظہ فرمائیں۔ یہ رسالہ ترکش نیگ پارٹی کے بنام

سے پیرس میں شائع ہوا اور سلیم فارس آفندہ اس کے ڈیٹر ہیں ۱۲

پڑیں تو باہر کی چیزوں کا عکس گھر کی کے سامنے والی دیوار پر اُٹا نظر آئے گا، جس کا سبب انتشار شعاع ہے۔۔۔ یورپ میں یہ دریافت اسی قدر اہمیت سے دیکھی گئی کہ انتشار عین پورے اسی انکشاف کی بنا پر رد کیمیرا اور بکیورا، ایجاد کیا۔

یونانیوں کا خیال تھا کہ چیزوں کا عکس صرف آنکھ پر پڑتا ہے۔ فاضل قزوینی نے اس میں موزل کے الفاظ میں غلط ثابت کیا۔

یونانی سمجھتے تھے کہ چیزوں کا عکس صرف آنکھ پر پڑتا ہے، حال آنکہ حقیقت یہ ہے کہ آنکھ سے ہو کر عکس دماغ تک پہنچتا ہے۔	کتاب الخوارزمی ان الاشیاء تعکس علی الحین فقط والحقیقة انه یمتد منہا الی الدماغ (کتاب انکاس اشعاع یصفیہ)
---	---

موجودہ مذاق کے مطابق اس مسئلہ کی تشریح یوں ہے کہ مثلاً ایک چیز ہمارے نزدیک کھڑی ہوئی ہے، آفتاب کی روشنی جب اُس پر پڑے گی تو اُس کا عکس پردہ چشم پر پڑے گا۔ دماغ تک پہنچ جائیگا، کیونکہ غرض دیوار کی طرح نقبہ چشم بھی آئینہ دار شعاع ہے، جس طرح غرض دیوار کے آگے ایک عکس بد شیشہ ہے، تو روشنی کا عکس صاف پڑیگا، اُسی طرح نقبہ چشم کے آگے بھی ایک عکس بد پردہ ہوتا ہے۔ روشنی کی شعاعیں جب اس پردہ کے اندر پہنچیں اور آنکھ کے تل سے گزر چکیں، تو آنکھ کے پردہ اول پر ایک تصویر کھینچ جاتی ہے، اور وہاں سے اُسی رنگ کے ذریعہ جس کو قوت باصرہ تفویض ہے دماغ تک پہنچ جاتی ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آنکھیں دو ہیں، اور ہم دونوں آنکھوں سے دیکھتے ہیں، اور روشنی کا عکس بھی دونوں آنکھوں پر پڑتا ہے، چاہے کہ چیزیں بھی (ایک ہی آن میں) دو نظر آئیں۔ یہ مسئلہ ایک دماغ نے نہیں بروا مجرکہ الّا تھا اور بہت سے اہل فن اس کے سلجھانے میں متوجہ تھے۔ حکیم ابن حسن نے اس کی وجہ لکھی ہے۔

یہ بھی ایک وہم ہو کہ چونکہ ایک چیز کا عکس جسطرح
ایک آنکھ پر پڑے گا اُسی طرح دوسری آنکھ
پر بھی پڑے گا۔

وهذا ايضا خريفة فان الشيء كما
ينعكس على عين واحدة ينعكس على
الآخرى ايضا (انكاس اشعاع قزوينی ص ۱۰۰)

یہ جواب غایت سچ ہے۔ تاہم یہ بات بھی غلط ہے۔ لیکن ایک بات بھر بھی باقی رہ گئی تھی، اب یہ اعتراض تھا
کہ محدث شیشہ کو مناسب فاصلہ پر ٹھکرا کر دیکھیں تو چیزیں کیوں معمولی جسم سے بڑی نظر آتی ہیں؟۔
اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ آنکھ کے پٹے پر وہ پرمیاتی نقطہ شعاعی (فوکس) کی تصویر کھینچ جاتی
ہی، اور گو شعاعیں محدث شیشہ کی وجہ سے منحرف اور منتشر ہو جاتی ہیں لیکن آنکھ میں پونچ کر سیدھی ہی نظر
آتی ہیں ترجمہ میں نظر نہیں آتیں۔

ان چند جزئی مثالوں سے مناظر کے متعلق اسلامی انکشافات پر احاطہ بیشک نہیں ہو سکتا،
لیکن، این ذرہ زخو شید نشانی دار وہ، یہی معمولی باتیں بتا رہی ہیں کہ تحقیقات میں مسلمانوں کا کیسا بھلا
اور غیر معمولی پایہ تھا اور انکی کتنے سچے طبیعتیں بات میں کیا بات پیدا کرتی تھیں،

سلیم فارس نے لکھا ہے کہ یونانیوں کو پیشتر یہ نہیں معلوم تھا کہ جب نظر نیچے ہو، زمین کی
طرف دیکھ رہے ہوں اور آفتاب کی طرف نظر نہ ہو، اُس وقت روشنی کیوں نظر آتی ہے؟۔ اس مسئلہ پر صرف
مسلمانوں نے روشنی ڈالی اور ثابت کر کے بتا دیا کہ ہر چند آفتاب سے روشنی کی موجیں نکل کر زمین پر
پونچتی ہیں اور ابتداً انکھ سے نہیں ٹکراتیں، لیکن زمین ایک ٹھوس جسم ہے، موجیں اُس کے پار
نہیں جا سکتیں، اکثر واپس لوٹ آتی ہیں، اور اب آنکھوں سے تصادم ہو کر روشنی کا احسان ہوتا ہے۔

خادم قوم

عبد اللہ حمادی

ابن ابی دؤاد ابو عبد اللہ احمد بن ابی دؤاد

عبداللہ بن عباس کے مشہور و ممتاز قاضی تھے۔ ان کا علم و فضل و تشریح و بیان کا محتاج نہیں۔ اپنے زمانے میں قبولیت عامہ اور ہر نوعی جیسی انجین نصیب ہوئی کسی کو نہ تھی۔ مامون، معتصم، واثق اور متوکل چار خلیفوں کا زمانہ پایا۔

زمانہ شباب میں ان کی جاہ و ثروت روز افزون تھی۔ لیکن آخر زمانہ نہایت تنگی سے بسر کیا اور اسطرح کے ایام انھوں نے خیر اکام و واسطہ ہائے مئے میں گزرے۔

بعض عزاز انجین ایسے حاصل تھے کہ ان کے اقران و اشغال میں کسی کو نصیب نہ تھے۔ ان کے کتے ہیں کہ ”احمد کو جس زمانہ میں خلیفہ کا مقرب حاصل ہوا اسکے قبل دربار کے دستور کے موافق کوئی شخص گفتگو میں مبادرت نہیں کر سکتا تھا۔ حاضرین و مقربین مودب و خاموش منظر ہتے تھے کہ خلیفہ گفتگو کا سلسلہ شروع کرے تو عرض معروض کیجیے۔ احمد کا یہ سوخ ہوا کہ ان کو اس کی پابندی نہ تھی۔ جب چاہتے گفتگو کرتے تھے۔ ان کے نفس میں یہ خصوصیت انجین کو حاصل تھی۔

شہرستان قسطنطنیہ میں پیدا ہوئے۔ جب جوان ہوئے تو اپنے باپ کیساتھ (جو تجارت کے لیے شام جاتے تھے) و شوق پہنچے۔ یہاں ہیلان بن عیاض جو اصل بن عطاء معتزلی کے صاحب میں شمار کیے جاتے ہیں درس دیا کرتے تھے۔ ابن ابی دؤاد نے مقیم ہو کر انجین کے

سین علوم و فنون کی تکمیل تکمیل شعلہ کی۔ ہر فن کے حصول میں بی محنت کرتے تھے خصوصیت
 عقد و حدیث کے اخذ میں کوشش کا پورا حق ادا کیا اور وہ کمال حاصل کیا کہ آج تک مشہور ہیں۔
 کہا جاتا ہے کہ سلسلہ جمہوری میں مامون الرشید نے خراسان سے یحییٰ بن اکثم کو
 ہندو کا تماشہ لے کر کے حبیبیہ باب و وہاں پہنچے۔ تو اپنی کم سنی کے باعث ان کے خیال ہوا کہ کوئی
 ایسی بات ہو کہ لوگوں کو حرف گیری کا موقع ملے بل علم و ادب کا ایک گروہ اپنی مصاحبت میں
 انھیں میں ایک ابن ابی دواؤمی تھے۔

سلسلہ جمہوری میں مامون الرشید جب دارالسلام بغداد میں آیا یحییٰ بن اکثم کو فرمان
 کہ تمہارے ہمارے ہمارے وجاہت میں جو لوگ مناسب فاضل و کمال ہوں انکو انتخاب کئے بیحد وہ کہ
 جب مذاکرہ ظلیہ جو میری مجلس میں حاضر رہا کرتے۔ یحییٰ نے میں آدمیوں کو چنا، پھر میں میں کو
 انتخاب کیا، پھر میں میں پانچ کو مخصوص کیا، ان سب میں ابن ابی دواؤمی شامل تھے۔

جب مامون کی مجلس میں داخل تھے ہمیشہ علماء کے ساتھ حاضر ہوا کرتے تھے
 اور ہر مرتبہ بطور فاضل و کمال کی وجہ سے انکی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ رفتہ رفتہ سمعون سے انکار تہہ کیا
 بعض لوگوں نے انکے سوچ کیوجہ اور لکھی ہے، خود ابن ابی دواؤمی سے نقل کئے ہیں کہ
 انھوں نے کہا کہ ایک دن فقیہوں کی ایک جماعت کے ساتھ یحییٰ بن اکثم کی مجلس میں حاضر تھا
 اکامہ ایک شاہی چہرہ آیا۔ اور اُسے خلیفہ مامون الرشید کی جانب سے یحییٰ کو پیغام دیا کہ آج
 میں علماء کے ساتھ جو موجود ہیں بارگاہ خلافت میں حاضر ہوں یحییٰ فوراً اُٹھے اور باوجودیکہ مجھ
 ساتھ لیجانے میں وہ خوش تھے لیکن ہوا لنگے۔ ہم لوگ مامون کے سامنے پہنچے اور بیٹھے۔
 ایک خط کے بعد مامون نے ایک مسئلہ حمیرہ یا حاضرین مناظرہ و مباحثہ کرنے لگے جب
 چپ ہو گئے میں گفتگو شروع کی۔ میری تقریر خلیفہ کو بہت پسند آئی۔ انہا شفقت کے لیے

میری طرف متوجہ ہو کر میرا نام و نسب دریافت کیا۔ میں نے بیان کیا۔ پھر خلیفہ نے پوچھا کہ اب تک اس مجلس میں شریک کیوں نہیں ہوئے تھے؟ (ابن ابی دواؤد کہتے ہیں) اسل حال کہتے ہوئے کہ کبھی کو میری شرفیابی منظور تھی مجھے کھانا ہوا۔ میں نے معذرتہ کہا جسہ القدر بلوغ الکتاب اجلہ (یعنی) مقدر نے دیر لگائی) خلیفہ نے فرمایا کہ اب میں بطریق حکم خلافت قاعدہ مقرر کرتا ہوں کہ اب سے جہاں اور جب علماء میرے حضور میں حاضر ہوں تمہیں بھی آنا چاہیے۔ میں نے بسر و چشم قبول کیا۔

ابراہیم بن حسن کا بیان ہے کہ لیلۃ العقبہ میں جن انصاریوں نے رسول اللہ صلم سے بیعت کی تھی، ایک مرتبہ انکا تذکرہ مامون کی مجلس میں ہوا تھا شخص اپنی تحقیق کے موافق ان کو انکو نام و تعداد کی تفصیل بیان کرتا تھا تو میں احمد بن ابی دواؤد بھی پہنچ گئے اور اس گفتگو کے سنتے ہی ان انصاریوں میں سے ایک ایک کا نام اور کنیت بے غور و فکر بیان کر دی مامون بہت خوش ہوا اور کہا کہ جو شخص دانشمندیوں کے فیض کا خواہاں ہو وہ ابن ابی دواؤد کو اپنی مصاحبت میں لے کر ابن ابی دواؤد نے کہا کہ جس دانشمند کو قرب سلطانی کی آرزو ہو وہ حضور کی بالگاہ میں حاضر نہ کرے کہ جو بات نہ جانتا ہو اسکو سکھ جائے اور جو کچھ جانتا ہو وہ اپنے سے زیادہ جانتے والے کے حضور میں عرض کرے۔ مشورہ ہے کہ مامون الرشید نے اپنے ولیعہد اور بھائی معتصم کو وصیت کی تھی کہ احمد بن ابی دواؤد بھی اپنے سے جدا نہ کرنا انجام مہمات میں ان سے مشورہ لیا کرنا اور جو وہ کہیں اسکو قبول کرنا اگر میری اس وصیت پر عمل کرو گے اور انکے مشورہ کے خلاف نہ چلو گے تو کبھی خطا نہ ہوگی اور نہ بھری دوسرے امیر یا وزیر کی محتاجی نہ رہے گی۔

۲۱۸ھ ہجری میں جب مامون کا انتقال ہو گیا اور معتصم نے مسند خلافت پر چلوں فرمایا تو یحییٰ بن اکثم کو معزول کر کے انکی جگہ احمد بن ابی دواؤد کو قاضی القضاۃ مقرر کیا اور محمد بن عبد الملک دیات کو صدر اعظم بنایا۔ کل استغانات ملکی ولی انھیں دونوں دانشمندیوں کے سپرد کیے۔

بن ابی دؤاد کا اقرب معتمد کی بارگاہ میں سمون سے بڑھا ہوا تھا ابن حنکاح کہتے ہیں حتیٰ کان لا یفعل فعلا باطنا ولا ظاہرا الا برائۃ: ہمیں اتنا کہ خلیفہ کوئی کام باطنا و ظاہر بغیر ان کی رائے کے نہیں کرتا تھا: اسی وجہ سے ابن زیات و ابن مین شکر رنجی تھی، خلیفہ سے دونوں ایک دوسرے کی شکایت کیا کرتے تھے۔

کتابوں میں مذکور ہے کہ ابن ابی دؤاد کی تقریر ایسی جادو و بھرمی ہوتی تھی کہ جس بات کو وہ لوگوں کو کہتے۔ سب بطوع و رغبت قبول کر لیتے تھے۔ ابن ابی دؤاد کا مقولہ تھا کہ میں ابن زیات کے سامنے خلیفہ سے کبھی عرض حاجت نہیں کرتا کہ مبادا وہ میرے طریق بیان کو سیکھا خلیفہ کے قلب کو تسخیر نہ کھلے۔ ایک دفعہ عیین بن شاک شام سے ایک حکم سے کہا کہ احمد بن ابی دؤاد ہم شاعر و نکرزدیک علم ادب اور لغت سے واقف نہیں، تو انھوں ان کے نزدیک وہ اصول عقائد نہیں جانتا اور نہ انھوں فقہان میں نہما نہیں کرتے لیکن جب وہ معتمد کی مجلس میں جاتا ہے اپنے کو ایسا دکھاتا ہے کہ گویا ہر علم و فن پر محیط ہو رہا ہے۔

لالاؤن بن اسمعیل کا بیان ہے کہ معتمد جیسا ابن ابی دؤاد کا عقد تھا میں نے کسی کو ایسا عقد کسی سے نہیں دیکھا، معتمد کو اپنے چیزوں کے بیٹے میں بھی مضائقہ ہوتا تھا۔ مگر ابن ابی دؤاد جس وقت آتے، اپنے یگانوں، متوسلون، بیت اللہ کے مجاوروں، روضہ نبوی کے خادموں اور سرکاری و مغرب کے کہنے والوں کے لیے سفارش کرتے اور معتمد کو اپنے کہنے کے ساتھ ہی ہزاروں کے خراج میں بھی شامل ہوتا تھا۔ ایک دن خراسان میں نہر بنانے کی سفارش کی، انہیں دس لاکھ کا خرچہ معتمد نے انکار کیا کہ اس قدر دور دراز ملک میں نہر اگر بننے لگی تو میرا کیا نقصان ہوگا۔ ابن ابی دؤاد نے کہا: امیر المومنین اخذ وند تعلقے لھیا کہ آستان خلافت کے باشندوں کے حقوق کو نقصان نہ پہنچا دیا ہی تمام رعایا سے ممالک محروسہ کی حاجت روائیوں کے بابے میں پوچھے گا، خلیفہ نے پہنی

حام مخلوق کو آپکے سپر دیکھا ہے، کالے، گورے، پاس پہنے والوں، دُور اُمّادون کا اسپین ایتھنز
 اور حضور نہر بننے کا حکم دیدین تو اس ایک حکم سے کئی فائدے ہونگے، ابدال آباد تک صدقہ جاریہ کا نوا
 پہنچا کرے گا، ملک کا استحفاظ ہوگا، پیداوار بڑھے گی خلق اسد کا نفع ہوگا اور خلائق میں نیکی نامی
 ہوگی، لازون کا بیان ہے کہ احمد جب مکہ چپ ہوئے، معتمد نے فوراً حکم دیا اور اسقدر مبلغ خیر کا
 بے تو تھن منظور کر لیا۔

مسعودی نے مروج الذهب میں لکھا ہے کہ ایک دن صبح کو ایک کوشک میں معتمد نے
 صحبت عیش و عشرت منعقد کی اور اپنے ندیوں کو حکم دیا کہ ہر شخص اپنے گھر سے کچھ کھانا لے کر ساتھ لائے
 جسکو جو غذا مرغوب تھی خوب عمدہ کھا کر لایا رنگ برنگ کے کھانے وہاں چُنے گئے، اس اثنا میں
 خلیفہ کی نظر ابن ابی دود کے غلام سلام پر پڑی۔ خلیفہ نے کہا میں جانتا ہوں اسوقت قاضی اعظم
 آئینگے اور شفاعتوں اور عرض حاجات کی کثرت سے میری مجلس کو منقص کر دینگے، فلان ہاشمی کی
 پریشانی، فلان قریشی کی مصیبت اور فلان انصاری کی گرفتاری کا حال مجھے کہینگے۔ ہم تو لوگوں کو
 گواہ رکھتے ہیں کہ آج ہم انکی ایک سفارش بھی قبول اور ایک حاجت بھی پوری نہ کریں گے، اتنے
 ایتنا خ حاجب آیا اور ابن ابی دود کے آنے کی اطلاع دیکر یاریابی کی اجازت چاہی۔ خلیفہ نے حاضرین سے
 کہا کہ میری پیشین گوئی کیسی صحیح نکلی، بسببوں نے عرض کی بہتر یہ کہ اجازت نہ دی جائے اور وہ
 اسوقت رخصت کر دیے جائیں معتمد نے کہا افسوس ہے کہ تم لوگوں کا ایسا خیال ہے، اگر ایک برس میں
 بخامین مبتلا رہوں تو وہ مجھ کو زیادہ گوارا ہی نسبت اسکے کہ اُنکو واپس کر دوں، الغرض ابن ابی دود
 آئے اور سلام کر کے اپنی جگہ پر ٹھہر گئے گفتگو شروع ہوئی اور مزہ دار مزہ دار حکایتیں بیان کرنے لگے
 اپنی شیریں زبانی اور بڑے سخی سے تمام مجلس کو گفتگو کرتے رہا۔ خلیفہ کا بھی ہنسنے کا اور کبشاد و شہنائی
 انکی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ قاضی صاحب! آج ان لوگوں میں سے ہر شخص کچھ کھانا لے کر لایا ہے

کہ کہ نہ ساجھے پسند ہوتا ہی۔ لیکن میں جمع قضا میں آپ کی رائے کو تسلیم جانتا ہوں اسی طرح کما فی میں ہی
 آپ کا مذاق صحیح سمجھتا ہوں۔ ہر کھانے کا مزہ چکھئے اور ہر شخص کی استادی کو بتائیے۔ قاضی صاحب
 ایک برتن نزدیک کھینچ کر کھانا شروع کیا اور پوری ایک آدمی کی خوراک کھا گئے۔ خلیفہؒ کما قاضی
 اور ایش کا طریقہ یہ نہیں ہی، ایک ہی کھانے سے آپ نے استفادہ پٹ بھر لیا کہ اوکھا انون کی جگہ پر ہی
 جوگی مجبور پہلی ہی ہانڈی کو پاس کیجئے گا۔ قاضی صاحب نے کہا امیر المومنین! ایسا خیال نفرا
 میں ہر کھانا اتنی ہی مقدار میں کھاؤ لگا۔ عتقم منس پڑا اور کما خیر، اپنا کام کیجئے۔ قاضی صاحب کو
 جب سب کھانوں سے فراغت ہو گئی تو تعریف شروع کی کہ فلان دیگ کا پکانے والا نہایت قابل ہی کہ
 زیادہ تھوڑا والا اور گول مچ زیادہ دی ہے اور فلان دیگ کے پکانے میں یہ استاد دی خرج
 کی گئی کہ سرکہ زیادہ ڈالایا ہی اور رغن زیت کہ سرہے گویا اعتدال کی حقیقت اس دیگ میں موجود
 غرض اسی طرح ہر کھانے کی تعریف اور پکانے والے کی توصیف جدا جدا کرتے گئے کہ جہاں جہاں
 خوش ہو گئے جب خلیفہؒ اور ندا کھانے میں مشغول ہوئے تو قاضی صاحب بھی شریک ہو گئے
 مگر اس طرح کہ کبھی کھانے میں شامل ہوتے اور کبھی اکولون اور بسیار خوارون کا قصہ بیان کرتے
 معاویہ بن ابی سفیان، عبید اللہ بن زیاد، حجاج بن یوسف، سلیمان بن عبد الملک، حاکم کیا،
 اسحق حامی وغیرہ کی تعلیم سناتے ہی جب دستار خوان بڑھایا گیا تو عتقم نے پوچھا قاضی القضاۃ
 صاحب اگر کوئی حاجت ہو تو بیان کیجئے انشاء اللہ قائلے درخواست قبول ہوگی قاضی صاحب نے
 کہا امیر المومنین! سلیمان بن عبد اللہ نوفلی آپ کے متوسلین میں ہی اسکا نانہ اندون موافق نہیں ہوا
 اگر اسکی پریشانی بے کم و بیش عرض کروں تو کہیں دل مفسود نہ ہو جائے۔ خلیفہؒ نے کہا اسکو
 پریشانی کی فکر نہ کیجئے اصل حال کے لیے جو کچھ بکار ہو گا میں دیکھا۔ ابن ابی دؤاد نے کہا
 پچاس نہ ہزار درم چاہیں خلیفہؒ نے کہا تمہاری خاطر سے منظور ہوں۔ اب اور کیا مطلب ہو

انھوں نے عرض کی کہ ہارون بن محمد کا لگان معاف کر دیا جائے۔ خلیفہ نے کہا معاف کر دیا اور جو کچھ کٹا ہو کہیے۔ راوی کہتا ہوں خدا کی قسم ابن ابی دودا اس وقت تک اس مجلس سے نہ اٹھے جب تک کہ تیرہ باتوں کی درخواست نہ کی اور معصوم نے سب کو قبول و منظور نہ کیا۔ پھر ابن ابی دودا نے صلح دعا و ثنا کی۔

یا امیر المؤمنین علیہ السلام طویلا و بعمرک تخصب جنات رعیۃک و یلین عیشہم و تنمو اموالہم و لا یزلت عمتا بالسلامۃ محبوا بالکرامۃ مدفوعا عنک نوائب الایام۔	امیر المؤمنین بخدا آپ کی عمر دراز کرے کیونکہ آپ کی سلامتی کے بدولت عیا کو باغ ہدیہ ہیں اور عیش و عشرت و ذری و ان کی دولت ترقی ہو آپ ہمیشہ سلامت و برکت رہیں مکروہات زمانہ آپ کے گرد نہ چکھنے نہ پائیں۔
---	---

جب احمد ابن ابی دودا اٹھ کر چلے گئے تو معصوم نے کہا خدا کی قسم یہ وہ شخص ہے کہ آدمی کو دہائی تیار
اسکی صحبت دل کو تنگنگی بخشتی ہے کئی ہزار آدمیوں کو برابر یہ اکیلا شخص جو تم لوگوں نے دیکھا کینکڑیا
اور کیسی میٹھی باتیں کہیں کہیں چرب زبانی سے کھانوں کی تعریف کی اور اپنی بذلہ سخی سے کیسا بھجوا
لوش کیا۔ اسکی حاجتوں کو کوئی رہ نہیں کر سکتا، مگر وہ شخص جسکی نصرت پست واقع ہوئی ہو، خدا جانتا ہے
کہ اگر وہ اسوقت ایک کروڑ دہم کے برابر بھی مجھے درخواست کرتا تو میں دیدیتا، کیونکہ میں اچھی
طرح جانتا ہوں کہ اسکی باتوں کا قبول کرنا دنیا میں میری نیکنامی اور آخرت میں بھلائی کا باعث ہے
کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے معصوم سے محمد بن جہم ربیع کی شکایت کی اذنیات کی
نہت لگائی معصوم نہایت برہم ہوا اور بظاہر کہ محمد بن جہم کی گردن مائے کا حکم دیا۔ جلا دینے
پر کہ نفع بچایا اور محمد بن جہم کو بھاگ کر سرکھڑا اور تلوار کھینچی۔ ابن ابی دودا موجود تھے۔ یہ بہت گھبرایا

کہ خدمت کا موقع نکل گیا نہ علاج دزاری کے لیے وقت ہی نہ شفاعت کے لیے۔ فوراً کہا کہ امیر المومنین
 اگر آپ قتل کر دیں گے تو اُسکے مال سے بقایا کیونکر وصول ہوگا۔ معصوم نے طیش میں آکر کہا اس
 فحاشی نامبارک اور بیسے دمیان میں کون سی چیز حاصل ہوگی؟ انھوں نے کہا خدا کا حکم، رسول اللہ
 کی شہادت اور امیر المومنین کا عدل۔ کیونکہ محمد کے قتل ہوتے ہی شرع محمدی کے موافق کل مترکہ
 نماز، نون کا حق ہو جائے گا اسکی خیانت اور دوسروں کا استحقاق ثابت کرنے کے لئے بہتر ہے کہ
 آپ اُسکے قتل سے روک کر فرمائیں۔ اُسکو قید خانہ میں بھیج کر مقدمہ قائم کریں جب گواہوں کی حاکم
 شہادت سے خیانت ثابت ہو جائے تو وصول کریں معصوم نے اس سلسلے کو پسند کیا اور قتل
 معروف نہ کیا۔ آخر بیدیل صادرہ ایک کثیر رقم اس سے وصول ہوئی اور اُسے ہلاکت و نجات
 ماحضہ کا بیان سن کر ایک دفعہ معصوم جزیرہ فرات کے کسی شخص پر خطا ہوا اور اُسکے قتل کا
 حکم دیا۔ احمد ابن ابی دواؤد نے فوراً کہا یا امیر المومنین سبق السیف العذل امیر المومنین
 علماء اور کموش سے تلموز امتت لے گئی تھوڑا صبر کیجئے جلدی فرمائیے۔ یہ آدمی مظلوم کی
 معصوم انکی طرف مخالف ہو گیا۔ احمد ابن ابی دواؤد نے اپنی چرب زبانی سے خلیفہ کو بالکل اپنی
 طرف متوجہ کر لیا اور اُسکی بے جرمی کا حال شرح و بسط کے ساتھ بیان کرنے لگے جس سے
 خلیفہ کا غصہ قدرے کم ہو گیا۔ احمد کا خود بیان ہے کہ اسوقت پیشاب کرنے کی مجھے سخت
 ضرورت تھی کہ اُسکارو کنا طاقت بشری سے باہر تھا، مگر میں ڈرتا تھا کہ اگر میں باہر جاتا ہوں
 تو کہیں وہ گینا قتل نہ ہو جائے۔ آخر میں اسی میں بہتری دیکھی کہ وہ میں بیٹھا بیٹھا فیض حاجت کون
 غرض کسی طرح میں نے کپڑوں کو سمیٹ کر ضرورت رفع کر لی اور اُس مظلوم کی غلامی کی یہاں تک
 کوشش کی کہ خلیفہ نے جان بخشی فرمائی۔ جب رخصت ہو کر میں چلنے لگا۔ معصوم کی نظریں میرے
 پیچھے ہوئے کپڑے پر پڑی۔ پوچھا کہ جہان تم بیٹھے ہوئے تھے کیا وہاں پانی گرا ہوا تھا؟

مرض کی، نہیں امیر المومنین! ضرورت مجھ پر اس قدر غالب آئی کہ میں مضبوط کر کے مجھے خوف تھا کہ اگر میں اٹھا تو کہیں اُس سچا رے کی گردن نہ ماری جائے اس لئے چنے چنے لباس کو گندگی میں آلودہ ہونے دیا معصوم نہیں پڑا اور بولا احسنت بآذن اللہ علیک (اچھا کیا، خدا تمہیں برکت دے) پھر بیش بہا خلعت ایک لاکھ درم کے ساتھ مجھے عنایت فرمایا۔

ابن ابی دؤاد کے واقعے معصوم کے ساتھ یوں تو بھتیرے ہیں مگر امشین ترک اور ابو بکر عیسیٰ کا واقعہ نہایت عجیب اور عجیب چیزوں کا ادوہ دانشمند وزیر علوم نے اخبار تبیین میں بیان بھی سنی ہے نقل کیا ہے۔ میں بھی تبعا اُسی کی عبارت میں لکھتا ہوں احمد کا بیان ہے کہ معصوم کے زمانے میں ایک شب آدمی رات کو میری آنکھ خود بخود کھل گئی تینے بہت کوشش کی کہ دوبارہ بند آجائے

آگاہی۔ جی نہایت گھبرانے لگا، عجب طرح کی دل کو پریشانی۔ علوم ہوتی تھی جس کا کوئی سبب نظر نہیں آتا تھا۔ سوچ میں تھا کہ کیا کروں کیا نکروں۔ آخر سلام نائے اپنے غلام کو جو ہر وقت میرے پاس رہتا تھا پکار کر گھوڑا لیا کر اسے کاکم دیا۔ اُسے کہا کہ جناب، آدمی رات کا وقت ہو اگر آپ کو خلیفہ کے حضور میں جانا ہے تو کل آپ کی باری نہیں ہے۔ خلیفہ ظان غفل میں مشغول ہو گا، باریابی کی اجازت نہ ملے گی۔ اور اگر کسی دوسری جگہ کا قصد ہے تو اس کا بھی وقت نہیں ہے۔ میں سمجھا کہ سچ کہتا ہے چپ ہو رہا، مگر کسی صورت میں دل کو قرار نہیں آتا تھا اور جی گواہی دیتا تھا کہ ہونو کوئی ضروری کام درپیش ہے۔ آخر، میں اٹھا اور غنڈہ نگاروں کو بلوایا، شمع روشن کی گئی۔ حمام میں جا کر اچھی طرح موئے دیا۔ پھر بھی تسکین نہ ہوئی چرام سے باہر اگر کپڑے پہنے اور ایک گدھے پر سوار ہو کر چل نکلا۔ یہ بھی میں میں جانتا تھا کہ کمان جانا چاہیے۔ آخر یہ جو چکر خلیفہ کی درگاہ میں جانا بہتر ہے، اگرچہ یہ وقت نہیں ہے مگر کیا معنائے، باریابی کی اجازت ہو گئی تو فہما۔ ورنہ لوٹ آؤں گا۔ اتنا تو فائدہ ہو گا کہ یہ دوسرے میرے

نکل جائے گا۔ آستان خلافت پر پہنچا۔ حاجب کو خبر ہوئی اُسے فوراً کرپوچھا کہ کیا کام
 ہے اس وقت خلیفہ عیثیٰ مشرکین بن چکا وقت بھی نہیں ہے، مینے کہا تھا کہ اگنا دست ہے۔
 لیکن تم اطلاع کرو اگر اجازت ہوئی تو ہوئی ورنہ واپس چلا جاؤ گا۔ غرض مینے پر ہاتھ لگا کر اطلاع کو
 چلا گیا پھر اگر کسی کہ بسم اللہ اجازت ہی اندر جا کر دیکھا تو خلیفہ کو نہایت انتشار میں پایا۔ مینے سلام کیا
 خلیفہ نے جواب دیکر فرمایا: تم بہت توقع کیا۔ میں بڑی دیر سے تمہارا منتظر تھا، مینے یہ ٹیکر تحریر
 ہو گیا اور عرض کیا کہ بہت خلافت وقت آیا۔ میں سمجھتا تھا کہ امیر المؤمنین کسی مثل میں مصروف ہیں،
 مجھے تو باریابی کی اجازت میں بھی شبہ تھا۔ خلیفہ نے کہا تمہیں خبر نہیں کہ کیا ہوا؟ عرض کی نہیں
 فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون ابھی سنو، اس مرد و ناچار کو کچھ آئین نے ان دنوں ایک
 عہدہ نہایت انجام دی کہ بابک خرم دیں کو جو درت سے لڑتا تھا کہ گرفتار کر لیا، اسلئے اس پر مینے اپنی
 شفقت اور نہایت ہندول کی اور اس کے بچے میں ترقی دی۔ فشین کی ہمیشہ سے یہ استدعا تھی کہ
 ابو دلف قاسم بن کربی معلیٰ پر اسکو اختیار دیا جائے کہ اسکا مال و متاع چھین کر اسکو قتل کر ڈالے
 تم جانتے ہی ہو کہ دونوں میں کیسی عداوت ہے۔ مینے ابو دلف کی قدامت کے لحاظ سے اول اس
 خیال سے بھی کہ تم دونوں میں بڑی دوستی ہے کہ فشین کی درخواست منظور نہیں کی مگر کل مجھے سہواً
 فشین نے چند بار استدعا کی اور میں ہلکا کرنا گیا جب اسکا اصرار بہت زیادہ ہوا تو منظور کر لیا۔ اب میں
 نہایت متفکر ہوں کہ ابو دلف غریب کو اس واقعے کی خبر نہیں ہے، صبح بچے ہی لوگ اسکو پکڑ لیا میں گے
 اور فشین جو نہایت مستعمل ہو رہا ہے یقیناً قتل کر ڈالے گا، مینے کہا اسوس !! امیر المؤمنین! یہ ایسا خون
 جو جو اللہ تعالیٰ کبھی پسند نہیں کرے گا یا تمہیں اور آیتین پر مبنی فرم کریں۔ پھر کہا کہ ابو دلف حضور کا خلیفہ
 ہے اور ہمسواران حرب سے ہے، یہ ظاہر ہے کہ اُسے پہاڑی علاقے میں کیا کیا کیا اور کیونکر اپنا سکہ
 بٹھایا، حق تو یہ ہے کہ اُسے اپنی جان لڑا دی جب جا کر یہ تسلط ہوا۔ اگر شخص قتل ہو جائے تو کون

مسلمین اور اقربا بچنے نہ بیٹھیں گے گا بڑی شورش برپا ہوگی۔ خلیفہ نے فرمایا ابا عبد اللہ! تمہارا کہنا صحیح ہوا دین بھی سمجھتا ہوں مگر اسوس ہے کہ یہ بات اختیار میں نہ رہی۔ کل ایشین کو سینے زبان پر یہ اور قسین کھا کر عمد کیا کہ ابو دلف کو اس سے نہ چھینو نکا اور نہ کسی کو چھینے کا اختیار دو نکا! یہ سنی کہنا، امیر المؤمنین! آخر اسکا کوئی علاج بھی ہے؟ فرمایا "اسکے سوا کوئی تدبیر نہیں کہ تم خود ابھی ایشین کو پاس چلے جاؤ اور اگر وہ اندر آنے کی اجازت نہ دے تو زبردستی مکان میں داخل ہو جاؤ اور الحاح وزاری کرو۔ مگر میری طرف سے کچھ نہ کہنا، وہ تمہاری عزت اور مرتبے کو جانتا ہے غالباً تمہارا کہنا رو نہ کرے گا۔ اگر اُسے سفارش سن لی تو ابو دلف کی جان بچ جائے گی ورنہ یہ بھننا چاہیے کہ تقدیر اپنا کام کر چکی!"

احمد کہتے ہیں کہ خلیفہ سے یسکر میرے ہوش اڑ گئے۔ وہاں سے فوراً اٹھا اور وزیر کے محل کی طرف چلا۔ میرے کچھ لوگ پہنچ گئے تھے، انھیں اپنے ساتھ لیا اور دو تین سواروں کو دوڑا کر ابو دلف کے گھر بھیجا۔ میں نے خود بھی گھوڑے کو تیز کیا گھوڑا نہایت تیزی سے جا رہا تھا کچھ پانچ سو ملّا تھا کہ آسمان پر جارا ہوں یا زمین پر، طلیسان میری پشت سے گر گئی مگر مجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ صبح قریب ہو گئی تھی، خوف تھا کہ مبادا میں دیر میں پہنچوں ابو دلف کا کام تمام ہو چکا جب میں ایشین کے دروازے پر پہنچا، حجاب اور بواب دوڑے چلے محسب عادت میری پاس آئے۔ انکی دلی خواہش تھی کہ مجھے کسی بہانے سے واپس کر دیں کیونکہ ایسے وقت میں میرا آنا ایشین کو سخت ناگوار ہو گا۔ بہر کیف جکو آنا کر مکان میں لیگئے اور پردہ اٹھا دیا۔ میں اپنے ہمراہیوں سے کہدیا کہ دہلیز پر گوش برآواز بیٹھے رہیں۔ جب میں اندر پہنچا تو ایشین کو صدر میں بیٹھا ہوا پایا اس کے سامنے شہ نشین کے نیچے نطع بچھا ہوا تھا جس پر ابو دلف کو صرف پانچ ماہ پہنے ہوئے ننگے بدن لٹکے بند کر کے بیٹھا گیا تھا ابو دلف اور ایشین میں گفتگو رہی تھی اور جلا دشمنی برپا

یہ سر پر کھڑا ہوا تھا کہ افشین کا اشارہ پاتے ہی ابو دلف کا سر اڑا دے افشین کی نظر جب مجھ پر پڑی
آپے سے باہر ہو گیا، غصہ سے اس کی رنگت بدلنے لگی، اگر دن کی گہین تنگین، ہمیشہ اس کا دستور تھا
کہ جب مجھے دیکھتا تو یہ اگر سر جھکا دیتا، اس قدر کہ اس کا سر میرے سینے کے برابر ہو جاتا تھا، مگر آج
اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں۔ یہ میری بڑی توہین ہوئی لیکن میں نے خیال نہ کیا۔ سوچتا تھا کہ نہایت
ہم اور ضروری کام کو آیا ہوں، افشین کی پیشانی پر بوسہ دیکر بیٹھ گیا۔ وہ میری طرف مخاطب ہوا۔
میں نے صبر کیا اور کچھ تذکرہ شروع کیا کہ وہ ادھر مشغول ہو، جلاد کو حکم قتل کا نہ دے لیکن اُس نے کچھ بھی
توجہ نہ لی اب میں کھڑا ہو گیا اور دوسرے ذکر جمعہ یعنی عمیون کی تعریف کرنے لگا۔ کیونکہ افشین بھی مجھی
ہی تھا، عجم کو عرب سے بڑھا دیا، ہر چند میں جانتا تھا کہ یہ بڑی خطا ہے، مگر ابو دلف کی جان بچانی
کے لیے ہر بات جائز تھی۔ اُس نے اسپر بھی کان نہ دیا۔ پھر میں نے کہا کہ اے امیر امیری جان آپ پر
فدا ہوں، میں قاسم بن حسین کے لکھو آیا ہوں۔ شان جی دکھلائیے، میری خاطر سے اُس کو بخشد بھیجے
اس میں بڑا ثواب ہوگا۔ افشین نے غصہ ہو کر حرارت کے لہجے میں کہا کہ نہ میں نے بخشا اور نہ بخشو گا کل
امیر المومنین نے اسپر بخو اختیار رکھی دیا ہے تو میں سخت سخت کھائی ہوں کہ اس بار میں مجھے
کوئی تعرض نہ کرینگے۔ مدتوں سے مجھ کو اس بات کی آرزو تھی اب کسی کی سفارش میں قبول نہیں
کرسکتا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ احمد تمہارا حکم شرق سے غرب تک جاری ہو اور میان تمہاری یہ
توہین اور ذلت ہو رہی ہے۔ پھر دل کو سمجھایا کہ نہیں اس وقت سب ذلتیں اٹھا لینی چاہئیں۔
ابو دلف کو بچانا چاہیے۔ میں اٹھا، افشین کے سر کا بوسہ دیا اور بہت اہلح و زاری کی مگر کوئی نہ
نہوا۔ دوبارہ اُس کے بازو کا بوسہ دیا جب بھی اُس نے منظور نہ کیا۔ پھر ہاتھ چومے، نماز سے اُسے
سمجھ دیا کہ اب میں زانو بھی چومو گا۔ خدا ہو کر بولا کہ اس کا کیا نتیجہ بخدا اگر ہزار بار زمین چومو گے تو
کوئی فائدہ نہ ہوگا، مجھ کو بھی اس قدر غصہ آیا کہ پسینے پسینے ہو گیا، جی میں کہا کہ یہ مردار کا عمل سلطانی

میری استعداد تو بین کر رہا ہے اور میں چپ ہوں ایہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ابو دلف کی جان عزیز ہے تو اب حیل ممکن ہو اسکو بچا یا ہی جا ہیے، اگرچہ میں بھی کسی آفت میں پھنسون یہ ہو چکا ہے مگر کما کہ مجکو جو لازمہ آدمیت تھا بچا لایا اور تم نے میرا کوئی خیال نہیں کیا حال آنکہ تم جانتے ہو کہ خلیفہ اور انکی بارگاہ کے کل بزرگ، اور بھی جو تم سے رتبہ میں کم ہیں اور وہ بھی جو تم سے مرتبہ زیادہ ہیں، میری عزت و حرمت کرتے ہیں اور مشرق سے مغرب تک میرا سکہ بیٹھا ہوا ہے خدا کا شکر ہے کہ اُسے تمہارے احسان کی ذلت کے باوجود سے میری گردن کو بچا یا۔ اب میری باتیں تمام ہو گئیں، لو خلیفہ کا پیغام سنو۔ امیر المومنین نے فرمایا ہے کہ قاسم محل کو چھوڑ دو اور کوئی تم کو نہ کرو، فوراً اسکو گھر بھیجو، اب تمہارا بس اُس پر چل نہیں سکتا اگر قتل کرو گے تو میں تم سے اُسکا قصاص لوں گا۔ یہ سنتے ہی انہیں کے ہاتھ کے ٹوٹے اڑ گئے، گھبرا کر بولا کہ کیا فی الحقیقت خلیفہ کا یہ حکم ہے؟ میں نے کہا ہاں، کبھی تم نے خلیفہ کے ارشاد کے خلاف مجھے کہتے سنا ہے؟ یہ کہہ کر میں نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی فوراً تیس چالیس آدمی اندر آ گئے۔ میں نے کہا تم لوگ ٹھہرو، میں انہیں کو امیر المومنین مقصم کا حکم سناتا ہوں کہا ابو دلف کو فوراً گھر بھیجو، خبردار قتل نہ کرو ورنہ تم سے انتقام لیا جائے گا۔ یہ کہہ کر میں نے قاسم کو پکارا۔ اُس نے لبیک کہا۔ میں نے پوچھا صحیح و سالم ہونا؟ وہ بولا ہاں۔ کہا کوئی زخم تو نہیں آیا؟ بولا نہیں۔ میں نے اپنے لوگوں سے کہا کہ ہبات کے بھی گواہ رہنا کہ ابو دلف ابھی صحیح و سالم ہے۔ بھون نے کہا بیشک ہم لوگ شاہد ہیں۔ میں غصہ ہی کی حالت میں سوار ہو کر واپس چلا۔ اور گھوڑے کو سرسٹا پھینکا میری کیفیت دیوانوں سے جو رہی تھی اور سستے بھر یہ خیال ہوتا تھا کہ ابو دلف کا قتل اب اور بھی یقینی ہو جائے گا۔ انہیں بھی ابھی پہنچے گا، اُس سے خلیفہ اکبر کر گیا کہ میں نے پیغام نہیں بھیجا تم جا کر قاسم کو مار ڈالو، جب آستان خلافت پر میں پہنچا، خادم نے میری حالت غیر دیکھی، بدن پہینے پہینے، سانس

پھولی ہوئی تھی، فوراً مجھے اندر لے گیا۔ خلیفہ نے ازراہ شفقت خادم کو حکم دیا کہ دو مال سے چہرہ
 پر پتھر پھینک دے اور میرا بی بی امیر لہجہ میں پوچھا تھے اب عبد اللہ کو تمہیں کیا ہوا پتہ
 دے دو اور عرض کی کہ آج جو واقعہ مجھے گزرا ہے عمر بھر نہیں گزرا تھا، افسوس ہے کہ ان لوگوں کی ناسلمانی کیونکر
 کیا کیا نوبت نہیں آتی! فرمایا حال کہو میں نے ابتدا سے کتنا شروع کیا جب اس ذکر تک پہنچا کہ غیر
 بازو کا، سر کا اور ہاتھ کا بوسہ دیا، پانوں چومنے کو مجھ کا، اسپر افشین نے کہا کہ ہزار بار زمین بھی چوم
 تو کوئی نتیجہ نہ ہو گا میں قاسم کو ضرور قتل کر دوں گا اتنا ہی میں کہنے پایا تھا کہ افشین بازو کا وہن کلاہ و
 دھند لگا لے ہوئے گیا۔ میں افسردہ ہو کر خاموش ہو رہا، ولین کہنے لگا سو باتفاق تو دیکھو میں
 اسی اصل حال امیر المؤمنین سے کہنے بھی نہ پایا تھا کہ آپ کی طرف سے جعلی پیغام دیکر قاسم کو
 بچایا ہی کہ یہ جنت لگیا۔ افشین اس وقت پیغام کا ذکر کرے گا تو خلیفہ کے انکار سے میری رسوا کی
 الگ ہوگی اور قاسم کی گردن الگ ماری جائے گی۔ میں تو یہ سوچتا تھا اور خدا کو کچھ اور منظور تھا،
 میری ہانتوں کا حال سن کر خلیفہ کا دل بھرا آیا تھا۔ افشین جب بیٹھا امیر المؤمنین سے بھڑائی ہوئی آوا
 میں کہنے لگا کہ کل حضور نے ابو دلف پر مجھے کامل اختیار عطا فرمائے اور آج احمد نے جا کر حضور کا
 پیغام دیا کہ اسکو قتل کرو، کیا یہ درست ہے؟ مستعصم نے کہا۔ ہاں میرا ہی پیغام ہے کبھی احمد کو
 تمہیں مجھ پر میرے بزرگوں پر افترا کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ بے شک تمہاری کھل و نزاری پر کل
 میں نے اختیارات دیے تھے مگر ابو دلف میرے خاندان کا قادی خلوم ہے عقل کا مقتضایہ تھا کہ اسکو
 جو تم نے بلایا تو میرا بی بی شفقت سے پیش آتے، خلعت دیکر گھر بھیجتے، باز کہ اسکو قتل کرتے، اب اسکو
 ابو عبد اللہ کا بنیدہ کرنا سب سے زیادہ برا ہے! مگر یہ شخص اپنی اصالت کے موافق کام کرتا ہے اور مجھے جو
 ساتھ بھلا کیونکر سلوک کر سکتے ہیں عربوں کی تلوار کی آغٹھیں بھولی نہیں ہیں۔ اسی کا بدلہ لیتے ہیں
 خبردار آئندہ سے ہوشیار رہو! افشین یہ سن کر نہایت دل شکستہ ہو کر اٹھا اور چلا گیا۔

لکھ جانے کے بعد خلیفہ نے مجھے پوچھا کہ میری طرف سے جہلی پیغام دینا تم کو کونکر
 بنا کر کہا؟ میں نے عرض کی کیا کرتا ایک یگناہ مسلمان کا خون ناحق جونا مجھے دیکھا گیا۔ خدا تعالیٰ
 اسکا اجر دیا، کوئی بد سبب نہ فرما کر گا۔ پھر چند آیتیں اور حدیثیں پر معین معتمد منس ثا اور کہا: سچ
 کہتے ہو یہی کرنا تھا خدا کی قسم تم دیکھ لینا کہ فہشیں میرے ہاتھوں سے اب سلامت نہ بچے گا
 وہ کجعت مسلمان نہیں ہے، میں نے بہت دعائیں دین اور شکر یہ ادا کیا کہ قاسم کی جان بچ گئی پھر
 مرو نے لگا معتمد نے ایک حاجب کو بلا کر حکم دیا کہ فہشیں کے گھر میری خاص سواری کا گھوڑا لجاؤ
 اور ابو دلف کو اس پر سوار کر کے ابو عبد اللہ کے مکان میں لے آؤ۔ حاجب تعمیل ارشاد کے لیے چلا گیا
 اور میں بھی رنست ہوا، سستے میں توقف کرتا ہوا جاتا تھا کہ حاجب اور ابو دلف میرے پہنچنے کو
 قبل پہنچ جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، قاسم کو سینے پر لے کر دروازہ پر بیٹھا ہوا پایا وہ مجھے دیکھ کر شکر
 کرنے لگا۔ میں نے کہا میرا کیا شکر کرتے ہو، خدا تعالیٰ اور خلیفہ کا شکر کرو کہ تمہاری جان بچی۔ پھر ساتھ
 نہایت اعزاز کے ساتھ اسکو گھر پہنچا دیا۔

اس واقعہ کی ایک مدت کے بعد خلیفہ نے احمد کی کوشش سے فہشیں کو قتل کر دیا۔
 قاضی احمد بن ابی وہاد، مامون کے عقیدے کو موافق، کلام اللہ کے حدوث کو قائل تھا
 اور امام احمد بن حنبل قدیم مانتے تھے۔ رمضان کے مہینے ۲۳۲ ہجری میں خلیفہ کے حکم سے دونوں
 منظرہ ہوا۔ انھوں نے ابی وہاد و بحث میں غالب آئے احمد بن حنبل سے اگرچہ جواب نہ چل سکا مگر
 انھوں نے زبان سے حدوث قرآن کا اقرار نہ کیا، اپنے عقیدے پر قائم رہے۔ معتمد نے انہیں
 لکھنے کا حکم دیا، تیس کوڑے لگائے گئے اور قید خانے میں بھیجے گئے۔

علمی خزینہ

یورپ کی دنیا کو اب حسین محمد داؤد گیلانی کے چھاپے کی کتابیں

معارف و ہرگز تباہین چھپر شائع ہوئی ہیں جنکی تفصیل ذیل میں ہے۔

اگرچہ یہ معلومات اللہ و اللہ غفرال کی تصنیف ہے۔

دوا و اہل المدینۃ النافذۃ - حکیم ابو نصر فارابی کی تصنیف ہے۔ ہم کو اس کتاب کا بہت شہساز تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ معمولی درجہ کی کتاب نکلی۔

الجواب الصحیح - ابن تیمیہ کی تصنیف ہے۔

تفسیری - امام غزالی کی سب سے اخیر تصنیف ہے۔ اصول فقہ میں ہے۔ امام صاحب نے اصول فقہ متعدد کتابیں لکھیں، یہ سب زیادہ آسان اور جامع ہے۔ اس کتاب کیساتھ مولانا عبد العلی بجا علیہ السلام کی شرح مسلم الثبوت بھی چھاپ دی ہے۔ ہندوستان کو فکر کرنا چاہیو کہ ان کی ملک کی تصنیفات میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

شرح مفتاح - فن بلاغت میں مفتاح سکاکی۔ نہایت اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔ علامہ قطب الدین نے اس کو علامہ تغلثزانی، وید شریعت نے اسپر شریعت لکھی ہیں۔ یہ سب کتابیں نایاب قیمن ہیں۔ اب اس میں سب کو ایک مجموعہ میں چھاپ دیا ہے۔

یورپ میں آج کل فارسی شعرا کے تذکرہ پر بہت توجہ ہے۔ چنانچہ عونیٰ زوی کا تذکرہ جس کا اب اللباب ہے۔ نہایت اہتمام سے چھاپا گیا ہے۔ پروفیسر براؤن نے اسکی تفسیر لکھی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بھوپال میں ندوۃ العلماء کا وفد

اور

حضور سرکار عالیہ خلد با اللہ تعالیٰ کی فیضی

یہ سٹے پانچا تھا کہ اوہل سرزمین ندوۃ العلماء کا وفد (ڈیپوٹیشن) متقل سرمایہ کے جمع کرنے کے لئے اطراف ملک میں روانہ ہو گا۔ چنانچہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو پہلا وفد کھنوت سے روانہ ہوا، اور سب سے پہلے آئے بھوپال کی اسلامی ریاست کی طرف رخ کیا، وفد کا جس طرح استقبال ہوا، جو کارروایاں ہوئیں، جن کا یہاں ہون کی امید ہے، یہ امور ہم آئندہ لکھ سکیں گے، لیکن اس وقت ہم اس کیفیت اور اثر کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے دلیر حضور سرکار عالیہ کی باریابی، اور ان کی ہرکلامی کے شوق حاصل ہونے پر مجسبو حکمرانان اسلام میں سے امتداد و روسا اور وایان ملک کی خدمت میں مانع ہونے کا اتفاق ہوا ہے، ان سے گفتگو، اور ہرکلامی کی ہی ذمہ داری ہے، لیکن میں بغیر کسی قسم کے روداری اور تلقین اس کہنے پر مجبور ہوں کہ میں نے اس وقت تک کسی بیس یا دالی ملک کو اس قدر وسیع معلومات خوش تقریر، فصیح اللسان، بختہ سخن، اور دقیقہ رس نہیں دیکھا، وہ تقریر فرما رہے تھے، اور میں محویت تھا کہ کیا وہی اور کھنوت کی سرزمین کے سوا، اور کسی ملک کا آدمی بھی ایسی شستہ اور فصیح اور دوستانہ بات نہ کہہ سکتا ہے، وہ مختلف ملی اور انتظامی امور پر گفتگو کرتے تھے، اور میں سوچتا تھا کہ کیا محذرات اور مجملہ نشین بھی اس قدر معلومات حاصل کر سکتے ہیں، وہ لطف و عنایت سے قواعد کے لہجہ میں مجھے دریافت فرمائی تھیں کہ آپ کو یہاں کن خاتم کی تکلیف تو نہیں، اور میں ہمت نہ آتا تھا کہ کیا مجھ

جیسے یہ پیر کو ایک حکمران ذوی الاقدار اس طرح مخاطب بنا سکتا ہے ؟

جب پہلے جناب ممدوح نے (پیارا اخلاق کے بعد) مجھے سوال کیا کہ تم نے یہاں کے مدارس دیکھ کر جو بخود دیوبند کی قیلیل کیوجہ سے مدارس بند تھے۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں، اس پر افسوس ظاہر کیا اور فرمایا کہ کائنات میں ایسے زمانے میں آتے کہ مدارس کو دیکھ کر پورٹ کر سکتے۔ میں نے وعدہ کیا کہ پھر حاضر ہوگا اس پر نہایت مسرت ظاہر کی، اور کہا یہ میرے فائدہ کی بات ہے۔

عربی علوم و فنون کے منزل پر نہایت افسوس ظاہر کیا، اور فرمایا کہ میں نے خود جس پایہ کے طیار و فضلا دیکھے تھے، آج ایک بھی اس درجہ کا نظر نہیں آتا، میں نے کہا کہ اسباب ہی ایسے پیدا ہو گئے ہیں، انگریزی گورنمنٹ میں عربی دانی کسی قسم کی معاش کا ذریعہ نہیں بن سکتی، اور دنیا کا کوئی کام غیر طہیمان معاش کے بنام نہیں یا سکتا، اسلامی یا ستین البتہ عربی کو سنبھال سکتی تھیں، لیکن وہ بھی تمام نوکریوں اور ملازمتوں میں انگریزی دانی کی شرط لگاتے جاتے ہیں، میری اس تقریر کے جواب میں جو کچھ جناب ممدوح فرمایا، اس پر غصہ نہ ہو سکتا کہ دیا بلکہ شکر امت اور انفعالی عرق عرق ہو گیا، فرمایا کہ آپ لوگ جس طرح عربی کی تعلیم دیتے ہیں، اس کو کوئی شخص اس قابل نہیں ہو سکتا کہ کسی ملکی خدمت کو انجام دے سکے، عربی خوان طلبہ کا یہاں یہ حال ہے کہ پندرہ پندرہ بیس میں برس سے عربی پڑھ رہے ہیں، اور فارغ تحصیل بھی نہیں ہوتے اور صرف اسوجہ کہ اگر فارغ کا نام ہو گا تو ان کا وظیفہ بند ہو جائے گا۔ چونکہ عربی دان کسی ملکی خدمت کے انجام دینے کے قابل نہیں ہوتے اسلئے مجبوراً ان کو کوئی خدمت نہیں دی جا سکتی، جناب ممدوح کی یہ رائے بالکل صحیح ہے، اور اس کا جواب کیا ہو سکتا تھا، البتہ میں نے اس قدر کہا کہ ندوۃ العلماء اسی غرض سے طرز تعلیم اور نصاب تعلیم میں تبدیلی کی ہے۔

اس کے بعد دیر تک اس پر گفتگو کرتی رہی کہ اہل ملک تعلیم کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، اسوجہ سے

تعلیم پر کچھ مرف ہو رہا ہے اس سے خود ملک کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، میں نے عرض کیا کہ تعلیم جبری کیوں نہ کر دی جائے جیسا کہ بعض ریاستوں نے اس پر عمل کیا ہے، فرمایا کہ جبری تو نہیں کر سکتی، لیکن یہ کیا کم ہے کہ تمام بڑے بڑے عہدے، باہر و اون کو ملے ہیں، اہل ملک میں جو ایک بھی کسی بڑے عہدہ پر مامور نہیں، اگر غیرت ہو تو یہ امر اچھے کیا کم ہے۔ اہل ملک، وظائف اور مناصب کے خوگر ہو گئے ہیں، ان کو نوکری اور ملازمت سے غرض ہی نہیں، وہ ہر وقت مرن وظائف اور مناصب کے متقاضی رہتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ اردو میں علوم جدیدہ کی کتابیں، کیوں نہیں ترجمہ کی جاتیں، میں نے کہا کہ ترجمہ کون کرے، انگریزی خوان معطلات علمی کا اردو میں ترجمہ نہیں کر سکتے، اور عربی خوان، انگریزی نہیں جانتے، میں نے انہیں اردو کی طرف سے اشتہار دیا، اور کسٹری کے مصطلحات چھاپ کر شائع کئے، لیکن کہیں سے کوئی صدا نہیں آئی، فرمایا کہ کیوں نہ ایک محکمہ قائم کیا جائے جس میں عربی و انگریزی دونوں زبانوں کے زبان دان، ملازم رکھے جائیں، ریاست اصفیہ جو بے بڑی مقتدر ریاست ہے اس سے اس کام کو انجام دے سکتی ہے۔

عرض اس قسم کے مضامین پر کامل ڈیڑھ گھنٹہ ٹانگ گئی، اور اس فصاحت کے ساتھ کہ میں تنہا جو حیرت انگیز تقریریں بھی بھلے اچھے ایسے ہوتے تھے جو انشا پر داری کی شان ظاہر کرتے تھے،

مثلاً ”جبکہ عنان حکومت میں نے اپنی ہاتھ میں لی، ملک کی تعلیمی حالت پر میرا دل رورہا، یہاں کے لوگ، لیاقت مائل نہیں کہ ڈکلا استحقاق آبائی پیش کرتے ہیں۔“

لیکن یہ بھلے ان کے زبان سے اس سلاست اور صفائی کے ساتھ ادا ہوتے تھے کہ مطلقاً متعجب اور آہستہ نہیں معلوم ہوتی تھی۔

جناب ممدوح کی مصروفیت لمبی کا یہ حال ہے کہ روزانہ بلاناغہ ۱۱ بجے سے ۴ بجے تک قتل و فوج

پس پردہ بیچ کر تمام کمالات کو سنسٹی اور ان پر حکام مناسب لکھواتی ہیں اور لوگ یہ کہتے ہیں کہ
پردہ میں بیچ کر عورتیں قابل نہیں ہو سکتیں، ان کے جواب کے لئے صرف جناب ممدود کا

نمونہ کافی ہے

شبلی ۳۰ اکتوبر
از بھوپال

سرکار عالیہ بھوپال

اور

مذوقہ علی امداد

ہم بہ کمال مسرت اس خبر کو لکھتے ہیں کہ سرکار عالیہ والیہ ریاست بھوپال دام اقبالہا نے

مذوقہ کے لئے پچاس روپیہ اہوار مقرر فرمایا،

خدا ان کو تا صدوی سال سلامت رکھے

لے سفون مندرجہ بالا کی کاپیاں طیارہ پکی تھیں کہ وہ لوہیٹا سو سو فٹ نے بھوپال سے بزرگ سے تدریکے، اور

خبر کی اطلاع دی۔

فارسی شاعری

اور

عربی شیرازی

مفرت جہاں ندین جاس عموماً حدیث و تفسیر کا درس دیا کرتے تھے لیکن ہفتہ میں
ایک دن شعر و شاعری کے لئے خاص کر دیا تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ شعر و ادب کا حکم
یعنی صحبت کا فرو بدل دیا کرو، اسی طرح مناسب ہے کہ اندوہ میں کبھی کبھی ادب و انشا
پر داری کے مضامین بھی لکھے جایا کریں۔

اس کے علاوہ یہ جو نام ظاہر پہلی ہوئی ہے کہ فارسی شاعری میں برآمدہ اور عشقہ بنانا
کے سوا، دو کچھ نہیں، ایک ایسی غلطی ہے جس کو ایک طرف تو واقعیت کو مدد پہنچا کر دیکھ
طرف سلسلہ انوکھا علم ادب کا ایک بڑا حصہ برباد ہو جاتا ہے اس بنا پر ہر قسم کی غلطیوں کا
سبب کرنا اندوہ کے فرائض میں داخل ہے

عربی کا نام و نسب محمد نام، جمال الدین لقب، عربی تخلص، باپ کا نام زین الدین ملوی اور دادی کا جمال الدین
یا دربان تھا، ایران میں اُن محکمہ جات اور عدالتوں کو جو مذہبی حیثیت سے تعلق نہیں رکھتے عرف کتبے دین
عربی کا باپ شیراز کے دار الحکومت میں ایک سفر زحمت پر مقرر تھا، عربی نے اسی مناسبت سے اپنا تخلص عربی رکھا
عربی کے حالات اگرچہ تفصیل نام نہور میں ہیں لیکن مستند نو پسند واقعات مآثر جیسی اور تذکرہ عرفات اور کسی سوا اور کسی تذکرہ
نہیں پاسے جلتے مآثر جیسی اصل میں جہاں میرزا خان بھٹان کی سوغ عربی ہے لیکن سین تمام ان شعراء و ادباء فن کا مفصل تذکرہ جو خان
بھٹان کے دربار سے تعلق رکھتے تھے اس کتاب کے صنف خود ان شعراء کا سامر تھا اس لئے دلچسپ حالات بہرہ نیا ہی ملیں اور ان واقعات سے جو ہم پر

نیز در مشغول می نمودن ثابت ترمیمی و عمرانی را منظور داشت تا تخلص خود و عمری کرد»

انتقال کے اختیار کرنے کے متعلق اس قدر راو رکنا ضروری کہ عرفی نظر سے معذور اور خود ستا تھا، چو کھیا بلکہ اکثر شعرا و معمولی خاندانوں کے ہتھ لانا فانی پڑھی تھا، مغروس یا غیبی کرتا تھا، باقر کا شانی خرد و مغروس تھا، برکتا اس کے عرفی تھیک - خرم غاوان کا آدمی تھا اور اس کا باپ سرکاری حکم دہی تعلق رکھتا تھا، انکو جس بھی یہاں قائم رکھی عرفی نام و نسب پر اکثر فرمایا جو اور یہ بھی اسکے خصوصیات ہیں جو در ذرا ان کے شعرا میں نسب کا مغربیت ہی شان و فادور پایا جائیگا۔

عربی کی تعلیم و تربیت شیراز میں ہوئی۔ شاہ نواز خان (مصنف آثارالامراء) نے سیکرہ بہارستان میں ملکہ ایکو کھلی ملاو کاہولی علوم کے معصومی اور نقاشی کی بھی تعلیم پائی تھی۔ عربی نے جب ہوش نبھالا تو سلطنت صفویہ کا نشانہ بنا اور وہاں سب و عباس کی طرح پروسی نے تمام ایران کو طرد و ہنر کی منائی گاہ بنا دیا تھا، بالخصوص ہشامی، بڑے ہندو تھی، مختصر کاشی، دینی یزدی، غیرتی وغیرہ نے فغانی کی طرز کو اور زیادہ شوق کر دیا تھا اور تمام ملک ان کی زرخیز بنیوں سے گونج اٹھا تھا عربی نے بھی اپنا اظہار کمال کے لیے یہی میدان پسند کیا اور باوجود کم سنی کے بڑی شہسو پہلے استادوں کے ساتھ سرکارانی شروع کر دی اس زمانہ میں فغانی کی اکثر فرغین طرح کی جلاتی تھیں اور مختصر کاشی وغیرہ ان میں فرغین کہتے تھے عربی بھی خاصی طرح پر فرغین لکھتا تھا اور عام شاعروں میں بے بالا نہ پڑھتا تھا کاشی یزدی و دین سکونت رکھتا تھا اسلئے اس جو تحریری مناظرات رہتو تھا و مدی نے لکھا ہو کہ عربی کے ان سرکون بیٹھوں بھی شریک ہوا ہوں اسوقت الکی عورتیں برسوں زیادہ نہ تھی شاعری کے جو مصنف اس زمانہ میں زیادہ رواں دواں نہ تھے قصیدہ گوئی اور غزل گوئی تھی لیکن عربی نے جب تک وہ ایمان میں رہا اپنی ہمعصر کے بغیر ان قصیدہ گوئیات پر اپنا لگاؤ خود قصائد مثنوی اور حبشی کے لئے مخصوص تھے اور عربی کی خود داری اس سنگ کو گوار نہیں کر سکتی تھی۔

عربی کی قدر دانی کے لئے اگرچہ ایران میں جو کچھ کہ سامان تھا ہاں ہندوستان کی ہی بات کہان نصیب ہو چکی تھی
بقیہ جانشینہ صفحہ (۱) غرات کا صف بھی قریب قریب اسی زمانہ میں تھا اور اس سے عربی کو پیش برہمن کی چیز

دیکھتا تھا۔ وہ دو لاکھ کنڈیز میرے پیش نظر تھیں

جس کے بعد اس نے یہاں کے ہر کوئی سے اہل حق کو پھیلانے کے لئے، مرزا صاحب نے کسی شخص سے تائید ہو کر کہا ہوا

بچو خرم سفر ہند کہ دور ہر دل ہست	رفق سودا سے تو دینچ سری نیست کفیت
----------------------------------	-----------------------------------

بعض تذکرہ نگارین لکھا ہوا کہ عرفی، شہزادہ شیکم حسن پر غالبانہ عاشق ہو کر آیا، بہر حال اسے ہندوستان کا رخ کیا،
 راستہ میں ڈاکہ چڑھا اور اس کی کل کالاشات جاتی رہی، اسپریر رباعی لکھی

دو شینہ کہ چوہر دہر دو شمش بود	زانو چو عروس نور آخوشم بود
بوشیدینہ داشت تم غیر از چشم	چیزے کہ زیر سر ہر ہم گوشم بود

ہندوستان میں اگر پیکر دن احرار اور اہل دول تھا لیکن عرفی نے ان سب میں بھی کو انتخاب کیا۔ جسکی وجہ
 یہ تھی کہ اس کے دربار تک پہنچنا آسان تھا، یا یہ کہ سخن شناسی کی توقع جو فیضی سے ہو سکتی تھی اور کسی سے نہیں
 ہو سکتی تھی۔ عرفی رخ پور سے سری میں فیضی سے ملا، فیضی نے اسکی پوری قدردانی کی، پنجاب کے سفر میں وہ اہل
 ملک، فیضی کے ہر کرب ریا اور اسکی تمام ضروریات، فیضی ہی کی سرکار سے انجام پاتے رہے۔ لیکن عرفی کی نفوذ
 پرستی کی وجہ سے محبت برائے ہوئی، اور بالآخر اس دربار سے قطع تعلقی کرنا پڑا۔

اس زمانہ میں اکبری دربار کے نورتن سب موجود تھے جن میں حکیم ابو الفتح گیلانی اگرچہ ظاہری منصب، طاقتدار
 کے لحاظ سے سب سے کم پایہ تھا، مگر صرف، ہزاری منصب رکھتا تھا، لیکن بہت بڑا عالم اور علم و فضل کا بڑا تھکا
 تھا، اس کے ساتھ عرفی کا ہم وطن اور ہم منصب تھا، ان خصوصیات کی بنا پر اسکی کو ترجیح دی، اور قصیدہ مدح
 لکھ کر پیش کیا، یہ پہلا دن تھا کہ عرفی کے غور کی آن ٹوٹی، غالباً خود عرفی کو بھی اس کا سخت مددہ ہوا، چنانچہ
 قصیدہ میں اس کے اشلے پائے جاتے ہیں۔

حکیم ابو الفتح بناختہ شناس اور نقاد فن تھا، عرفی نے اسکی فیض محبت کی بہت ترقی کی، حکیم ابو الفتح نے ایک
 مقدمہ میں جو خان خانان کے نام جو یہ الفاظ لکھ ہیں ملا عرفی و ملا میاں بی بیار ترقی کردہ اندک اندک ایک وہ
 شاندار امر، اول دول علم و فضل میں یہ پایہ رکھتے تھے کہ عرفی جیسے اہل کمال، انکی محبت سے مستفید ہو سکتے تھے،

سرخ بیہلا

کے زمانہ دور کیابی گیلانی

مرقی نے بھی حکیم ابو الفتح کی احسان مندی کا پورا حق ادا کیا اور اس زور کے قید سے حکیم صاحب کی نشان دہی میں
اکبر و خان خانان کی مدح میں بھی نہیں لکھے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جب تک ابو الفتح زندہ تھا تو خود اپنی
خواہش کو کسی دربار کی طرف رخ نہیں کیا۔

حکیم ابو الفتح اور خان خانان سے غایت درجہ کا اتحاد تھا، حکیم موصوف کی فرمائش سے مرعی سفین خانان کی
مذہب میں قید لکھا جس کا مطلع یہ ہے عیاں کہ باطل آن می کس پریشانی، اس قید میں اس واقعہ کا
تہایت لطیف پیرایہ میں ذکر کیا جو چاہے کہتا ہو۔

از ان نہ دیدنش گوشت کمی سینہ	ترا، و او را یکتا چشم و حسانی
ولیس و مدبر ترین بن کرم خود پیوست	مرا بہ مدح تو فرمود گو ہر افشا نی

حکیم ابو الفتح نے شہود میں انتقال عیاں، مرعی پر اس واقعہ کا سنت اثر ہو چنانچہ اس زمانہ میں خان خانان کی
مدح میں جو قید لکھا، یہاں کہتا ہو

یہ احتیاج گو گو کہ مرد و عسری ما	چہ بر سر از ہو سس مرگ ناگہان مد
برفت، و لطف تو بر سن گذشت دین کیست	بہ نزد عقل کتاوان آن زیان آمد
تو آگہی کہ مر از غروب این نور شید	پہ گنجہا سے سعادت زیان آمد

حکیم ابو الفتح کے مرنے کے بعد مرعی خان خانان کو درباریوں میں داخل ہوا، اور پھر خاندان شاہی کے
سوا، اور کسی کے استثناء پر کبھی سر نہیں جھکایا، چنانچہ خود فرمایا کہتا ہے

ایک منعم، و یک نعمت، و یک منت و یک کج	مدد شکر کہ تقدیر میں راند قسمل را
---------------------------------------	-----------------------------------

خان خانان، امراست اکبری کا گل سر بہ تھا، اس زمانہ میں وہی ایک شخص تھا جس کے تلخ فقر پر چکا مسکین
والقلم کا طرہ خوش نامعلوم ہوتا ہے۔ گجرات کی فتح جس میں اس نے دس ہزار فوج سے چالیس ہزار
جمعیت کو شکست دی، اس کی شجاعت کا ایک معمولی کارنامہ ہے، فیاضی کا یہ حال تھا کہ لطیفہ
پیش پوری کو ایک لطیفہ پر لاکھ روپے دلوادے، خود شاعر اور شعر کا بڑا قادران تھا، جملہ لطیفی
نہاوندی نے اس کے مفصل حالات دو جلدوں میں لکھے ہیں، ایک جلد میں صرف اس کے دربار

شعرواہل کمال کا ذکر ہی اس طرح میں "پندست" و "بندست" تمام اساتذہ نے فرمیں کہی ہیں کہ
خان خانان کن شعرون کا جواب نہیں

مدیث شوق نداشتہ ام کہ تا چند است	بیزان قدر کہ دم سخت آرزو مند است
ندوام دلم نہ دانه اینقدر دوا غم	کہ پاسے تاب سرم ہرچہ است و بندست

عرفی نے خان خانان کے دربار میں پہنچ کر خاطر خواہ ترقی حاصل کی، مآثرِ رحیمی میں لکھا ہے: بہ اندک فرحت
بہین تربیت و شاگردی و مداحی میں دانائے روزِ پختگی تمام و ترقی مالا کلام در تلو ماتشں ہمہ سید
چونکہ خان خانان کے دربار میں بڑے بڑے نامور شعرا مثلاً فیضی نیشاپوری، شکیبی، مصطفائی
انیمی، طہوری، وغیرہ سے مقابلہ رہتا تھا۔ عرفی کا کلام روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا، یہاں تک کہ تقرب
اور اقتصادِ غریبی، وہ حریفوں کی صف کو چیرتا ہوا آگے نکل گیا، یہ بات انہی کو فیضی ہوئی کہ دربار میں
جاتا تھا تو عام طریقہ پر آداب و کونش نہیں بجا لاتا تھا، اور بس جگہ جس طرح چاہتا تھا بیٹھ جاتا تھا۔
مآثرِ رحیمی میں جو "در ایام ملازمت تسلیم و کورفتے کہ در ہندوستان متعارف است کہ جو من
سلام بھاجان می کنند، بہ صاحب خود می کرد، و بہ ہر طرز و طور و روشے کہ می خواست در مجاس
می نشست و اہل عالم تقدیم را قبول می نمودند،"

خان خانان نے عرفی کے ساتھ وقتاً فوقتاً جو فیاضان کین او کی ایک ادنی مثال یہ ہے کہ ایک قصیدہ
سفرِ زار و سپہ انعام دلوائے

عرفی نے اگرچہ خان خانان کے سوا اہل دربار میں کسی کی مدح سرانی گوارا نہ کی، لیکن فرماؤ
وقت یہی ہے نیازی ممکن نہ تھی، اسلئے خود اپنی خواہش، یا خان خانان کی فرمائش ہو اگر کی مدح میں
اسنے متعدد قصائد لکھے، لیکن ابو الفضل اودھینی کے آگے اس کا چراغ نہیں جل سکتا تھا۔ ابو الفضل
اکبر نامہ اور انیم اکبری دونوں میں عرفی کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اس طرح کہ نہ کہ تا تو اچھا تھا، اکبر نامہ میں لکھا ہے
"وہ سے از سخن سراے بہر کشودہ بودند در خود نگریست و بر پاستایان زبان سخن کشود و فخر استعدا

لہ غزنہ عامر و تذکرہ عرفی

نکستہ تر مرد اس کا کان نہیں ہو سکا کہ عربی صحریٰ زیادہ مغرور اور خود ستا تھا اور اس لئے اس کا نام اپنے متاثرین میں پھیلتا تھا یا پھر کہتا ہی

بہ صفت بدہ الوفرج والوزی امروہ	بہ صفت غنیمت شمارندہم را
بسم شدن ہمارے نفس بجان شان دہا	ناسم تلم اندازم و گیرندہم را
تفرستے کہ من از ہر روح سازد ہم	تہ افوری نہ فلانی دہندہ ہم را
نارکش سعدی بہشت خاک شیراز از پیر	اگر نہ می دانست باشد مولد و ماہرین
دوم می تنہا داشت خاقانی کہ بر خیزد	بہ امداد صبا ایک فرستادم بہ شرویش

اگر غمخوار سے تمام ہم عمر نالان تھے یہاں تک کہ نظری نیشاپوری جو ایک مرغ مرغمان شمار تھا اس کی بھی جنت نہ ہو سکا، چنانچہ ایک قصیدہ میں جو عربی کے مرنے کے بعد اس کے جواب میں لکھا ہے کہتا ہے

حدین قصیدہ بہ گستاخی از عربی گفت	بہ داغ رشک پس از مرغ سوخت خاقانی
کنون بہ گوزینان او بہ رشک میوزد	کہ در تنور توان گوشت بر پائی

بہر حال ان اسباب کے اگر کے دربار میں عربی کا رنگ بچنے نہ دیا، قصیدہ کثیر سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر نے شہنشاہ شہر کاہن کو سزا دیا تھا اس میں عربی بھی ہر کاہ تھا، ایک قطعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر نے کسی موقع پر ایک گھوڑا بھی انعام میں دیا تھا، لیکن عربی نے بجائے اس کے کہ شکر کا اظہار کرتا، اُسے گھوڑے کی جو لکھی۔

شاہنشاہ حقیقت اپنے کہ دادہ	بشور لطف تا بہر نام بہر عربی
ہستم بر سوار و بی بی سادہ نام	اگاسے بہ طول می زدوم کنون نام بہر عربی

خان خانان اور اکبر کے سوا عربی نے کسی اور ستان کی اگر ناہیہ سالی کی تو وہ شاہزادہ سلیم تھا اور عربی کی تاریخ زندگی میں یہ واقعہ ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔ تمام تذکرے متفق ہیں کہ عربی شہزادہ مذکور کا جان دادہ تھا۔ یہ امر اگرچہ بظاہر بالکل خلاف قیاس ہے

لیکن عربی کے قصائد میں بے شبہ چمک پائی جاتی ہے، شہزادہ موصوف کی شان میں اس کے جو قصیدے ہیں ان کے دیکھنے سے صاف نظر آتا ہے کہ یہ اور کوئی جوش ہو بلکہ رنگ مداحی کے لباس میں چمک رہا ہے۔ عربی کو اس خوش نشینی پر ناز ہو سکتا ہے کہ شہزادہ نے خود اس کو یاد کیا، اور دربار میں ہلا کر قصیدہ لکھو کی فرمائش کی، عربی جس شان ہو دربار میں پھونکا ہے، اور شہزادہ نے جس طرح اس کی نگاہ بپہلو کر زبان سواہقین کی ہیں اسی تصویر خود عربی نے نہایت خوبی سے لکھی ہے۔

کہ ناگہان ند درم در رسید خرویدہ	چنان کہ از چین طالعہ نم فرستیم
چہ گفت گفت کہ اس غزن جواہر قرص	یہ گفت گفت کہ اسے سطل بیت نعیم
بیاکہ از گھر یا دمی کند دریا	بیاکہ تشنہ لبست را طلب کند تسیم
برہ فت ادم و گشتم چنان شتاب دہ	کہ دست اہل کرم در زشتار گوہر ہم
مرا چو دوش بدوش ادب ابید استاد	بلطف خاص بدل کرد اتفاقات عسیم
رموز گورنش و تسلیم را ادا کردم	بہ طاب مردم دانا، و بذلہ سنجیدیم
گفت و من بشنودم ہر چہ گفتن داشت	کہ در میان گشس کرد و بزبان تقیم
لبش چو نوبت خویش از گاہ باز رفت	فتاد سامعہ در موج کوثر و تسیم

افریکی دونوں شعر دن کا ترجمہ یہ ہے "شہزادہ نے کچھ نہیں کہا، اور میں نے سن لیا، کیونکہ تقریر کرنے میں، اسکی نگاہ نے زبان پر پشیدہ سستی کی، پھر جب نگاہ سے گذر کر، ہونہوں کی باری آئی، تو میرے کان کوثر و تسیم کے موجوں میں ڈوب گئے، شیخ سعدی نے ایک قطعہ میں یہ مضمون بیان کیا کہ اس شاعر کو مانتی کا نام لینا چاہئے جو قصیدہ میں دو چار شعر عشقہ کہہ کر مداحی شروع کر دے۔ عربی نے اس پر ایک قطعہ کہا ہے اس میں شہزادہ سلیم کی معشوقہ کی طرف نہایت لطیف اشارہ کیا ہے۔

دہی کے گئے گفت کہ سعدی گھر افروختن	قطعہ گفت کہ اندیشہ بران مینازد
خوش خلق حرام است بران پیہر گوئی	کہ چو وہ بیت غزل گفت، مدح آماند
گفتیم میں خود چہ بیت ہم کے مدح	ہر کہ این لالت ز نذر خوش روی بیخاں

لو جس اندیشی عربی گویا	اُن کہ ممدوح بود عشق بہ اومی بآورد
میں سی سدی گو ممدوح کو مشوق پر ترجیح نہیں دیتے لیکن بہر حال مشوق کے ملاوہ اُن کا کوئی ممدوح بھی ہے لیکن میرا تو ممدوح بھی وہی جو جو مشوق ہو	
وفات تذکرہ داغستانی وغیرہ میں لکھا ہے کہ ماسدون نے اسکو زہر دیا بعضوں نے لکھا ہے کہ زہر دینے کی وجہ شہزادہ سلیم کے ساتھ عشق کا اظہار تھا، ابو الفضل نے اکبر نامہ میں ۹۹۹ھ کے داغیات کے ذیل میں لکھا ہے، ”نیز دہم، عربی شیرازی رخت ہستی بر بست، درے از سخن سرای بر دے کشودہ بدند، گردو نہ بخستی زندگی را بہ شایستگی بہر دے، وزمانے فترت دادے کارا و بلند، درین نزدیکی این رباعی بر سنجیدہ بود“	
عربی دم نزع است و ہمان سستی تو	ایا بچہ مایہ رخت بر بستی تو نرواست کہ دوست، نقد فرد و کجف
انتقال کے وقت اسی عمر ۳۶ برس کی تھی۔	
تذکرہ داغستانی میں لکھا ہے کہ لاہوری میں مدفون ہوا، اور چند روز کے بعد کوئی درویش کسی اور بزرگ کے دھوکے میں، اسکی ہڈیاں قبر سے نکال کر بجھ میں لے گیا، اور وہاں دفن کر دیں لیکن یہ غلط ہے، عبدالباقی نے جو خود عربی کا معاصر تھا، مآثر میمنہ لکھا ہے کہ میر صاحبہ اصفہانی نے جو عظام غیاث بیگ (وزیر و خیر بہایگر بادشاہ) کا درباری تھا، ایک قلندر کو رقم کینزدی کہ عربی کی عظام لاہور سے بجھ لے جائے بہر حال عربی کی پیشین گوئی پوری ہوئی	
پہ کاوش خزاں از گورتا بجف بروم	اگر بہ ہند ہلاک کنی و گر بہ تار
ملاروقی حمدانی نے اس داغ کی تاریخ میں یہ قطعہ لکھا،	
یگانہ گو ہر دریائے معرفت عربی	کہ آسمان پئے پروردش قلیہ پہ کاوش خزاں از گورتا بجف بروم رسم ز دانی ہے تاغی و رونق کلک

تصنیفات حسب ذیل ہیں

غنیہ تصوف میں ہے، نام سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس کے متعلق ہوگا، آثار مجیدی میں اس کے نسبت کیا ہے
۱۰ سالہ نیز موسوم، غنیہ در نشر نوشتہ کہ صوفیان و درویشان را سر لوحہ ذکر تصوف و تحقیق بیویگا

مثنوی بہ جواب مخزن اسرار دیوان کے ساتھ بھی ہے

مثنوی بہ جواب شیرین خسرو، آشکدہ اور مجمع الفصاحین اس کے خمار نقل کے ہیں،

کلیات قصائد و غزلیات ۱۱۹ میل یک دیوان ترتیب دیا تھا جس میں ۱ قصیدے ۲۰۰ غزلیں،

اور ۱۰۰ شعر کے قطعات اور رباعیاں تھیں اس دیوان کی خود ہی تاریخ بھی تھی

میں طرفہ نکات سحری و اعجازی	چون گشت کمل بہ رستم پر داری
مجموعہ طراز قدس تاریخش یافت	اول دیوان عسری شیرازی

اس رباعی میں عجیب و غریب صنعت رکھی ہے۔ چونکہ مصرع جس سے تاریخ نکلتی ہے اس میں کایوں کے
حد لئے جائیں تو قصائد کی تعداد کے موافق ہوتے ہیں، ایسے ۱۲۶ دیوانوں کے عدد حساب کیا جائے
تو شعروں کی تعداد کے برابر ہوتے ہیں یعنی ۱۲۶۰ اور سیکڑوں کو لیا جائے تو قطعات اور رباعی
تعداد ظاہر ہوتی ہے یعنی ۱۰۰، مختصر یہ کہ اسی مصرع میں تاریخ بھی ہے اور ہر قسم کے اشعار کی
تکملہ الگ تعداد بھی۔

یہ انیسویں کا کلام ہے اس سے پہلے چھ ہزار شعر کہے تھے، وہ بدستی سے ضائع ہو گئے چنانچہ
اس کے اہم ترین ایک پر دروغ لکھی جو دیوان میں موجود اور ذیل میں درج ہے

عمر در شعر بسر کردہ و در بانتم ام	عمر در باختہ را بار و گن باختہ ام
ساقی مصطفیٰ لطفم دے ریختہ ام	طائر با چہ قسم و پر خستہ ام
اعطش نیز غدا نشندہ لبی ہر سو یم	کہ قدح بائے پر از خون جگر باختہ ام
شاید از تلخ ششم نالہ ز حیران سخن	طوطی گر سدا تم گنگت باختہ ام

۱۱۰ آثار مجیدی

مصدق شرع بنی چون شود مخدوم شش ہزار آیت احکام بنامش
 آری رخ و عمر کی حالت میں دفعہ بلند ہستی اور علی حوصلگی کے جوش میں آکر کہتا ہے، اور کیا خوب
 کہتا ہے

گفتہ اگر شرف و نعم بشکر کہ ناگفتہ یادت از دو مسجد گنج یکے شست گہر تمام

اس خیال کو کہ اگر چھپا کلام جاتا رہا تو سنا اللہ نہیں پھر کہہ لوں گا، کس لطیف شاعر نے پیرایہ میں
 ادایا ہے یعنی اگر کہا ہوا جاتا رہا تو پورا نہیں، شکر ہے کہ بن کہا ہوا تو موجود ہے،
 مرنے کے وقت اپنا دیوان، عبدالرحیم خان خانان کے کتب خانہ میں بھیجا تھا کہ مدون
 کر دیا جائے چنانچہ شاہ جہاں عبدالباقی نے سراج اصفہانی کی امانت سے یہ دیوان مرتب کیا
 ترتیب دادہ سے ترتیب کی تاریخ نکلتی ہے۔ عبدالباقی نے اسپرلیک و پیام بھی لکھا ہے چہر
 عربی کے حالات اور واقعات درج کئے چنانچہ آثار جیسی میں اسکا ذکر کیا ہے
 فوس نسخہ آج بالکل نیا ہے ورنہ غالباً بہت ہی دلچسپ باتیں معلوم ہوتیں، مصداق مدون
 شہنواز خان نے تذکرہ بہارستان میں لکھا ہے کہ عربی کا ضایع شدہ کلام بھی آخر لکھا
 اور دیوان میں داخل کر دیا گیا، لیکن جو نسخے اس سے پہلے شائع ہو چکے تھے، وہ ناقص رہے
 یہ بیان قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ میں نے عربی کے دیوان کے نسخے باہر منتقل دیئے ہیں،
 مرزا اصائب نے اپنی بیاض میں جس کا نہایت عمدہ نسخہ حیدرآباد میں موجود ہے۔ عربی کے
 اکثر شعرا انتخاب کے میں جو موجودہ دیوانوں میں نہیں ملے،

کلام پر اسے عربی کے کلام کی تعریف و تمجید، اور اساتذہ سلف سے اس کا موازنہ، ہم ایچذیر
 تصنیف کتاب شعر الجم کے لئے اٹھا رکھے ہیں، اس موقع پر سرسری بانوں پر اکتفا کیا جاتا ہے،
 اس قدر مسلم ہے کہ ہنواف میں سے عربی تنویدی بھی نہیں کہتا تھا، اس کے ایک متعقد خاص نے
 بھی تسلیم کیا کہ شعر شوکیش رنگ فصاحت مذمت پکان نمک بود، ولاحظ مذاشت اس کا
 اس سے بھی اٹکار نہیں ہو سکتا کہ اس کے کلام میں جا بجا خامی پائی جاتی ہے، لیکن ان سب بانوں کے ساتھ

وہ ایک طرز خاص کا موجد ہے اور آج تک تمام شعرا کی تقلید کرتے ہیں مگر میری میں سے
طرز تازہ ہست کہ الحمال مستعان والندان و حل بجان جمع اوی نمایند،
ایک عجیب بات یہ ہے کہ ان شاعری کی شہرت قصیدہ میں ہے لیکن وہ خود کہتا ہے

قصیدہ کار جو س پیشگان بود عربی	تو از قبیلہ عشقی، و طیفات غزل است
--------------------------------	-----------------------------------

مرا صانع اس کا ترنہ نظری سے کم قرار دیا ہے، بیانیہ کہتے ہیں

اصاب چرخ الہ است توی جو نظری	عربی بہ نظری نہ رسانید سخن را
------------------------------	-------------------------------

نظری نے ایک ہم طرح قصیدہ میں عربی کے اشعار کا رد کیا ہے جو ہم ان کو اس موقع پر نقل کرتے ہیں
محض ظاہر ہو گا کہ نظری جیسا شخص، باوجود پوری کوشش کے، عربی کی شاعری پر اعتراض کرنے میں
کامیاب نہ ہو سکا۔

وگر کہ گفت مباح را وی شرم ترا کہ فضل عدے بود کہ در بزم احمال جہل و بلاہت بود کہ غنہ زند	دین قصیدہ برد کمال ہستانی پیور وقت تر کم کنند ہمائی بفقد مایہ کج فہمی و غلط خوانی
---	---

عربی نے اپنی قصیدہ میں کہا تھا کہ میرا قصیدہ کسی غلط خوان سے نہ پڑھوایا جائے، ورنہ میرا بھی
وہی حال ہو گا جو کمال انیس کا ہوا تھا، اس پر نظری اعتراف کرتا ہے کہ خان خانان کی مجلس میں جانور بھی
سجاں ہیں، اس لئے یہ اندیشہ کہ کمال حماقت ہو،

اگر بنود ز شرطا و ب در آوردن اگر او فضل فلاطون است بر کشیدہ اگر چو سایہ ز رفعت، زمین فسر و گیر	بہ سلک مدح تو مدح حکیم گیلانی بود چہ تر ب کیان اعتبار یونانی وسے نہد بے پیے آفتاب چیلانی
--	--

عربی نے خان خانان کے دربار میں قصیدہ میں حکیم ابوالفتح کی مدح بھی کہی تھی اس پر نظری نے
تساہی کہ ابوالفتح کی آپ کے سامنے کیا حقیقت ہو وہ آپ ہی کا ساتھ پر دانتہ ہوا اس لئے آپ کے
ذکر کے ساتھ اس کا ذکر موزوں نہیں۔

کلاہ بادشہی سا کلاہ بارانی	وگرچہ برد نشان شود، کسے نہ کند
عربی نے خان خانان کی مدح میں لکھا تھا کہ ابوالفتح کے قصہ کا بادل جب برستا ہے تو لوگ تیرے عافیت کی بارانی ٹوپی، دعوے دیتے ہیں، نظری کا یا عرض ہے کہ خان خانان کی بادشاہانہ جگہ کی کلاہ بارانی نہیں کہنا چاہیے تھا۔	
خواب گشت یہ صورت بجاہت نہائی	اگرچہ کشور چین پر نقش مانی بود شعر عربی کے اس شعر کے جواب میں ہو،
تھے برم ازوے کے صورت ازمانی	دخیرہ نہدازن کہ مانی از صورت
عرض یہ ہے کہ ابنہ مانی موجود ہے، نہ اس کی بنائے ہوئی تصویریں، اسلئے عربی نے مدوح مانی سے کیوں تشبیہ دی، ان اعتراضات کی جو وقت ہے، ناظرین خود اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہرانہ اعتراضات کے ساتھ نظری نے اخیر میں عربی کی تتبع کا نقد کیا ہے، چنانچہ کہتا ہے	
کہ بہر دعوی اوقا طع است برمانی	بہ طرزوے دو بی تو دگر ادا سازم
عربی کے لئے یہ فرمایا کہ ہے کہ نظری جیسا شخص کسی تتبع کا نقد کرتا ہے، انتخاب شعرا عربی کے مان شاعری کی اگر مہنات پاسے جاتے ہیں، ان سب پر بحث کرنا اور اُن کے نمونے دکھانا، شعر العجم کا منصب ہے، اس مضمون میں ہم صرف چند اشعار پر اکتفا کرتے ہیں جن میں کوئی فلسفیانہ مسئلہ یا عشق و محبت کا کوئی نکتہ بیان کیا ہے	
خالق کائنات کی حقیقت نہیں معلوم ہو سکتی	
مکہ نہ توبہ اور اک شاید دانست وین سخن نیزہ اندازہ اور اک من است	
جسکو لوگوں نے خدا کہا ہے وہ خدا نہیں	
کہ یاران دیگرے رامی پرستند خواب نہ دیدہ را ہمد تعبیری کنند	برہنگن پرودہ معلوم گردد آنان کہ وصف حق تو تقریری کنند
جن چیزوں کو ہم مذہبی کہتے ہیں وہ بھی نظری ہیں	

ہر کس نشاندہ رازست و گز	پہا ہمد رازست کہ علوم عام است
عالم مہرست میں حضرت موسیٰ کو بھی زیادہ مالی ظرف در کلاہی	
عشق اگر دوست امر و تکیاب بیدارود	ورنہ چون موسیٰ ہم آورہ و بسیار آود
انسان عالم فطرت کا ایضاً متوجہ ہو	
ان کتابے کہ منش خاتمہ ام	روح محفوظ کستین ورق است
قابلیت مادہ کی تاثیر	
در دل ما، غم و نوب اغم مشوق شو	بادہ گرفتارم بود پختہ کند نشینما
چنان عشق مہیاے تربیت تنم	کہ گر زورہ نظر بایم آفتاب شرم
عاشق بلع لوگون کے سامنے عشیقہ تذکرے مناسب ہیں	
منامے دل عشق بہر و حایان دلا!	اہل زکام را مدہ این گل کہ بولند
عبادت ظاہری، وصولی اللہ کا ذریعہ نہیں	
ساکن کعبہ کجا دولت دیدار کیا	ایقہ ہرہست کہ در سایہ دیوار ہست
عشق کے عالم میں شہادت ادنیٰ درجہ کی بات ہے	
دو عالم نخستین نیز یک عشق است	شہادت ابدالے جنگ عشق است
عشق و محبت کا باہمی تعلق	
این صفا، حسن و محبت ہم آموختہ اند	این دو شمع اند کہ انیک دگر آفتابند
ارباب معانی کا امتحان	
آفتاب چہرہ بیازار و راہ صومعہ گیر	کہ عشقہائے حقیقی شود مہاز آلود
حقانہ مذہبی ہیں شکوک کا پید ہونا، دانشوری نہیں، بلکہ مذہبی ہماس کے نہ ہونے کی دلیل ہے	

دل افریب گرا جلوہ سرب نوزد	برقع شہ نہ لہی دان عقل خوش ناز
عالم محبت میں کفر و اسلام کی تیر نہیں	
ماشوق ہم ارہم اسلام غریب بہت کم	پر واز، چراغ حرم و دیر نہ فائد
پست ہستی بلند حسی	
کشادہ دم پر خوشک و شاد بہت	کہ گریہ غمی آمد ہوا مآناوی کر ہوا
یک سوئی	
وقت عرفی خوش کہ نکشودند، گداز نہ	برد نکشودہ ساکن شد اور دیگر نوزد
ہماری غلطی کو مخالف صحیح سمجھ لے تو ہمارا کائنات چین چین لینے دیتا	
رستم زہدی قبول غلط دے	در تاہم از شکوہ طبع سلیم خویش
فیاضی کے مقون سے لطف و طماناگہ طبعی کی دلیل جو	
سیاہ ملک قناعت کہ در دگر نشی	ز قصہ ہاکہ بہت فروش طے بستند
حسن عمل کے بغیر انعام لینا نہ ہوتی جو	
اگر قرآن کہ بہر شتم دہندہ طاعت	قبول کروں وقتن نہ شرط انصاف بہت
ماشوق کی آرزو میں اشاروں میں ادائیں ہو سکتی ہیں	
ایسا اشارت نہ باندا زہر از بہت	این رشتہ بگشت پیچی کور از بہت
عشق میں لطف و قہر دو ٹوکی قابلیت پیدا کرنا چاہیے	
ہم سمندر باش و ہم باہی کہ در حیرت تو	روئے دریا سبیل، و قہر دریا آتش بہت
ہجرین و ہل کے فروں کا تصور	
ہر شاگرد کا ہوش بخیر در روز وصل	ہی نشیم گوشہ وار خود ذکر بخیر م

اپنے محبوب سے طلع ہونی کی تیسری		
خواہی کہ میراے توروشن شود ترا	ایکدم منافقاہ نشخون دکنین جوترا	
عزیزی		
خیر مایا سایش است، لاسے شراب	اگو کہ صاف کشان، جہ زتہ گیرند	
آزادی کی تہمت بھی رشک کے قابل ہی		
مستہمت آزادی سر و مگداشت	اکین ستا عیست کہ بہر تہمت و ہم ستا	
میں بھی اپنے من پر مرتے ہیں		
وہن خویش جو بند، و لب خویش کند	چون در آئینہ بہ نیند تباں صورت ترا	
مستوقون کو خوشی و شرارت کے بغیر دل لینے میں فراہم کیا		
بہ ملک سہتی ما، رونہادہ سلطانے	اکہ ما بہ صلح دیہیم و ادب جنگ گیرند	
شبلی نعمانی از ماملا معلوم عدوہ		

الطوائف الخلل

اور

ابن حزم ظاہری

اسلام میں ایک مدت تک مقول و منقول دونوں الگ الگ رہے۔ امام غزالی نے دونوں کا
تعارف کرایا، اور رفتہ رفتہ اتحاد و مقدر بڑھا کہ آج دونوں کو الگ کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے لیکن
محدثین کا اگر وہ اختیار کیا اپنے انداز پر قیام نہ لے چنانچہ اس مقدس فرقے میں کوئی ایسا شخص نہیں پیدا
ہوا جو فلسفی یا معنوی کے لقب سے متاثر ہو صرف دو شخص اس کلمہ سے شیشی ہیں ابن تیمیہ اور ابن
حزم۔ ان دو بزرگوں کے عقائد، اور خیالات، اس حرکت کے اندازہ کرنے کے لئے نہایت
نتیجہ خیر ہیں کہ حدیث کو فلسفہ کس حد تک ربا ہو سکتا ہے؟ یہ دونوں بزرگ بہت بڑے
محدث اور ثبت مذہبی آدمی تھے، انھوں نے نو فلسفین کمال پیدا کیا تھا لیکن فلسفہ کو بالکل چھوڑ
سہتے تھے اور اسے فلسفہ کا ان پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا تھا چنانچہ ابن تیمیہ نے فلسفہ کے رد میں
ایک ضخیم کتاب چار جلدوں میں لکھی، ابن حزم نے بھی متعدد کتابوں فلسفہ کے مسائل رد کئے ہیں،
اہل سنت و جماعت میں عقائد کے اعتبار سے تین شاخیں ہیں۔ اشاعہ، ماتریدیہ، محدثین،
لیکن ایک مدت سے تمام اسلامی دنیا میں صرف اشاعہ کی کتابیں متداول اور زیر درس ہیں،
ماتریدیہ کے اقوال کہیں کہیں انھیں کتابوں میں آجاتے ہیں لیکن محدثین کی تصنیفات ہر سے
ناپید ہیں، اور ان کے اقوال بھی (بخصوصات باری کے) کسی مسئلہ کے متعلق نہیں پائے جاتے
حالا کہ اصول و عقائد کے متعلق ہر سب سے زیادہ اٹھنی کی رہائیں متبرک ہو سکتی ہیں، اب خوش قسمتی سے
اس مقدس گروہ کی تصنیفات کی طرف توجہ ہندول ہوئی ہے چنانچہ ابن تیمیہ کی کتاب استعقالات

کتاب الحلال والحرام اور ابن حزم کی کتاب الحلال والحرام، اصل میں چھپکے شائع ہوئی ہے، ہم اس وقت
 اسی کتاب (الحلال والحرام) پر تقریفاً لکھنی چاہتے ہیں، لیکن اصل بحث سے پہلے بنیادیت اقتصاد
 کیساتھ ابن حزم کے حالات لکھتے ہیں۔ ان کا نام علی بن احمد بن محمد بن حزم ہے۔ خاندان بنو احم
 تھے۔ قرطبہ میں مکمل طور پر پیدا ہوئے، اور ۴۵۰ھ میں وفات پائی۔ اس میں سبب بحث کی عقل
 شروع کی، علوم دینیہ کے ساتھ منطق و فلسفہ میں بھی کمال پیدا کیا، پہلے شافعی تھے، پھر طبری، پھر
 یسے ظاہر قرآن و حدیث کے سوا قیاس کو نہیں مانتے تھے، بہت سی کتابیں تصنیف کیں، جن میں
 عملی بڑے پایہ کی کتاب ہیں، ان کی تصنیفات ۸۰ ہزار ورق ہیں، امام غزالی نے لکھا ہے کہ میں
 ان کی ایک تصنیف دیکھی ہے جس سے ان کا کمال حفظ و ذہانت ثابت ہوتا ہے۔

ابن صاعد اندلسی لکھتے ہیں کہ ابن حزم کو علوم اسلامیہ میں جو کمال تھا، تمام اندلس میں کیونہ تھا، حمیدی کا
 بیان ہے کہ ہم نے ان کا نظریہ نہیں دیکھا۔ یہ تمام واقعات، علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھے ہیں
 اور آخر میں لکھا ہے کہ ابن حزم علمائے کبار میں ہیں، اور اجتہاد کے تمام شرائط ان میں پائے
 جاتے تھے۔

کتاب الحلال والحرام اس کتاب میں مصنف نے فلاسفہ، طحاوی، ماوین، یہود، نصاریٰ، مغربی اکثر
 اہل مذاہب کے عقاید و خیالات نقل کئے ہیں، اور ان کا رد لکھا ہے، غیر مذاہب کے رد میں
 علماء اسلام کی بہت سی تصنیفات ہیں، لیکن اس کتاب میں یہ خصوصیت ہے کہ دوسروں کے عقائد و خیالات
 کو نہایت تحقیق سے لکھا ہے۔ تورات اور انجیل کے حرف ہونے پر جو بحث کی ہے اس کو ثابت ہوتا ہے
 کہ مصنف کو یہود و نصاریٰ کی کتابوں پر مجتہد راہ عبور تھا، غیر مذاہب کے ابطال کو بعد مصنف خود اسلام
 عقائد کی بحث کی ہے، اور ہر فرقہ کے ان سبیل کار دیکھا ہے جو اس کے نزدیک غلط اور باطل ہیں، بلکہ صرف
 اسی حد تک بحث ہے۔ سچے ہونے کیلئے لکھا ہے اور نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ عقائد کی موجودہ کتاب میں
 کہ ہمیں یہ مسئلہ مسلم قرار پایا ہے کہ انبیاء معصوم ہیں، لیکن اکثر تفسیر کی کتابوں میں جو روایتیں مذکور ہیں

اور وہی تمام مسلمانوں میں پھیل گئے وہ بالکل مختلف ہیں، ابن حزم نے نہایت آزادی اور سہولت سے ان تمام روایتوں کی نفی و ثبات کی ہے۔ حضرت داؤد کے نسبت مشہور ہے کہ انھوں نے ایک اتفاق سے اور یا کی بیوی کو نہاتے دیکھ لیا چونکہ وہ نہایت حسین تھی اسلئے اس سے شادی کا ارادہ کیا، اور اسی غرض سے اس کے شوہر کو لڑائی پر مجبور کیا جب وہ لڑائی میں مارا گیا، تو اس کی بیوی سے شادی کر لی، قرآن مجید میں ایک موقع پر یہ واقعہ مذکور ہے کہ گود بھائی حضرت داؤد کے پاس لڑتے ہوئے آئے کہ ہمارا مقدمہ فیصل کر دیجئے جگر لٹھا کہ ایک بھائی کے پاس ۹۹ دوسبے تھے، اور دوسرے کے پاس صرف ایک، وہ اس سے کہتا تھا کہ اپنا دوسبہ بھی جگو دے ڈال، حضرت داؤد نے یہ سن کر کہا کہ یہ ظلم ہے، پھر اُن کو خیال ہوا کہ خدا نے میرا امتحان لیا اگر میں نے لکھتے ہیں کہ یہ وہی حضرت داؤد کا قصہ ہے، وہ دونوں آدمی نہ تھے بلکہ فرشتہ تھے، اور انھوں نے اس پر یہی حضرت داؤد کو متنبہ کیا کہ تمہارے ۹۹ بی بیان ہیں، اور اور یا کی صرف ایک، وہ بھی تم نے نہیں لکھا، ابن حزم لکھتے ہیں کہ وہ فرشتے نہ تھے بلکہ واقعی دو آدمیوں میں نزاع تھی اور وہ درحقیقت انفصال مقدمہ کے لئے آئے تھے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں

وهذا قول صادق معصم لا يدل على شيء	قرآن مجید کا بیان بالکل صحیح اور سچ ہے۔
مما قاله المستهزون الكاذبون المتعلقون	دروغ گو مسخر جو یہودیوں کے خرافات کی سند
بغير افاك ولا حال ليهي دور واضحا كان ذلك	پکڑتے ہیں، ان کے اقوال کی طرف اس آیت میں کچھ
الخصم في ما من بني ادم بلا شك متعدين	اشارہ نہیں پایا جاتا۔ وہ دونوں شخص واقعی آدمی
في ضاحك من الضم على الحقيقة	اور ان میں درحقیقت دونوں کے متعلق جگر لٹھا۔
ومن قال انهم كانوا امثلة معروضي بالهنا	جو شخص یہ کہتا ہو کہ وہ فرشتے تھے، اور انھوں نے جو
فخذ كن ب على الله عز وجل وقوله ما لم يقل	قصہ کی طرف اشارہ کیا تھا تو وہ خدا کو جھوٹ کا نام ہے

اٹھواٹھ کتابیں جو خدا نے نہیں کہی، اور قرآن پر حاشیہ
پڑا تاہی، اور خدا کو جھوٹا بتایا ہو،

وفاہ فی القرآن ما لیس فیہ وکذاب اللہ
عز وجل۔

اس کے بعد ابن حزم لکھتے ہیں کہ اس قسم کی باتیں بدعاش اور پاجیو کی طرف منسوب کجا جاسکتی ہیں
نہ کہ (خود باعد) انبیاء کے کام کی طرف، اسی طرح یہ واقعہ عام طور پر مشہور، اور کتب تفسیر میں
منقول ہے کہ حضرت سلیمان، گھوڑوں کا جائزہ لے رہے تھے، اس میں متعدد مشغول ہو
کہ عصر کی نماز جاتی ہی جب ان کو خیال آیا تو گھوڑوں کی پٹلیاں کٹوا ڈالیں، اور جب ان کی دماسی
آفتاب دوبارہ طلوع ہوا، تو نماز عصر ادا کی، ابن حزم اس روایت کا نسبت لکھتے ہیں،

یہ خرافات، جھوٹ، یہود، اور لغو روایت ہیں
یہ ظاہر یہ روایت کسی زندقہ نے ایجاد کی ہے۔

فصل فی خرافات من حقہ کذباً و بیہتہ
کاذباً و الظلمہ کما یکن اختراع ذلک فی شک

ایک بڑا بہتر نشان مسئلہ جہر بن حزم نے نہایت تفصیل سے بحث کی ہے، سحر اور جادو کی حقیقت ہے
یہ بحث اگرچہ درحقیقت، سائنس سے تعلق رکھتی ہے۔ لیکن چونکہ سحر کا لفظ مذہبی کتابوں میں آگیا ہے
اس لئے یہ ایک مذہبی مسئلہ بن گیا ہے۔ اس کو کیسا انکار نہیں کہ سحر اور جادو کوئی چیز ہے، لیکن
بحث یہ ہے کہ سحر میں درحقیقت انقلاب مابیت ہوتا ہے یا صرف تشبیہ بازی اور نیرنگ سازی کو
سحر کہتے ہیں۔ اکثر اشاعرہ اس بات کے قائل ہیں کہ سحر کے ذریعہ تمام خرق مادات، وجود میں آتے
ہیں۔ اور انوس ہو کہ عام طور پر یہی عقیدہ تمام مسلمانوں میں پھیلا ہوا ہے۔ ابن حزم نے نہایت زور
بخور سحر کا انکار کیا ہے۔ اور سب ذیل دلیلیں پیش کی ہیں

(۱) خدا نے کائنات کی جو ترتیب قرار دی ہے وہ بدل نہیں سکتی، جیسا کہ خود قرآن مجید میں ہے۔
وَمَا تَبَدَّلُ بِمَا يَخْلُقُ مِنْ شَيْءٍ وَلَهُ يَرْجِعُ الشَّيْءَ إِلَىٰ ذَاتِهِ وَيَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ وَلَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ أَشْيَاءِهِمْ وَلَا لَهُمْ فِي شَيْءٍ مِنَ أَمْرِهِ خِيفَةٌ

تو ثابت ہو کہ جو کچھ ظالمین خدا نے ترتیب دیا

فهم انما خلق ما شاء من شئ ما شاء الله عز وجل

الذين يحبون الله

وہ بدل نہیں سکتا،

(۲) اگر سوئیچ بوتوم ہو تو بھروسہ اور یون کیا فرق ہو گا۔

قَالَ بَلْ يَنْفَكُ مِنْهَا وَإِنْ أَتَى الْجُنُبُ الْيَاقِينَ وَقِيلَ
لَهُمْ اذْهَبُوا أَجْزَاءَ مَا رَزَقْنَاكُمْ فَأَنْتُمْ فَرِيقٌ
فِي السَّجَّةِ وَالْأَنْصَارِ وَحُمِلَ فِيهَا مِنْ أَنْثَى الْجَارِثِ
وَمَا يَدْرِي أَلِغَنِي اللَّهُ الْفُلُ أَمْ لِي فِيهِ عِلْمٌ خَفِي
لَا يَخْبُرُ الْبَشَرُ لَمَّا جَاءَ الْفُلُ لَأْتِيَ الْبُرْجَ لَمَّا
جَاءَ الْفُلُ لَأْتِيَ الْبُرْجَ لَمَّا جَاءَ الْفُلُ لَأْتِيَ الْبُرْجَ

جو شخص یہ کہتا ہو کہ ماہ و قلب ماہیتہ کر دیتا ہے ،
اس کو کہنا چاہیے کہ اگر یہ صحیح ہے تو پیغمبر اور جادو
بن کیا فرق باقی رہے گا۔ اس صورت میں یہ مثال
پیدا ہو گا کہ تمام انبیا جادوگر ہی تھے جیسا کہ فرعون نے
تقریر ہو کر نسبت کیا تھا کہ یہ بڑا جادوگر ہے اور اسی کو جادو

سور کے بقول تین اکثر لوگ، فرعون کے جادوگر و گروں کا واقعہ پیش کرتے ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہے
 علامہ موسوی نے قرآن مجید کی متعدد آیاتوں سے ثابت کیا ہے کہ وہ صرف شہیدہ ہا زنی تھی ،
 وہ آئین یہ ہیں ۔

يُخَيِّلُ إِلَهُهُ مِنْ سِخْرِ جَعْمِ الْهِنَّا سَعَى

حضرت موسیٰ کی آنکھ باد کو کھیر سو خیال ہوتا تھا کہ انکی برائی
اور لاطیمان اور دڑی ہیں
ان لوگوں نے باد و گرد کر تب کیا ہو

وَاللَّهُ أَصْفُوُّ الْيَتَامَىٰ وَرَحِيمٌ

پہلی بات یہ ثابت ہو کہ وہ صرف قبل تھا، کوئی واقعی چیز نہ تھی، دوسری بات یہ کہ کیدہ کھتہ کیلئے فریک ہیں
قرآن مجید میں ہاروت و ماروت کے متعلق مذکور ہے کہ لوگ ان کو
جادو سیکھتے ہیں۔۔۔ اور اسکے ذریعہ سے میان اور یہودی میں جدالی کرا دی تھیں اس بات سے
بھی سحر کی واقعیت پر استدلال کیا جاتا ہے، علامہ موصوف اسکے جواب میں لکھتے ہیں،

هَذَا التَّائِيْلُ يُعَلِّقُ نَفْسَهُ

یہ ممکن بات ہی جسکو منظور بھی کر سکتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت پر لبید ابن اعصم نے جادو کر دیا تھا جسکی وجہ سے آپ کی یہ حالت

ہو گئی تھی کہ جو کہ ہم آپ نے نہیں کیا ہوتا تھا، اسکی نسبت آپ کو خیال ہوتا تھا کہ کر لیا ہو۔ اس حدیث کا جواب میں علامہ موصوف لکھتے ہیں۔

<p>فَلَيْسَ فِي هَذَا إِيمَانًا حَالًا الطَّبِيعَةُ وَلَا حُلُوبٌ عَيْنٍ وَانَّمَا هُوَ تَأْيِيدٌ لِقَوْلِكَ لَمَّا قُلْتَ وَهَذَا مَعْدُودٌ إِلَى تَسَاكُنِ يَسْبِقُ أَنْ يَفْقَدَ بَعْضُ يُغَيِّبُ مِنْهَا يَحْتَمِلُ مِنْ لِحْظِهِ إِلَى الطَّبِيعَةِ وَغَيْرِ السَّكُونِ إِلَى الْحُرْكَاتِ</p>	<p>اس میں بھی طبیعت کا بدلنا یا قلب ماہیہ نہیں ہو ہم دیکھتے ہیں کہ جب آدمی کو کوئی شخص گالی دیتا یا کوئی ایسی بات کرتا ہو جس سے اسکو غصہ آجائے تو اسکا علم غصہ سے اور سکون حرکت سے بدل جاتا ہے</p>
--	--

فاسفہ حال کے مسائل میں سب سے زیادہ جو مسئلہ سلم الثبوت مانا جاتا ہے، قانون قدرت کا مسئلہ ہے اور کچھ شہہ نہیں کہ اس سے زیادہ کوئی خیر قطعی اور یقینی نہیں لیکن عام خیال پھیلا ہوا ہو کہ یہ مسئلہ زمانہ حال کی تحقیقات میں ہو ہے یا کم از کم یہ کہ پہلے اس مسئلہ کی طرف خیال رجوع نہیں ہوا تھا، اور اسی لئے قدیم تحریر میں یہ اصطلاحی موجود نہیں لیکن یہ خیال تمامہ غلط ہی فلاسفہ اسلام تو غمو بنا اسکے قابل تھے فقہاء اور محدثین میں بھی اشاعرہ کے سوا اسکا کوئی منکر نہیں چنانچہ ابن تیمیہ نے اپنی تصنیفات میں نہایت تصریح سے اسکو لکھا ہے۔

علامہ ابن خرم نے اس بحث پر ایک متنل عنوان قائم کیا ہے جس کے الفاظ ہیں الْكَلَامُ فِي اثْبَاتِ الطَّبِيعَةِ اس بحث میں پہلے اشاعرہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ طبائع کے قائل نہیں، پھر نہایت تفصیل سے اسکا رد لکھا ہے۔ ان کی تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ عربین متعدد الفاظ تھے جن سے معنی میں استعمال کئے جاتے تھے مثلاً طبیعتہ غلیظہ غریزہ جمیعہ جبلت حمید بن ثور کا نام ہے

<p>يَكُنْ أَمْرٌ كَأَمْرِ غَيْرٍ وَطَبِيعَةٌ اسے امر! ہر شخص کی ایک طرت ہوتی ہو</p>	<p>وَقَدْ يُقَالُ مَا بَيْنَ الْوَحَالِ الطَّبِيعَةُ اور آدمیوں میں جو فرق ہے وہ فطرت ہی کا ہے</p>
--	---

لعل كل واحد منكم يعرف ما هو المراد من هذه المصطلحات

یہ الفاظ انحضرت اور صحابہ کے سامنے استعمال کئے گئے، اور کسی نے ان سے انکار نہیں کیا،
 بلکہ انحضرت نے یہ الفاظ استعمال فرمائے صحابین جو ایک بزرگ نے انحضرت سے پوچھا کہ مجھ پر
 جو جو علم اور بردباری پائی جاتی ہے وہ میری جبلت ہے، یا تربیت اور کسب سے حاصل ہوئی ہے؟
 آپ نے فرمایا، نہیں بلکہ خدا نے تم کو اس پر مجبور کیا ہے۔
 اس استدلال کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں۔

<p>اور یہ تمام طبائع اور عادات خدا نے پیدا کئے ہیں اور طبائع کو اس طرح بنایا ہے کہ وہ کسی طرح بدل نہیں سکتی اور اس کا بدلنا کسی عاقل کے نزدیک ممکن نہیں۔ مثلاً انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ اگر کوئی آفت نہ آئے تو وہ علوم اور ہنر سیکھ سکتا ہے۔ اور اگر اور خمر کی فطرت ایسی بنائی کہ ان سے یہ امور ممکن نہیں اسی طرت گہون سے جو۔ یا غوث نہیں پیدا ہو سکتا فرض دنیا میں جتنی چیزیں ہیں، ان میں خاصیتیں پائی جاتی ہیں کہ وہی ان کی فطرت ہے</p>	<p>وَكُلُّ هَذِهِ الطَّبَائِعُ وَالْعَادَاتُ مَخْلُوقَةٌ تَحْتَقِهَا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فَرَسَبَ الطَّبِيعَةِ حَلَّةَ اَهْلَا تَحْقِيقِ اَبْدَانِهِ لِيُحْيِيكُمْ بِمَنْفَعَتِهَا جَنْدَلُ ذِي عَقْلٍ كَطَبِيعَةِ الْاِنْسَانِ يَأْنِ يَكُونُ مُتَمَكِّناً لِكُلِّ الشَّرَفِ فِي الْمُلُوكِ وَالصَّنَاكَا اِنْ لَمْ يَغْرِضْهُ آفَةً وَطَبِيعَةُ الْحَيَاةِ وَابْعَدُ بِأَنَّهُ اَمْرٌ مُتَمَكِّنٌ بِمَنْفَعَةِ الْاَلِكِ وَكَطَبِيعَةِ الْبَرَاءِ لَا يَسْتَشِيْعُ لَهَا وَلَا يَجِيءُ رَا دُخْلُهَا اَكْلُ مَا فِي اَعْلَامِ مَعْرُوفٍ بِأَلْعَنَاتٍ وَجِي الطَّبِيعَةِ</p>
--	--

اس کتاب میں بعض خیالات بالکل جدید ہیں مثلاً یہ بحث کہ عورتیں پیغمبر ہو سکتی ہیں یا نہیں، اسکے
 متعلق ہم کو جہاں تک علوم و آج تک کسی نے ثبوت کا پہلو نہیں لیا، لیکن علامہ ابن عزم کا دعویٰ
 کہ عورتیں پیغمبر ہو سکتی ہیں، چنانچہ اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے، اور قرآن مجید کی متعدد آیات
 اس پر استدلال کیا ہے۔

عام خیال یہ ہے کہ عورتوں کا درجہ مردوں سے کم ہے، لیکن علامہ ابن عزم کے خلاف ہیں

صحابہ کی فضیلت پر سچا بحث کی ہو۔ وہ ان اس مسئلہ کو تفصیل سے لکھا ہو، اور قرآن مجید کی جن آیتوں سے
مردوں کی فضیلت ثابت ہوتی ہو ان کا جواب دیا ہو۔ (دیکھو مبذوہ چار نمبر ۱) علامہ موصوف
کا یہ خیال صحیح ہو یا نہ ہو، لیکن اس سوجہ ثابت ہوتا ہو کہ ہمارے زمانہ کے تعلیم یافتہ معصرت کے
ہم خیال پہلے بھی موجود تھے

نیل نمان

مسلمانوں کا ذخیرہ علوم و فنون

یورپ کی پرستی

نمبر ۱

مسلمان۔ کہ لے دو حقیقت یہ بات سنت قابل شرم ہے کہ جس میدان میں یحییٰ ثمت کا قدم رکھا تھا
آج انجا وہاں بازی لے گئے ہیں، عربی زبان نہ صرف مسلمانوں کی نجی زبان ہو، بلکہ مسلمانوں کی
جان و روح، شعور و کچھ کہو عربی ہے مسلمانوں کے تمام علوم و فنون اسی قرآن میں محفوظ ہیں لیکن
کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج اس بے بہا قرآن پر یورپ کا قبضہ ہو، اور مسلمان غلی غلی ہو رہے ہیں
اس جرات کو تک پہنچ رہے ہیں کہ حقیقت مسلمانوں کی غفلت ہو عربی کا تمام سواہ تباہ ہونے والا
اگر یورپ اسکی حفاظت پر آمادہ نہ ہو جاتا، تاریخ و ادب کی وہ شے بہا کتا ہیں، بجے الگ کر کے
بہ عربی کا، اور اسکے ساتھ مسلمانوں کو گول غالی ہو جاتا ہو، صرف یورپ کی سرپرستی آج دنیا میں
نظر نہ رہی ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ یہ سراسر یورپ کی بدولت برابری سے محفوظ رہا، اور ہجرت
ایک گرم خورہ دشمن کے دنیا میں نہ لڑوں سننے پیدا ہو گئے، بلکہ عربی زبان، اور عربی علوم کے
مخلوق یورپ کی زبانوں میں جس قدر علومات اور تحقیقات کا ذخیرہ جمع ہو گیا ہو، انکو ہمارے
علمائے دانشورین ایک ٹکڑے کے تو بھی چھو نہ لی ہوگی، عربی کا علم اللسان و گفت، صرف انحراف و

ادنیٰ کے تعلق میں یوں کتابیں مرتب ہو چکی ہیں اور جامعہ کے ساتھ لکھی گئیں ہیں مگر ان کے تصنیف
صحبہ کی طرف زبان میں بجائے توثیق یہاں سلوات و ملامت ہو جاتی ہیں۔

ڈاکٹر لائیٹر ہمدانی اس فتنہ کی مخالفت کو محسوس کر کے لکھتے ہیں کہ مسلمان ہیں تو بہت
مگر وہ جانتے کیا ہیں، اگر اچھ عربی کی کوئی عمدہ تاریخ لکھو تو یہ دیکھ
مانگنا پڑے گا۔ ابن خلدون، ابن رشد، ابن بطوطہ، صاحبی، خلیفہ، ابن اثیر اور صفیری
جو اسلام میں آسان علم کے آفتاب ہیں یہاں ان کو کوئی جانتا بھی نہیں تاہم شرا، ابو عبد
بقری، اور ابو تمام کا دیوان کتنے آدمیوں نے پڑھا ہو گا؟ یورپ میں صد ہادی کی کتابیں
پڑھتے ہیں۔ اور ترجمہ قرآن تو لاکھوں،

ڈاکٹر لائیٹر کو تو صرف اسکا محسوس ہو کہ اگر عربی کی کوئی عمدہ کتاب درکار ہو، تو سلاؤ کو
یورپ سے مانگنا پڑے لیکن ہیں یہ محسوس ہو کہ سلاؤ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ یورپ نے عربی کی
کون کون سی نایاب کتابیں چھاپی ہیں اور ان میں چھاپ کر ہم پر اور ہمارے علوم پر کتنا اثر
زبردست افسانہ کیا ہے اسے ہم جانتے ہیں، کہ اس مضمون کے ذریعہ علماء اسلام کو یورپ کے
ان خدمات سے واقف کریں انکی بدولت علمی ترقی ہو، اس کا موقعہ حاصل ہو، ان کی علمی ذمہ داری
اٹھا رہے ہیں۔ اس مضمون کے دو حصے ہیں، پہلے مصر میں یہ دکھایا ہے کہ یورپ کو عربی اور
عربی علوم پر کب توجہ ہوئی، اور صرف ذخیرہ لغت وادب کے تعلق کو نہ کوئی جاں ذکر کتابیں یورپ کے
زبانوں میں ترتیب دی گئیں دوسرے مصر میں ان کتابوں کی خصلت و قیمت دی ہے اور
یورپ کی کوششوں سے چھپ کر شائع ہوئیں

یورپ کو عربی اور عربی علوم کی طرف کب توجہ ہوئی؟ اور کیونکر ہوئی؟ یہ بابے خود ایک دلچسپ
مضمون ہے جس کے باب کی یہاں نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت صرف اس قدر بتلانا سلسلہ مضمون

خاندانے فروغ و ترقی، کھڑی سے روئے کسب و شانس ہوا، اور یوں کہ عزتی مہم و حق و شرق و
مغرب میں مثل ہو گئے تھے۔

دنیا کے حیرت انگیز واقعات میں غالباً یہ واقعہ بھی عجیب و غریب ہو، کہ یورپ کی شائستگی کی بنا ایک ایسی
پہ لیکل خولائی ہوئی تھی، جو دنیا کا سب سے زیادہ نقصان کرنے والی جنگ تسلیم کی گئی ہے، اکیسویں
صدی میں یورپ میں جبکہ مسلمان ترقی کے انتہائی درجہ تک بلند ہو چکے تھے، یورپ میں ہر طرف
آری کی تھی، لیکن صلیبی لڑائیوں نے یورپ کو موقع دیا کہ مسلمانوں کی شائستگی کا مطالعہ کرو
سیت المقدس اور انطاکیہ میں جب رومی سلطنت قائم ہو گئی، اور مسلمانوں سے نئے جٹنے کے ذرائع
دست کے ساتھ پیدا ہو گئے، تو یورپ کی آنکھیں کھلیں، اور مسلمانوں کی شائستگی کا اسے پہلا تجربہ ہوا، شام میں
مقت آنائی کرنے کے بعد جب یورپ کے جان بازوں نے مغرب کو رخ کیا، تو یہ انہی اپنے ساتھ لے گئے
مسلمان علمی ترقیات کے دنیا میں اکیلے غنیمت ہیں، اور تہذیب و شائستگی کا سرچشمہ اسلامی دنیا کے سوا
اور کہیں نہیں مل سکتا۔

اس اثر کا یہ نتیجہ ہوا، کہ یورپ میں مسلمانوں کی ترقی اور شائستگی پر عام توجہ پیدا ہو گئی، اور یہ توجہ براہِ تجر
کیموں کہ صلیبی حملوں کی بدولت بار بار یورپ کا اسلامی ممالک میں گزر ہوا، اور ہر مرتبہ مسلمانوں کی
علمی ترقی کے حیرت انگیز آثار نظر آئے، اسلئے ایک طرف تو یورپ نے مسلمانوں کی تباہی کا بیڑہ اٹھلایا،
اور دوسری طرف اپنے غریب کی شاگردی پر آمادہ ہو گیا!

اس ذکر میں ایک عجیب بات ہے، کہ جو پچاس زمانہ میں یورپ میں ماقبلہ تھی، اور لاطینی، و یونانی زبانوں کی
تسلیم اور یورپی اور راکین سلطنت کے لئے مخصوص تھی، اسلئے مغرب سے شرق کی طرف جس گروہ کا

تعلق ہے، وہ گروہ جو اب وہ شہر کی ایک اور شاخ پر پہنچا، وہاں شائستگی کا مطالعہ کیا، کیونکہ وہاں کی تہذیب و شائستگی
اس زمانہ کو پہلے سے غیر منظم تھی، اور اسلئے اس متعلق پر غور کرنا ضروری ہے۔

نئی تلاش میں اقل قدم اٹھا، وہ مذہبی پیشواؤں کا مقدس گروہ تھا، اہمیت یہی کہ یہی گروہ ان کے ہیکل تھا،
اور نئے دینی کہ پریشان خواب دیکھنے لگا، اور اسلامی فلسفہ کی اشاعت، اس کی تفسیر بتلائی گئی۔ مالا مال
اتحاد میں اشاعت کا فیصلہ بھی ہی ادا ان گروہ ہوا

کیا یہی صدی کے اوائل سے مسلمانوں کے علوم و فنون پر یورپ کو توجہ ہوئی، اور چودھویں صدی کے
اور آخر تک فلسفہ کی تمام کتابیں لاطینی زبان میں ترجمہ ہو گئیں، ابتدا میں متعدد محکمہ قائم کئے گئے، کہ لاطینی
وان یہودیوں کی مدد سے فلسفہ کی کتابیں ترجمہ کیا جیں، پھر یورپ اکثر منڈس پنجم کے حکم سے عربی اور
دیگر مشرقی زبانوں کی تحصیل کے لئے یورپ سے نوجو طلباء آئیں، روانہ کئے گئے، انڈس میں جو کچھ وہیں ساقی
اور یہودی فلسفہ میں مسلمانوں کے شاگرد رشید تھے، اس لئے یورپ کے طلباء ان کی امانت و فائدہ اٹھا کر بہت
محد عربی، اور عبرانی میں کتابت حاصل کر لیتے۔ اور فائدہ اخذ تحصیل ہو کر علمی کتابوں کے ترجمہ میں
مشغول ہو جاتے تھے

جن لوگوں نے یورپ کے مختلف حصوں سے انڈس کا سفر کیا، اور عربی زبان سے واقفیت پیدا کر کے
علمی ترجمہ میں مشغول ہوئے، ان کے نام آج تک بھی صفحات پر موجود ہیں، ان میں بہت سی طالب علم ایسے ہیں
جنہوں نے طلب علم میں حب لاطینی کے قید سے خود کو ہمیشہ کے لئے آزاد کر لیا، اور ساری عمر طلب علم کے
پہاڑیوٹ مدرسلن اور قریب کے دور اعلیٰ مونیمن موف کر دی، کچھ طالب علم ایسی ہیں، جو فائدہ اخذ تحصیل
ہونے کے بعد مشرق کے ممتاز ملکوں کی ملک چھانٹتے پھرے، اور ایک عرصہ کی تلاش تحقیق کے
بعد جب سرزمین مغرب میں قدم رکھا، تو اسلامی علوم و فنون کی معلومات و ان کا کاسہ دماغ لبریز تھا
بار و من کریموں اس شانہ کا شہرہ طیب، اور حیثیت دان ہے، یہ اپنے وطن اٹلی سے نکلا

تجربہ حاشیہ صفحہ (۲۵) مغرب شاہ محمد گامایہ شرفی نے بیان کیا کہ سیاتہ البلدان صفحہ ۱۹۰

حضرت عزلی کے شوق میں طلب علم سمجھا اور ایک مصرع کی اہمیت کے نہریکافی واقفیت حاصل
کر لی، تو متعدد کتابوں کا عربی سے لاطینی میں ترجمہ کیا

پیشتر لارٹ ایک فرانسیسی راہب تھا، جس کے جزائریہ کا شوق دیکھ کر وہ اسی شوق میں اندرس کا سفر کیا
افریقہ کی خاک چھائی، اور مدت کی آوارہ گردی کے بعد مسلمانوں سے اس کو مل حاصل کیا

ڈنیل رلی اور پیشتر نا کرنے اسی طرح اندرس کا سفر کر کے عربی زبان سے واقفیت پیدا کی،
آخر الذکر نے قرآن شریف کا عربی سے ترجمہ بھی کیا، اور آنحضرت کی سوانح عمری بھی لاطینی میں تصنیف

کرنے کے علاوہ اور بہت سے لوگوں کے نام تاریخ میں پائے جاتے ہیں، جن میں سے بعض کے ترجمہ
اور تصنیفات اس وقت تک یورپ میں موجود نہیں تھے، ان کو مشنوں نے یورپ کو مسلمانوں اور
مسلمانوں کے علوم سے واقف کر دیا، اور اسلامی فلسفہ عام طور پر مقبولیت حاصل کر لی،

لیکن چونکہ یورپ میں اس وقت تک عربی زبان کی کوئی باضابطہ درس گاہ نہ تھی، اسلئے عربی
زبان سے وہی خوش قسمت اشخاص واقفیت حاصل کر سکتے تھے، جن میں مشرقی ممالک کے سفراء اور دیگر

کئی افراد اہل اہل اور دفتروں کے متعلق ہونے کی طاقت تھی، لیکن سولہویں صدی سے عربی زبان کی
باضابطہ تعلیم خود یورپ میں شروع ہو گئی، سترہویں صدی میں پندرہویں گری کوئٹلچ نے روم میں ایک

مجمع قائم کیا، جس کا مقصد اگرچہ سیاسی عقائد کی اشاعت تھا، مگر اس کے قیام سے بہت بڑا منہی فائدہ ہوا
عربی زبان کی تعلیم یورپ کو توجہ ہو گئی، اس کے بعد ہی سترہویں صدی میں خاص پہچ اریانس کے حکم سے

اس مجمع کے متعلق مشرقی زبانوں کی ایک مدرسہ قائم کیا گیا تاکہ نوجوان پادری مشرقی زبانوں کی
تعلیم پا کر اشاعت مذہب کی غرض سے باہر جاسکیں، اس مدرسہ میں خاص طور پر عربی اور فارسی

زبانوں کے پروفیسر مشرقی ممالک سے بلا کر مقرر کئے گئے تھے، عربی کتابیں بے پناہ تھیں اسی مدرسہ
کا یہاں اللغات عربیہ ۳۰ لے انیا کچھ پڑھائی گئی

یہ حالت چکر نشان ہونے، تعلیم کے لئے ضرورت ہوئی معرفت وخواہد ادب کی کتاب کی عمر بھر
اس لئے چند سالے خود پر فیرون نے لکھی، اور کچھ کتابیں قدیم ناسے کی بھی ہوئیں دستیاب
اور انہیں نہایت اہتمام سے طبع کر کر شائع کیا۔

عرف و عرفی کی جگہ تائیں یہ پیر کی گئی ہیں اس کہن نے عربی کے لئے جو کچھ کیا، وہ درحقیقت ایک
مذہبی کام تھا، لیکن اسی زمانہ میں کہ لوگ ایسے پیدا ہو گئے جنہوں نے محض ذاتی موشش اور
عربی زبان میں تکلیفیت پہنچائی اور پھر عرف وخواہد ادب و لغت کی کتابیں لکھ کر پیر پیر
مذاق کو نام کیا، اسی لوگوں میں پہلا شخص آپری نیونامی ایک عالم ہے جو لائینڈ کا باشندہ تھا، مشرقی مذاق
شوق میں وطن سے نکل کر دور دراز ملکوں کی سیاحت کی، اور متعدد زبانوں کو حاصل کر کے لائینڈ
لائینڈ واپس آیا، لائینڈ میں جو نواح کی قابلیت کی شہرت پیشتر ہی ہو چکی تھی، اسلئے پہنچے ہی لائینڈ
یونیورسٹی کا پروفیسر ہو گیا، اسکی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ لائینڈ کے مدرسوں میں عربی زبان کی
تعلیم داخل ہو گئی اور عرف و عرفی پڑھنے پہلے ایک رسالہ ترتیب دیا۔

آپ کی بیوی کے بعد لاقین وافر نامی ایک شخص نے عربی کی طرف خاص توجہ کی، یہ عالم ۱۸۱۹ء میں
پیدا ہوا، اور ۱۸۶۹ء میں وفات پائی ۱۸۶۹ء میں مشرقی ممالک کا سفر کر کے عربی کی نادر کتابیں جمع کیں
اور لائینڈ یونیورسٹی کے کتب خانہ میں داخل کر دیں۔

سترہویں صدی کے اواخر تک اسی طرح خاص خاص لوگوں کی کوشش سے عربی تدریس کا مذاق ترقی
کرتا رہا، لیکن اٹھارہویں صدی کے اواخر سے یورپ میں عربی کا وہ نیا دور شروع ہوا جس نے
موجودہ زمانے کی علم الشاعری کی بنیاد کی، اس دور کا افتتاح ایک فرانسیسی عالم پیرسیریل فرسٹر
نے کیا، وہ ۱۸۰۱ء میں وفات پائی، اور ۱۸۰۱ء میں لائینڈ کے مدرسوں میں عربی کی تعلیم بتائی، بعد عربی
اس دور کی کتابیں، عربی کے علم کے لئے بڑی حد تک معاون ہوئیں، اور ان کی بنیاد پر عربی کی تعلیم میں ترقی ہوئی۔

تصفیات ہے ہوا، جو صرف عربی کا ماہر تھا، بلکہ شرق کی دیگر مشہور زبانوں میں بھی کافی مہارت رکھتا تھا۔
 علاوہ اور تصنیفات کے اسکی ایک قابل قدر تصنیف عربی کی ہوسو صرف و نحو ہے جسکی دو ضخیم جلدیں
 مسئلہ میں ہم پرکشیاں ہوئیں، اس کتاب میں مصنف نے ایک مفید التزام کیا ہے، کہ جن جن عربی
 و نحوئی مسائل کو لکھا ہے، اُنکے متعلق بطور شاہد کے عربی اشعار بھی پیش کر دے ہیں لہ

اس دو بین چنداں بی بیچ لوگ جن سے عربی پر یورپ کو غیر معمولی توجہ ہو گئی، منجملہ ان کے ایک بڑا سبب
 انگریزوں کا ہندوستان پر تسلط ہے، مسلمانان ہند کا یہ زمانہ اگرچہ زمانہ انحطاط تھا، مگر کچھ بھی عربی
 تعلیم کا مذاق عام طور پر موجود تھا، یہاں تک کہ لکھنؤ اور دہلی کے جو علماء آج زیادہ مشہور ہیں، وہ انہی

سے اس کا پورا نام، ان توان آئینہ کسب و شرف و سکھ ہے ہمیں پیچھت کی حالت بھی نہ تھی، اسلئے ابتدائی تعلیم ایک پائلاٹ
 استاد ہی حاصل کی، باوجود اسکے وہ نہ صرف ترقی تھیں، بلکہ عربی و فارسی کی نیابت پیدا کر لی، بارہ برس کی عمر میں ایک
 فاضل، اس کی ملاقات ہوئی، جبکہ نام نے فی ٹیگٹا میں، "تہ" اس سبب کی جسکے شرقی زبانوں کا شوق پیدا ہوا، اور وہ
 برس کے محنت اور مطالعہ و مشرق کی سات مشہور زبانوں میں غیر معمولی قابلیت حاصل کر لی، نشہ میں جبکہ اسکی عمر صرف تیس
 برس کی تھی، انہیں کے بعض قریبی مسائل کا پتہ لگایا، اور عشقہ میں اکاڈمی انٹرنس کیپشن (یعنی قدیم کتبہ جان کی انجمن) کو دو
 قابل قدر یادگار میں نذرین، ان دو دکھ ناموں کی شہرت و دور دور تک پھیلادی، اور یورپ کی تمام علمی جمعیں اسکی قدر و
 کے لئے آمادہ ہو گئیں، یہ وہ زمانہ تھا، کہ فرانس میں ہر طرف پیشگی نئے پستی پیدا ہو گئی تھی، اور مغرب بے ادب کی آگ تسلی
 جو یورپی تھی، مشرق کی آگ بجھ کر، اور مغرب میں انقلاب ہو گیا، اس اطمینان کے زمانہ میں وہ مشرق کی ترقی کے بعض
 اہم مقامات میں مشغول تھا، کچھ عرصہ کی خوشنودی کے بعد، دوبارہ بادشاہت قائم ہوئی، تو گورنمنٹ کی طرف سے اسکی خاص طور پر
 قدر و قدر کی گئی، اور حنیوا بھیجا گیا، تاکہ اس شرقی متحون کا مطالعہ کرے، جو اس شہر میں محفوظ تھے، ہت میں حنیوا سے اس
 آیا، اور اسکی تحقیقات کا پورٹ اکاڈمی پر پیش کی، پھر مسئلہ میں خاصی ترقی کر کے، فرانس میں گیا، اور پھر اول شاہ فرانس
 بیرون کے عہد پر سر فرمایا، اس عرصہ میں فرانس کی بالکل حالت میں دوبارہ انقلاب شروع ہوا، اور اسلئے اس میں باندھا گیا

آخری دور کی یادگار ہیں اسلئے انگریزوں کو بھی عزتی برتوجہ ہوئی، اس توجہ سے جو سفید رنگی پیدا ہو کر
 ان میں ایسا ٹک سوسائٹی بنگال اور نئی کانادہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہو، لیکن یہ مفصل
 بیان آگے آئے گا یہاں اس قدر لکھ دینا کافی ہے، کہ انگریز بھی فرانسیسیوں کیساتھ اس دور میں برابر
 شریک ہو، مشہور انگریز عالم المسند نے کلکتہ میں چند سولویوں کی مدد سے ایک عمدہ کتاب صرف و نحو پر
 لکھ کر مشہورین شایع کی اسی طرح کلکتہ میں دو اور رسالے اسی زمانہ کو قریب شائع ہوئے، جن میں سے
 ایک رسالہ میں عربی کی چھوٹی بڑی حکایتیں عربی کی تین اور دوسرے رسالے میں الف لیلہ کے تیسری
 حصہ کا انتخاب اور ترجمہ تھا، اس دور میں صرف و نحو کی تین کتابیں اور قابل ذکر لکھی گئیں

(۱) علامہ امی والدہ جرنی کی صرف و نحو عربی، اسلئے ستر تک چھپکر پیرنگ سے شایع ہوئی،

(۲) علامہ کاسبر کی صرف و نحو پہلی مرتبہ مشہورین چھپکر پیرنگ سے شایع ہوئی، پھر علامہ گشس
 ترمیم و تہذیب کے بعد ثانیین دوبارہ شایع کیا، یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ ششہ تک اس کے

بقیہ حاشیہ صفحہ (۲۹) فائدہ ہو کر سریورہوں قائم ہوئی، اس زمانے سے دوسری نئی زندگی شروع ہوئی، اول ستر
 تعلیم کی کونسل کے زیرِ اہتمام، پھر ایسٹ انڈیا کمپنی کے پیرس کا پرنٹنگ پریس میں، یہ ایک ایسی علمی جماعت تھی جسکی بالذات بھی وہ کچھ
 مدد کیا کرتا تھا، وہی غلبے کے مہر میں شاہی توجہ پر مبنی ہوتی، اور شاہی مکتبہ کی مشرقی حصہ کا محافظ اور کاؤچی
 اسلئے پیرس کا کائنات سرکاری مقرر کیا گیا اس ممتاز عہدے نے محمد دگر کا بون عربی صرف و نحو پاکیم کتاب لکھی، جو چند
 سال کی مسلسل محنت کا نتیجہ ہے، اسکی زندگی کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے، کہ اسکی کوششوں سے پیرس میں اردو سنسکرت اور
 چینی زبانوں کے پروفیسر مقرر ہوئے، اور اسی کی بغیر وہاں سے روس اور جرمنی میں مشرقی زبانوں کی تعلیم شروع ہوئی
 سال وادات ششہ اور سال وادات ششہ عربی صرف و نحو کے علاوہ دیگر تصنیفات تحفیل ہیں، تذکرہ شعراء عربی،
 اصول علم صرف و نحو، اس میں مختلف معنیوں کے کلام نظم و نثر کا انتخاب ہے، ایک ہی حصہ کا ترجمہ، تذکرہ فارسی منتخب دور
 حالات، یہ آخری تصنیف ہے، اس میں شام کا ایک پراسرار مذہب کے علاوہ درج کئے ہیں، اسکا پیکل پیکل بیاری بلان کا

پانی پیریشن غل چکے تھے،

(۳۳) پیرس میں ایک نگرین عالم لایٹ نے کابری کی صرف دو کو چند مطالب بڑھا کر انگریزی ترجمہ کیا
دو جلدوں میں مرتب کیا، جو لندن میں چھپ کر شائع ہوئی۔

یورپ کے علمائے عربی زبان پر توجہ کی، تو ان کو صرف دو کوئی ایسی کتابوں کی تلاش ہوئی، جو
انکے لئے سفید ہوں، جب ایسی کتابیں نہیں ملیں، تو خود انھوں نے کوشش کر کے کتابیں تصنیف کیں
اور انے والے زمانہ کے لئے عربی زبان کی تعلیم کا سامان مہیا کیا، اس دور میں کتابیں لکھی
گئیں، وہ اسی کوشش پر مبنی ہیں،

لیکن اس جو یورپ پر عربی زبان پر کیا، وہ ان عقائد لغتوں کی ترتیب پر مبنی تھی، لیکن عربی میں نہیں مل سکتی سب سے پہلا لغت
یورپ پر عربی کے جو لغت ترتیب دیے جو یورپ میں شائع ہوا وہ جمیعوں میں ایک فاضل مشرق کی تصنیف، جو اٹلی کا رہنے

والا تھا پھر علامہ جولیس نے اس کی تقلید کی، اور اس میں اپنا عربی لغت لیڈن سے شائع کیا
یہ دونوں لغت چونکہ صرف عربی کے تھے اس لئے علامہ مائیسنس نے دو نہایت ضخیم جلدوں میں
مشرق کی تین مشہور زبانوں عربی، فارسی، ترکی، کا ایک جامع لغت تیار کیا، اور ہر لفظ کا مطلب
تفصیلی اور جرئی دونوں زبانوں میں درج کیا، اس لغت کا نام لغت اللغات المشرقیہ ہے، یہ مشرق
و امنا دار سلطنت اٹلی سے چھپ کر شائع ہوا،

اس کے بعد علامہ فرینکل نے چار جلدوں میں، اور کاری مرکی نے فرنگ میں، اور باوڈجر اور
لین نے انگریزی میں چار لغت تیار کئے، جو ۱۸۳۰ء سے ۱۸۳۵ء تک چھپ کر شائع ہوئے، ان میں پہلا

تقریباً شیشہ صفحہ (۳۰) اور سب سے اس کا پورا نام لسنڈن تھیو ایل این ڈی ہے، فورٹ ولیم کالج ککلتہ کا
عربی، اور فارسی کا پروفیسر، عربی کے علاوہ فارسی میں بھی اس کی ایک صرف دو کو موجود ہے، ۱۸۳۵ء میں الیٹ لایڈ
کی ملازمت ترک کی، انگلستان گیا، اور علی شامی یہ بھرتی رہا، ولادت ۱۸۳۵ء وفات ۱۸۳۵ء ولیم نامولیس

یو۔ پین زیادہ شہور اور تداول ہے۔

ان سات لنتون میں چھ لغت عربی کے نام لنتون کی طرح ہیں
تین کوئی خاص تحقیق یا جامعیت نہیں پائی جاتی لیکن ساتواں لغت علامہ لیلین کا اس لحاظ سے
قابل تعریف ہے کہ اس مصنف نے نہایت کوشش و محنت کے تمام قاسوس جمع کئے اور نگیزی میں ایک
جامع لغت طیار کیا۔

لیکن جس نے یہ لغت نے عربی کو ہمیشہ کے لئے اپنا مہر و نعت بنا لیا، وہ شہور فرانسیسی مستشرق
پروفیسر و وزی قلموں *Auguste Lemaître* ہے یعنی اضافہ لغت عربی
شمس العلماء مولانا بٹالہ نمائی کے کتب خانہ میں یہ لغت میری نظر سے گذرا، دو ضخیم جلدوں میں وہ تمام الفاظ
اور اصطلاحات جمع کئے ہیں، جو عربی کے کسی لغت میں نہیں ملتے، کامل پچاس برس کی محنت اور تلاش کا
یہ نئے نظیر لغت طیار ہوا، تاریخ قادیان و علوم و فنون کی سیکڑوں کتابیں چھان ڈالیں، اور جہاں
کہیں اس قسم کے الفاظ ملے، جمع کر لئے، پھر سیکڑوں کتابوں کی ورق گردانی کر کے نہایت کوشش و
ان کا سرانج لگایا، اور تحقیق و تفتیش کے بعد جو مفہوم ثابت ہوا، اسے لفظ بلفظ درج کیا، پہلی جلد کی تقریباً
میں ان کتابوں کی فہرست دی ہے، جن سے اس لغت کی ترتیب میں مدد ملی گئی، اس کے دیکھنے سے اس
محقق کی تلاش و تحقیق کا سرسری اندازہ ہو سکتا ہے، کہ کون کونسی نایاب کتابیں جمع کیں، اور کس طرح انہیں
بہم اور شکوک الفاظ کا پتہ لگایا!

مسلمانوں نے جب سپین فتح کر کے ایک تمدن سلطنت کی بنیاد ڈالی، تو آٹھ سو برس کے اثر نے سپین کی
ملکی زبان میں عربی کے سیکڑوں الفاظ داخل کر دیے، یہ الفاظ آج بھی سپینی زبان میں موجود ہیں،
اور اختلاف و لب و لہجہ نے انکی صورت اس طرح بدل دی ہے، کہ ان کا سرانج لگانا آسان نہیں ہے،

بقیہ حاشیہ صفحہ (۳۱) صفحہ مولوی کبیر الدین احمد رحمہ اللہ کا دیا جا

پروفیسر دوزی قدرت کی محنت سے ایک منت طیار کیا ہے جس میں عربی کے وہ تمام الفاظ جمع کئے ہیں، اور دکھایا ہے کہ ان لفظوں نے موجودہ صورت کھن کر اختیار کی، اور عربی میں ان کی اصلی صورت کیا تھی؟

افسوس ہے کہ یہ دونوں نے بظرافت فریچ میں ہیں، اور ہم براہِ رست ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے

ادب عربی کے منجبات ان کتابوں کے علاوہ ایک اور چیز قابل ذکر ہے، یورپ کے عربی علم دہ کے

نہایت مفید منجبات ترتیب دے ہیں اور ان منجبات میں ادب کی بعض ن

کتابوں کا انشباب ہو، جو اس وقت تک چھپ کر شائع نہیں ہوئے، اور یورپ کے خاص خاص کتابخانوں میں

محفوظ ہیں، ان میں سے بعض منجبات میں عربی کی قدیم شاعری کے نمونے دئے ہیں، بعض میں ضرب

الاشمال اور عرب کی اصطلاحات جمع کئے ہیں، اس قسم کی چودہ کتابوں کے نام سوقت ہمارے

پیش نظر ہیں جن میں سے دو کتابیں بیروت میں، اور باقی لندن، برلن، اور پاریس وغیرہ چھپی ہیں،

لغت دارجہ کی صرف دو نحو اکھل جو عربی عام طور پر بند کے علاوہ تمام عرب میں متعل ہے، اس کو لغت

دارجہ کہتے ہیں اور پچھلے دارجہ کے بھی صرف دو لکھے ہیں، اور نہایت اہتمام سے لکھے ہیں،

سے پہلے کانسن نامی مستشرق نے مشرق میں دارجہ کی صرف دو لکھی، اور اسپین میں چھپائی

ہوئی، پھر دو بے نے لکھ کر وائٹلے سے شائع کی، اسی طرح سولہ ایک بارہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں

میں صرف ایک کتاب مصر کے ایک سلطان عالم کی تصنیف ہے، جو غالباً یورپ ہی کی تحریک سے

لکھی گئی،

لغت دارجہ کے مجموعہ اشمال صرف دو نحو کے علاوہ لغت دارجہ کی ان ضرب کتابوں کو بھی جو عام

زبانوں پر چھپی ہوئی ہیں، یورپ کے بعض مالوں نے نہایت کوشش سے جمع کیا ہے، اور عرب کے

مختلف حصوں کے مجموعہ ایک ایک ترتیب دے ہیں مثلاً طاهر لینڈ برگ نے خاص شام کی

متراب لکھن جو جمع کی ہیں، باوجود نہ صرف کہ غلطی کے اشغال ترتیب دے ہیں، ان مجموعوں کے علاوہ سو سین نامی ایک صنف نے ایک جامع مجموعہ اشغال، ترتیب دیا ہے جس میں عام طور پر درجہ کے تمام اشغال، اور کیا یہ مقولے جمع کئے ہیں،

اشغال کے علاوہ جو قطعے، اور چھوٹی چھوٹی حکایتیں عرب کے مختلف خطوں میں مشہور ہیں، اور جن سے ان کے اخلاق و عادات، اور طرز معاشرت کا پتہ چل سکتا ہے، عربی کے چند مستشرقوں نے انکو بھی بہت تلاش سے جمع کیا ہے، اس قسم کی تین کتابیں زیادہ مشہور ہیں،

(۱) سو سین کا مجموعہ حکایات، جس میں مومل اور موموں کی حکایتیں جمع کی ہیں، یہ رسالہ مضمون کی صورت میں جرمنی کے ایک اخبار میں شائع ہوا تھا،

(۲) سہی ٹا بیگ کا مجموعہ جو سنہ ۱۲۷۰ھ میں لیڈن سے چھپ کر شائع ہوا،

(۳) لینیڈ برگ کا مجموعہ جو سنہ ۱۲۷۰ھ میں شائع ہوا،

ابوالکلام آزاد دہلوی

چندہ ندوة العلم ودارالعلوم بابت شعبان ۱۳۲۳ھ

چندہ گنیت و عیالات ندوة العلم

نمبر	اسکا	نمبر	اسکا	نمبر	اسکا
۱	جناب مین حاجی رحمت اللہ صاحبی قاسم	۱	بڑودہ	۱	جناب مین حاجی رحمت اللہ صاحبی قاسم
۲	امداد بادشہ کے پول	۲	جناب مین ولی محمد سلیمان صاحب گنیت	۲	امداد بادشہ کے پول
۳	جناب محمد ارسلان صاحب محمد علی الروی	۳	جھاوگر	۳	جناب محمد ارسلان صاحب محمد علی الروی

نمبر	اسکا	تعداد	نمبر	اسکا	تعداد
۴	جناب سید عثمان علی صاحب سوه فروش	۱	چندہ دار العلوم	۱	۱
	جیتل رنگشن	۱	جناب سید مقبول حسین صاحب ٹیٹلنگٹر	۱	۱
۵	جناب سید عبداللہ کاوا صاحب تاجر لعلک	۱	پرتاب گدھ بابت سفر فریج لبلہ	۱	۱
	بھاؤنگر	۱	چندہ فرستادہ مولوی سجاد حسین صاحب سگری	۱	۱
۶	جناب شیخ حسن شیخ چاند صاحب مدرسہ	۱	معین اللہ وہ بارہنگی اودھ	۱	۱
	سرکاری بھڑوچ	۱	جناب بشی قربان محمد صاحب دکیل بارہنگی	۱	۱
۷	جناب حافظ عبدالرحیم شاہ بھائی صاحب درگزر	۱	جناب بشی محمد لطیف صاحب در سیر موٹو	۱	۱
	ضلع سورت	۱	عبدحمید صاحب بارہنگی	۱	۱
۸	جناب سید زین بن سید رسول قادری	۱	جناب بابو عبدلغفار صاحب کلکٹرانگی	۱	۱
	بھڑوچ	۱	جناب بشی ستار علی صاحب شتر بارہنگی	۱	۱
۹	جناب غلام محمد الدین صاحب پیش نام بھاؤنگر	۱	جناب بشی خلیل حسن صاحب بارہنگی	۱	۱
۱۰	جناب بشیدی جوہر لال منشی چک دانوکی	۱	جناب بشی نصیر الدین صاحب بارہنگی	۱	۱
	مسجد سورت	۱	جناب بشرانی صاحب باوچی صاحب در سیر موٹو	۱	۱
۱۱	جناب منشی علی گوہر صاحب کلکٹ باڈرنگی	۱	جناب بدو صاحب سائیس صاحب در سیر موٹو	۱	۱
	پولیس کوٹاٹ	۱	منوکیہ والہ بارہنگی	۱	۱
۱۲	چندہ مذکوۃ	۱	جناب دہا صاحب تبا کو فروش بارہنگی	۱	۱
۱	جناب سید حاجی صدیق صاحب دوسہ	۱	جناب امام بخش صاحب تبا کو فروش بارہنگی	۱	۱
	تاجر النبات بھاؤنگر	۱	چنگا خان صاحب تبا کو فروش	۱	۱

۱۳	مینگا حیاتلی	۲۲	۲	جناب منشی رشید خان خا	۲۲
۱۴	جناب دین محمد متاع نورکش	۲۳	۶	جناب منشی اصغر علیستا	۲۳
۱۵	جناب حسین بخش مسلمان منشی خا	۲۴	۴	جناب منشی محمد اهر صاحب	۲۴
۱۶	جناب محمد متاع و فرسی	۲۵	۸	جناب منشی قربان احمد متاع	۲۵
۱۷	جناب ایرغیش متاع	۲۶	۱	جناب نور محمد متاع	۲۶
۱۸	رجویتی	۲۷	۸	جناب عبد الله متاع	۲۷
۱۹	جناب وفاق صاحب بنقصاب	۲۸	۱	جناب قربان احمد متاع	۲۸
۲۰	جناب ایرغیش صاحب نگ ساز	۲۹	۲	جناب کفایت الله متاع وری فروش	۲۹
۲۱	جناب محمد نظیر متاع والد	۳۰	۳	جناب منشی قلی حسین متاع	۳۰
۲۲	جناب نشان صاحب تبا کو فروش	۳۱	۶	جناب منشی سرح صاحب	۳۱
۲۳	جناب نواب علی متاع سب در سیر نیل	۳۲	۴	جناب منشی قصود عالم متاع	۳۲
۲۴	جناب چو و سری فیر بخش متاع یوین	۳۳	۴	کلیخان پان والا	۳۳
۲۵	جناب نواب حسن متاع نقشه نویس	۳۴	۴	عید و بهیاری	۳۴
۲۶	جناب محمد شفیع صاحب پیری	۳۵	۴	نبو حجام	۳۵
۲۷	جناب منشی حشمت علی صاحب	۳۶	۲	جناب نبو صاحب خیاط	۳۶
۲۸	جناب داکتر مسعود حسین متاع	۳۷	۴	جناب منشی اعظم علیستا	۳۷
۲۹	جناب علی شهید علی صاحب	۳۸	۴	جناب منشی اکبر علی متاع	۳۸
۳۰	جناب عبد الکریم صاحب تاجر شوشینه	۳۹	۴	جناب منشی جبار علیستا	۳۹
۳۱	جناب منشی علی احمد صاحب	۴۰	۴	جناب منشی محمد سلیم متاع	۴۰

نار و متاع وری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الندوہ

مسلمانوں کی علمی بے تعصبی

اور ہمارے ہندو بھائیوں کی ناپاسی

چند روز ہوئے اور اسی میں علامہ کی رمان پر ایک ہندو مضمون لگا، اس کا ایک مضمون شائع ہوا تھا، مضمون کا مقصد بظاہر کتاب پر تنقید لکھنا تھا، لیکن مضمون نگار نے تقاضا کے پردہ میں جن تین تین خیالات کا اظہار کیا اسے اقتباسات حسب ذیل ہیں،

”صدیوں سے ایک ایسی کتاب انسانی کی عظمت میں پڑی ہوئی تھی، وجہ شاید یہ ہو کہ مسلمانوں نے اسے

پسند نہ کیا ہو گا،“

مسلمانوں نے صدیوں اس ملک پر مسلسل حکومت کی اور اس کا خاتمہ بھی ہو گیا، مگر اس ملک کے علم ادب

کی طرف انھوں نے بہت کم توجہ کی، + ہندو جب ان کی رعایا تھے تب بھی وہ ہندوؤں کے علم ادب سے بیخبر تھے۔“

”ابیر خسرو نے یہاں کی زبان کی طرف توجہ کی تھی مگر محض تفریح کے طور پر وہ ہندی زبان میں کچھ کہہ کر کرتے تھے۔ ہندوؤں

کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف کبھی ان کا خیال نہیں جرات وہ کچھ ان کی خبر نہ کھتے تھے۔“

”مگر وہ انگریزوں کو جو کچھ ہوا وہ بہت محدود تھا۔“

”داراشکوہ نے البتہ ہندوؤں کی اونچے درجے کی کتابوں کی طرف بھی توجہ کی تھی + + اس کو شش کی

جو کتاب نے ہندوؤں کی کتابوں کا مطلب بیان کرنے کیلئے کی تھی، آپ کو کفر کا فتویٰ ملا اور جان دینا پڑی۔“

”خارجیہ کے تمام باب کا پتہ نہیں ہیں، صرف اتنا معلوم ہو کہ وہ پانی پت کے رہنے والے تھے۔“

”اس زمانہ میں وہی ہندوؤں کا تھکا ہوا کلمہ ”مسلمانوں کے لیے آفت“ سے کم نہ تھا، ہندوؤں کی کوئی بات لینے علم سے

کھینچنے میں مسلمان مصنف کو کاڑھنے کا خوف اتنا تک نہ تھا کہ وہ ایک دم گھبرا جاتا تھا، لہذا سچ نے رامائن تو لکھی ہو، مگر

غریب کو بہت کچھ ثبوت دینا پڑا۔ مین کا ویندار مسلمان ہوں، کافر نہیں ہو گیا ہوں، شاید ان کو لوگوں نے رامائن لکھنے

پر آمادہ دیکھ کر کہا کہ اب جو گا۔“

”آپ کے حذر کا وہ سے بات بخوبی ظاہر ہوتی ہو کہ جہاں گیس کے وقت تک بھی ہندوؤں کی باتوں کی طرف متوجہ

ہونے سے مسلمان لوگ کافر سمجھے جاتے تھے، یہی وجہ ہو کہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے لٹریچر سے سد احمدی حاصل ہو

اور اس کا سلسلہ آج تک دیا ہی چلا آ رہا ہو۔“

یہ مضمون اس شخص کے قلم سے نکلا ہو جو کلکتہ کے مشہور اخبار ”بھارت مشرکا“ ایڈیٹر ہو، ایڈیٹر

نے اسکو بغیر کسی قسم کے تیار کار کے شائع کیا ہو، اور ہندوؤں کے مشہور اردو رسالوں میں بڑی قدر دانی

کے ساتھ گردش کرتا رہا ہو۔

سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہو کہ جو لوگ ہندو مسلمانوں کے اتحاد کی خواہش ظاہر کرتے

ہیں، یا جو لوگ، ان دونوں فرقوں میں سے کسی فرقہ کے ممتاز اور مسلم لیڈر ہیں، کیا ان کے قلم سے اسی

قسم کے خیالات ظاہر ہونے چاہئیں؟

لیکن اس سے قطع نظر کہ کیا دراصل یہ واقعات صحیح ہیں؟ کیا مسلمان، ہندوؤں کے

ادب و تاریخ جاننے کو کفر سمجھتے تھے؟ کیا داراشکوہ اسی جرم کا شہید ہو گیا امیر خسرو کو ہندوؤں کی

کتابوں کی مطلق خبر نہ تھی ؟ کیا سیح کی راءان مسلمانوں کی تعصب کی وجہ سے گزشتہ گمنامی میں پڑی ہوئی
یہ تاریخ کے صفحوں میں سیح کا کہیں پہ نہ نہیں چلتا ؟

اخیر سوال اگرچہ تمام سوالوں کی بہ نسبت کم درجہ کا سوال ہے لیکن ہر کوئی سے پہلے اسی کا
جواب دینا چاہیے، کیونکہ اس سے اسباب کے اندازہ کرنے کا موقع ملے گا کہ ہائے صفحوں کا راءان کون
مسلمانوں کے نظر پر اور تاریخ سے کس حد تک اقصیت ہے ؟ سیح کی نسبت وہ تحریر فرماتے ہیں۔
”کہ ملا سیح کے نام نہایت پر نہیں چلتا“

لیکن فارسی شعرا کا کوئی تذکرہ ایسا نہیں جس میں سیح کا نام، اور اس کے حالات نہ ہوں،۔
”مرب جہانگیری میں قرب خان ایک شہور امیر تھا، جو اہل میں پانی پت کا بہنے والا تھا لیکن
کرانہ میں سکونت اختیار کر گئی تھی سیح اسی کا پروردہ تھا وہ دراصل کرانہ کا بہنے والا تھا لیکن چونکہ قرب خان
کے دامن تربیت میں پلا تھا، آقا کی طرح وہ بھی پانی پت کے انساب سے مشہور ہو گیا، تذکرہ دین میں اس کی
راءان کا عموماً ذکر ہے، آثار الامراء میں راءان کے چند منتخب اشعار بھی نقل کیے ہیں“

مسلمانوں نے ہندوؤں کے علوم و فنون کو جس ذوق شوق سے سیکھا اور انہیں جو مہارت
حاصل کی اس کو ہم نے اپنی کتاب تراجم (مندرجہ رسائل شبلی) میں تفصیل سے لکھا ہے، افسوس ہے کہ
ہندوؤں نے اس داستان کا ایک حرف بھی نہیں سنا ہے، ابو معشر فلکی نے دس برس ہندوستان میں
رہ کر جس طرح مسکرت کے علوم و فنون حاصل کیے، ابو ریحان بیرونی نے سولہ برس کی مدت میں جس طرح
مسکرت میں کمال پیدا کیا اور ہندوؤں کے علوم و فنون پر مبسوط کتاب لکھی (یہ کتاب مع ترجمہ انگریزی میں
لندن میں چھپ گئی ہے) فیروز شاہ نے جن کتابوں کا ترجمہ کرایا، اکبر نے دربار سے مسکرت کتابوں

تذکرہ جہانگیری میں لکھا ہے کہ اس کا اصلی وطن کرانہ تھا ۱۲

تذکرہ آثار الامراء حالات قرب خان ۱۳

تہجہ کرانے میں جو شاہ از فیاضیات : کھائیں، شہزادہ دانیال کو ہندی زبان کے ساتھ جوشن
تھا، آزاد بگرامی نے ہندی صنائع و بدائع پر جو مضامین لکھے، ماسم فرشتہ نے اختیارات و اسمی
لکھ کر ہندوؤں کے مطالعہ کے جس طرح فارسی زبان میں منتقل کیا، یہ واقعات، اگرچہ ہمارے ہندو
دستوں کے ہانوں تک نہیں پہنچے، لیکن سنیانوں کی علی انجمن کے پارینہ افسانے میں اول
ایسے ہم ان کو بہرہ انامین چاہتے،

لیکن ایک عام منطقی کارِ نفع کو یہاں ضروری عام خیال یہ ہے کہ پادشاہان ہندوستان میں سے
سب سے پہلے جس نے ہندو ہندوؤں کو دربار میں دخل دیا اور سنسکرت کی کتابوں کے ترجمے کرائے
وہ شہنشاہِ عظیم اکبر تھا۔ لیکن یہ ایک سخت تاریخی غلطی ہے، اگرچہ سیکودن برس پہلے سلطان بن العابدین
فرغانہ کے کشمیر نے، اس علمی صیغہ کی بنیاد ڈالی تھی، ہندوؤں سے جزیہ لیتا بھی اول اسی نے موقوف
کر دیا تھا، اور گادکشی بھی اس نے بند کرادی تھی،

تاریخ فرشتہ میں سلطان زین العابدین کے حالات میں ہے،

”عابد مغرہ ہندو واقعات تعین نمود، حزیہ المانع گشت و گادکشی برطرت ساخت“

”و شاہ بر جمیع زبانہا از فارسی و ہندی و تبتی و غیر آن بروجہ کمال ہمارت درست داشت و ہمہ آثار و
میں و فرمود، تا انگریز آنت عربی و فارسی زبان ہندی ترجمہ کردند و بدین دستور کتاب ہندی بفارسی ترجمہ کردند، و کتاب
ہما بھارت کو از کتب مشہورہ ہندوست۔ نیز فرمود تا ترجمہ کردند، و کتاب راج ترنگی کہ عبارت از تاریخ بادشاہان کشمیر است
در عہد او تصنیف شدہ و در زمان اکبر شاہ ترجمہ ہما بھارت را کہ عبارت بود بار دیگر عبارت فصیح آوردند، و تاریخ کشمیر
نیز بفارسی ترجمہ کردند“

ہندوؤں کو کار و بار سلطنت میں دخل دینا بھی اکبر کی ایجاد نہیں، ابراہیم عادل شاہ جو دکن کا
مشہور بادشاہ گذرا ہے، اور اگرچہ بیس بائیس برس پہلے یعنی ۱۵۶۲ء ہجری میں تخت نشین ہوا، اسنے

ہام کلہ و بار سلطنت ہندوؤں کے ہاتھ میں دیا تھا، یہاں تک کہ دفتری زبان بھی بدل دی تھی۔
فارسی کے بجائے ہندی کردی تھی، تاریخ فرشتہ میں اس کے حالات میں لکھا ہے،
”دفتر فارسی بر طرف ساختہ، بجا نہ دینے برمن، ابراہام صاحب دخل گردانید“

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ ابراہیم عادل، اکبر کی طرح، ضعیف المذہب
نہ تھا، بلکہ سخت مذہبی آدمی تھا، اسکا خاندان ایک مذہبی شیعہ مذہب تھا، لیکن اسنے مذہب حنفی
اختیار کیا اور تمام ملک میں اسکو رواج دیا۔

اس قسم کے اور بھی بہت واقعات ہیں، لیکن ہم اس وقت ان جزئیات سے بحث
کرنی نہیں چاہتے، اکبر، ابراہیم عادل، فیروز شاہ، الونہشہر ٹکلی، ابوریحان بیرونی، ابنی غلام
آزاد نے جو کچھ کیا، گوہت کیا، لیکن اس سے اصل بحث کا فیصلہ نہیں ہوتا، اکبر وغیرہ فرما دیتے
اس لیے انھوں نے جو کچھ کیا، ممکن ہو کہ ملکی مصلحتوں کے لحاظ سے ایسا کرنے پر مجبور تھے، ابوریحان کوئی
وغیرہ کے کارنامے بھی، علمی مذاق کے جوش کی طرف منسوب ہو سکتے ہیں، اس سے اس بات کا ثبوت
نہیں ہوتا کہ وہ ہندوؤں کے علوم و فنون کے مداح و معترف بھی تھے

آج یورپ والے ادنیٰ ادنیٰ قوموں کی زبان، اور ان کے علوم و فنون کو دیکھتے ہیں، لیکن طرح
کو تحقیر کے لیے نہیں، بلکہ محض واقفیت کے لیے، بلکہ کبھی کبھی صرف مہنسی اڑانے کے لیے،
اصل سوال یہ ہے، کیا مسلمان، ہندوؤں کے علوم و فنون کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے؟ کیا
ان کو ہندوؤں کی سرزمین سے، مذہب سے، زبان سے، کسی قسم کا مذہبی تعصب نہیں تھا؟ ہمارے
ہندو مضمون نگار نے اس سوال کا جواب، صاف لفظوں میں یہ دیا ہے، کہ ہندوؤں کے علوم اور زبان کی
طرف متوجہ ہونے کو مسلمان کفر خیال کرتے تھے۔

ہم اسے ہندو دوست کی تاریخ دانی سے اسی جواب کی توقع ہو سکتی تھی، لیکن حقیقت حال

ہم جو کہ مسلمانوں نے نہ صرف ہندوؤں کے علوم و فنون کو، بلکہ ہندوستان کی سرزمین کو بھی اُس وقت کی نگاہ سے دیکھا کہ کسی ایسی قوم سے کبھی توقع نہیں کی جاسکتی !

اس سے زیادہ کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کی فضیلت نے مذہبی حیثیت پیدا کی، اور حدیث و تفسیر کی مقدس کتابوں میں اس قسم کی روایتیں درج کی گئیں،

مولوی غلام علی آزاد بکرامی نے اپنی کتاب غرلان الہند کے دیباچہ میں اپنی کتاب کی تصنیف کی غرض یہ بیان کی ہے: ”اولاً ایک ذکر ہندوستان بہشت نشان از کتب تفسیر و حدیث رقم باید ساخت“ علامہ جمال الدین سیوطی نے تفسیر منشور میں، ابن جریر، حاکم، بیہقی، اور ابن عساکر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

اطیب ریحا ارض الہند | سب سے زیادہ خوش ہوا ہندوستان کی سرزمین ہے

اسی کتاب میں متعدد روایتیں ان مضمون کی نقل کی ہیں کہ حضرت آدم بہشت سے نکل کر ہندوستان میں آئے اور اپنے ساتھ وہاں کی خوشبودار ریاحین بھی لیتے آئے، ایک شاعر نے اسی مضمون کو اس پیرایہ میں ادا کیا ہے:

بہشت، کہ نعم ابدل فردوس است | آدم ز بہشت بن گرفتاد، ہند

اگرچہ یہ حدیثیں اور روایتیں قطعاً موضوع، اور جعلی ہیں، لیکن اس سے اس قدر ضرورت ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کی خوبی اور لطافت کے متعلق مسلمانوں کا کیا خیال تھا؟

ہندوستان کے علوم و فنون کو مسلمانوں نے جس نگاہ سے دیکھا، اسکی کیفیت ہے کہ آزاد بکرامی نے اپنی کتاب غرلان الہند میں شیخ علی رومی کی کتاب محافۃ الاولیاء و سامرۃ الاداخر سے یہ فقرہ نقل کیا ہے۔

اول موضع وضعت فیہ الکتاب | سب سے پہلے جس سرزمین میں کتاب تصنیف کی گئیں

والفہرست منہ و نایب الحکمت کان الهند اور جہان سے حکمت کا چشمہ بھلا، وہ ہندوستان ہی

علامہ سید باری نے سلم الثبوت میں لکھا ہے

” بعض بزرگوں نے مجھ سے بیان کیا، کہ ہندوستان کے شمالی پاروں میں پہنچے ایک بہمن کو دیکھا،

جو ایسے کلمات معلوم تھے، جن کے ذریعہ سے وہ ہر زبان کو سمجھ لیتا تھا،

آزاد بلگرامی غزلان الهند میں لکھتے ہیں

” جمہور اتقان دارند حکماء یزان + + + در علوم ریاضی منصب ہیں، اولاد انیاں جہان بودہ اند، الا کتاب

موسیقی کہ درین دو فن ہندیاں پیش قدم اند + + + و این دو فن را بچہ ای رساندہ اند، کہ فوق آن تصنیفیت، و علمائے

ولایات دیگر، اکثر قواعد علم حساب را از ہندیاں برگرفتہ اند، ان قواعد علم موسیقی را از اوزانیاں و ولایت دیگر تا این زمان از

نظم سریان ہند اخذ کردہ، و اختصاص این فن تا حال بہ اہل ہند سلم،

اسی کتاب میں ایک اور موقع پر لکھتے ہیں

” آدم بریکہ، دانایان ہند، در اخراج فن بدیع بسر خود اند، نہ انخرین عرب خوش چیدہ اند، نہ از ساز غفرس قطع

چشیدہ، بچہ را نہ علم و علمائے ایشان قدیمی دار، کہ در جانب اول حد آن نامعلوم ست،

علامہ آزاد نے غزلان الهند کے دیباچہ میں تالیف کتاب کے جو اسباب لکھے ہیں ان میں سبب یہ ہیں

” سوم ایک بعض صنائع علم ہندی و اقرب یا بد نمود،

” چارم ایک، فن ناچا بھدرا کا کہ پیش مجھے خوب بیان شود از ہندی بعربی یا بد برد، و این از مغان

لکھتے رہا، کہ مخصوص ہندیاں ست بہ خدمت عرب حرایا پیسرد،

سلطان فیروز شاہ، جو سلطان محمد تغلق شاہ کا برادر عم زاد، اور مشہور ہجری میں غزنوی

ہوا تھا، جب کانگڑہ کی تسخیر کے لیے گیا، اور جوالا کھی کی سیر کی، تو وہاں کے کتب خانہ کو بھی دیکھا

تاریخ سیر المتاخرین میں جہاں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، لکھا ہے:

”و نیز خود ان مکان کتب بسیار می از برآمد سبقت یافتند سلطان، علای آن عاقل و بصورت خوش طلب شست،
 به صاحب آن راستید و محفوظ گردید، و فرمود، که بعضی از آن کتب، و فارسی ترجمه کنند، و مطلب آن درست، و در آسانی فهمیده آید
 مولانا ابو الدین سب لامل کتاب در حکمت طبعی از آن کتب چیده، و طالب آن در سلک نظم کشید، و کتاب فیروز شاہی موسوم
 گردانید، سلطان بغایت پسندید، و صلا آن نفوذ بسیار می از اظلا و نفاذ، و اضافہ جایگزین رحمت کرد، و مضمون آن کتاب
 اکثر اوقات، مذکور تفضل سلطانی می شد،

ہماتے ہندو دوست فرماتے ہیں کہ ہندوؤں کے علوم و فنون کی طرف توجہ کرنے سے مسلمان بعض
 خطرمیں پڑ جاتا تھا اور کافر خیال کیا جاتا تھا، لیکن عبارت مذکورہ بالا سے معلوم ہوگا، کہ خطروں کے بجائے
 ہندی تصنیفات کے ترجمہ کرنے سے انعام، اور منصب و جائزین می تھیں، اس عین تفاوت روا زکبات
 نامکما یہ بھی ملحوظ ہے، کہ فیروز شاہ اگر کی طرح دنیا ساز، اور ظاہر دار نہیں تھا، بلکہ فطرت مسلمان، اور سخت
 پابند مذہب، اور ان باتوں کے ساتھ نہایت عادل، اور انصاف پرست تھا

حضرت امیر خسرو دہلوی نے ایک سنوئی نو بھرون میں پسر نام لکھی ہے، اس میں ایک سقل باب
 ہندوستان کے فضائل کا قلم کیا ہے، اور فضیلت کے مختلف وجوہ قرار دیے ہیں ان وجوہ میں سے ایک
 وجہ فضیلت علمی قرار دی ہے، اور اس پر دس دلیلین قائم کی ہیں، جنہیں سے بعض حسب ذیل ہیں
 (۱) بیان، تمام دنیا کی بنسبت، علم نے زیادہ وسعت حاصل کی،

(۲) ہندوستان کے آدمی دنیا کی تمام زبانیں حاصل کر سکتے ہیں، لیکن اور کسم، ملک کا آدمی ہندی زبان
 نہیں بول سکتا،

(۳) ہندوستان میں دنیا کے ہر حصہ کے لوگ، علم کی تحصیل کے لیے آئے، لیکن کوئی ہندو، تحصیل علم کیلئے
 ہندوستان سے باہر نہیں گیا،

لے تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ (۱۳۰۰) کتاب میں تھیں، جنہیں سے بعض کتابوں کا ترجمہ بھی ہوا ۱۲

(۴) علم حساب میں مغرب و ہندوستان کی ایجاد ہے

(۵) کلیدہ و منہ جو تمام دنیا کی زبانوں میں ترجمہ ہوئی، ہندوستان کی تصنیف ہے

(۶) شطرنج ہندوستان کی ایجاد ہے

(۷) موسیقی کو جو ترانہ ہندوستان میں ہوئی، کہیں نہیں ہوئی

نظرن کی دیکھی اور مزید احمقانہ کہیے ہم، کتاب مذکور کے اصل اشعار حاشیہ میں نقل

کر دیتے ہیں

۱

انہو در سخن بندہ سست کے
اوشش آن شد کہ درین ملک بدون
مست و توم آن کا ز ہند آو میان
لیک، ازا نقضی و گریہ کے
مست خطا و عقل و ترک و عرب
محبت شوم، مگر از من بہ خرد
کہیں طرف، از ہر طرف اہل ہند
لیک، بہ تحصیل علم بہر شرف
یست نہان آن کہ سوسے ہند، مگر
آہ وہ سال، در آموخت سخن
پس فن تعلیم در آموخت چنان
مست یقین آن کہ درین علم سے
اور مست خود کہ نمود مست ہمہ
محبت چارم، از مست بندہ بین
ہم بہ یکے صفر کہ نقشہ مست نہی،
واضح دین تخته، اسات نام یکے
ہند آسا، شد چو از و نام عدد
وضع شد از برہمن نادرہ بین
محبت پنجم، بہ بیان شش گنم
و منہ کلیدہ، زود و دام، سخن
گشت چو بود مست بہ نفع ہندی
حکمت از دین بہ چہ بود، کہ ہند سو

محبت این گفت، وہ آرام، نہ یکے
مست جاہت، اندر از مست زون
جد لکھو بند، زبا نہا بہ بیان
گفت نیار د سخن ہند، سست
سخن ہند و ما، دوخت لب
کان زہ عقل، قبول مست، نہ رد
در طلب سہ و ہند کرد گذر
برہمن از ہند نہ غد بہ چ طرف
کرد ابو عشرہ، از مست ہند، گذر
در جد با ناریسی آن شہر کہیں
کہ حکما برد درین شہرہ عنان
مست چو او، بخبر بہ کرد مست
آن ز سیاہی ہند دست ہمہ
کابل حسان وضع، بہ ہند چین
بین، چہ ز موز ست چو خلش دہی
بود برہمن، کہ درین نیست شش
ہند، تخفیف شد از اہل خود
حکمت یو آن شد، محتاج برہمن
ہعیان را بہ حسد و جسج گنم
آنکہ ہم از ہند مشائے مست کہیں
پارسی و ترکی و تازی و دری،
سوت شد آرنہ حکیمان ہمہ و

حضرت امیر خسروؒ نے صرف ہندوؤں کی علمی فضیلت ہی کے ثابت کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے مذہب کا بھی اسلام کے علاوہ ۱۰۷ تمام مذاہب سے مقابلہ کیا، اور ترجیح دی، ہر چنانچہ فرماتے ہیں:

برہمن، ازہستی اور نہ نفس	از تنوئی کش بہ وی رفته و بس
کیسویان، زوج و ولد است پرو	ہند و ازین جنس نہ پیوستہ برو
قوم مجسم، رستم جسم زدہ	بر عہد ان سہ دم زین قہم زدہ
ختریان، ہفت خدا بردہ گمان	آگفتہ یے ہند و، و ثابت جان
قوم مشہ، سوی است بیستہ دم	ہند و ازین باش بہ تنزیستہ
خلق دگر نور و ظلم خونہ بہ دل	ہند و ازین ہم پیوند گسل

ان اشعار میں ہندو مذہب کی ترجیح کے وجوہ یہ بیان کیے ہیں، کہ تنوئی فرقہ خدا کو دو ماننا ہے، بخلاف اسکے ہندو ایک خدا مانتے ہیں، عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں، لیکن ہندو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۔

مجت شش، ہائے شطرنج شش	انچہ کہ از سببہ برور بخ، شش
ہست ہم از ہند کی وضع گران	ایں فن طرفہ کہ در ذمیت کران
از حد و اندازہ جہتند بیستہ	غایت و پائش انداشت گے
چون ہمہ ششند بہ اجماع دیون	کین چنین از صورت امکان ست دیون
برتری از ہند طلب ہند، ہمہ	معترف عجز نہ نشستند ہمہ
مجت ہشت آن کہ سرور خوش	کوست بسوزد دل و جان آتش
ہر ہمہ دانستہ کہ در جملہ جهان	نیست برین گوئے و این ست نہان
اسی باب میں اس سے پہلے ہندوں کے علوم و فنون کی عام طور پر تعریف کی ہی چنانچہ لکھتے ہیں،	ہر چہ کہ جزو فقہ، تمام ست درو
مطلق و نجیم و کلام ست درو	دشتہ ستانوں اور علوم برو
برہمنے ہست کہ در علم و نبرد	پیش سے ہست بر آئین گمن
علم دگر بر حسبہ زمعقول سخن	ہیات استقبال و امنی ہست ہم
والنہ جلیسے و راہنی ست ہمہ	بر ہنمان راست اداں پایہ فردن
روحی اداں گوئے اکلند بروں	

(ششپہر)

ہیں تم کے عقائد کے قائل نہیں، فرقہ محمد خدا کو صاحب جسم مانتا ہے، لیکن ہندو ایسا اعتقاد نہیں رکھتے، سارہ پرست۔ سات خدا مانتے ہیں، لیکن ہندو صرف ایک خدا کے قائل ہیں، فرقہ مشبہ خدا، ممکنات سے تشبیہ دیتے ہیں، ہندو، اس کے خلاف ہیں، پارسی، تو رو ظلمت دو خدا مانتے ہیں، لیکن ہندو اس خیال سے بری ہیں،

اسی کتاب میں حضرت امیر خسرو نے سنسکرت لکھنے کا بھی ذکر کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں

سہ قدسہ پر سر این کار شد م در دل تان، موم امرا رسد م

ہرج بہ اندازہ خود در مز خرد جسم از ان قوم، و نہ بود از در رز

ہماتے ہندو دوست تحریر فرماتے ہیں کہ

”جاگیر کے وقت تک بھی ہندوؤں کی باتوں کی طرف توجہ ہونے سے مسلمان لوگ کافر سمجھے جاتے تھے“

لیکن خود جاگیر کا یہ حال تھا کہ اس زمانہ میں جوئے بٹے پنڈت اور سناسی موجود تھے اور

جھگڑوں یا کھوؤں میں زندگی بسر کرتے تھے، دشوار گزار راستے طے کر کے اُن کے پاس جاتا تھا، اور

نہایت خوش اعتقادی کے ساتھ اُن سے ہندو مذہب کے حقائق و معارف سیکھتا تھا۔

جاگیر کے زمانہ میں سب زیادہ مشہور سنسائی اور ویدانت کا عالم، جدو پ تھا، جاگیر میں

شوق سے اس سے ملنے گیا ہے، اور جس خلوص و اعتقاد سے اسکی باتیں سنی ہیں، اسکا حال خود،

بزرگ جاگیر میں لکھتا ہے،

”مکر شنیہہ بودم کہ سناسی ترا منی جدو پ نام، کہ چندین سال مت اکر: دیکت محمود اُستین در گوشہ صحراد

بادانی دور متوجہ مشغول پیش معبود حقیقی ست: خواہش محبت: بسیار آشم، و متیکدرا: ارا خلافت اکر: بودم: ہجرت

لے: تیر خور کل شام کے بڑھنے کے بعد محمود صاحب کی اس بے پرواہی کو، امیر خسرو نے یہاں تک بیان کر دیا ہے کہ، مگر بعض نافرمان

مور بہ: ہندوؤں کی کچھ ملامت کیلئے کہیں کما خیال میں ہوا، نہ انکی کچھ خبر رکھتے تھے، یہی جلتے نامہ بیان بھائیوں کی مختلف

اور اطلبیہ و نیم، تا قیام خطہ جدید اور کردہ طلبیدم، چون بحوالہ شہر مذکور رسیدم، زکشتی برآمد نیم با و کردہ پیادہ
 دیدن اور متوجہ شستم،

معلم بیانت را کہ طبع خدمت باشد، خوب رزیدہ، تا شش ہر می با صحبت و ششم ہن خان خوب مذکور ساخت
 خطہ پچھیلے درین اثر کرد۔

اسی کتاب میں ایک دوسرے موقع پر لکھا ہے۔

» باز خاطر را بملاقات کشائین جد روپ غربت افروز، بے تلفا زبکلیہ اشتافہ صحبت داشتہ شد ہن خان
 میان آمدن بل وائی زبک توفیقی است فزودہ، نعم عالی و نظرت بند، و در گذر را با، انش خدا داد جمع و در ان تعلقات
 آزاد ساخته، پشت بایہ عالم و انہما زہ، و گوشہ تجرید غنی، بے نیاز شستہ، و در کم شنبہ چار دہم از بر ملاقات
 کشائین رفتہ، از دور و اع شدہ، بے گفت، جدنی ز صحبت اور خام حقیقت گزین گزائی شود،

ان الفاظ کو پڑھو، اور اضاف کرو، کہ کیا کسی شخص کے ساتھ اس سے زیادہ خوش اعتقاد ہی
 خلاص، اور گرویدگی کا اظہار کیا جاسکتا ہے؟ ایک ایسے با عظمت شہنشاہ کا، ایک ہندو فقیر بیٹا کے
 پاس پاؤں کو س زمین، یا پیادہ چل کر جانا، چھ چھ گھڑی تک اسکی خدمت میں حاضر رہنا، اسکی باتوں سے
 کمال درجہ متاثر ہونا، اسکے فضائل و کمالات اور قطع تعلقات دنیاوی پر حیرت ظاہر کرنا، چلتے وقت،
 اسکی جدائی کا سخت افسوس ہونا، کیا اسی کا نام تعصب ہے؟ کیا ایک ہندو بھی کسی اپنے ہم مذہب پیشوا
 کے ساتھ اس سے زیادہ خلوص اور عقیدت ظاہر کر سکتا ہے؟

جہاں گیر کی یہ حالت جد روپ کے ساتھ مخصوص تھی، وہ عموماً ہندو علما و فضلا کی صحبت پسند
 کرتا تھا، ترکین میں اس قسم کے بہت سے واقعات درج کیے ہیں، ایک موقع پر لکھا ہے،

۱۲ ترک جہاگیر صفحہ ۱۴۵ د (۱۴۶) ۱۲

۱۲ ترک جہاگیر صفحہ ۲۴۹ د (۲۸۰) ۱۲

”درمیں منزل، شب شہوات واقع شد، جگہ بسیار جمع آمدہ بودند، لوازم این شب چل آمدہ، دباؤ نامی

این طائفہ، مصیبتا دہشت شدہ،

جہانگیر کے زمانہ میں ایک اور بنیادی صاحب کمال تھا، جہانگیر اسکی خدمت میں بھی حاضر ہوا
چنانچہ خود ترک جہانگیری میں لکھتا ہی،

”در کنار مال کاگریہ، شناسی کہ از مرغان طائفہ ہندو آمد، کلبلہ در دیشا نہ ساختہ، مزدوی بود، چون

خاطر ہوا رہ بصحبت درویشان راغب مت، بنے کلفانہ، ملاقات و شناسائی، دواست نہد صحبت اور دریافت، خالی از آگاہی
بمقتولیت نیست، وہ آئین دین خود از مقدمات صرفیہ، و تون تمام دارد،“

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے، کہ یہ وہی جہانگیری جسکی نسبت، یہاں سے ہندو دوست نے
اسی مضمون میں لکھا ہی،

”جہانگیر کی توجہ اس طرت (یعنی ہندوؤں کی باتوں کی طرف) نہ تھی، اپنی ام رنگی سے دیکھا گیا ہی

حضرت نور دست ہی کہاں تھی، جو اور طرت متوجہ ہوتے،“

اس امر کا بھی بخاطر رکھنا چاہیے، کہ جہانگیر اپنے باپ کی طرح، ضعیف المذہب، اور سست

مقید نہ تھا، بلکہ وہی باتوں میں نہایت تعصب لکھتا تھا۔ وہ اکبر کی طرح ہندوؤں کے عقائد کا سحر

نہ تھا، بلکہ ان سے نہ ہی، مباحثہ کیا کرتا تھا، ایک مناظرہ کا ذکر خود اپنی ترک میں کیا ہی، اور غزنی کے لہجہ

میں لکھا ہی، کہ ہندو آخر ساکت ہو گئے، صوبہ بہار کا راجہ، جسکا نام روز افزون تھا، اسی کی نفیض صحبت

سے اسلام لایا، چنانچہ ترک میں لکھتا ہی،

”روز افزون، کہ از راجہ دادا کے معتبر صوبہ بہار بود و از خود ہی باز بہ خدمت حضور تیا م، نمود، اور

بشرط اسلام مشرف ساختہ، ایل،“

۱۲ مئی ۱۶۲۳ء مطبوعہ تھلی گڑھ ۱۲

انہیں ہمہ اسکی بے تعصبی کا یہ حال تھا کہ جب کسی شخص کو مرید کرتا تھا، دسلاطین تیموریہ، گورن
کومر بھی کیا کرتے تھے، اور ان سے بیعت بھی لیتے تھے تو اس سے یہ اقرار لیتا تھا، کہ کسی شہب و ملت
سے سداوت نہ کئے گا، چنانچہ خود کہتا ہے۔

فروقت از آن آوران چہ عیون فی نصیحت، مذکور ہی گزرد باید کہ وقت خود را بہ دشمنی
نقش از منہا، و در نشان از او، بمعین و باب عل، طریق صلح علی مرہی دارند۔^{۵۱}

ملاسیح، اور ان کی راہ میں کئے متعلق، جو خیالات ہمارے ہندو دوست نے ظاہر کیے ہیں اسکی
یہ کیفیت ہے کہ بے شہد رمانین کو قبول مہنین بابل، بوا، لیکن اسکی وجہ تعصب نہیں ہے، مسیح ایک معمولی
وجہ کا ثناء تھا، اس کے کلام میں فارسیست کا مزہ باطل نہیں، اساتذہ فہن میں وہ کبھی شہار نہیں کیا گیا، وہ
رمانین کے بجائے، اگلی صحابہ کے حالات بھی لکھتا تب بھی کوئی نہ پوچھتا، رمانین کو اس قدر مقبولیت بھی
ہوئی تو صرف اس وجہ سے کہ ایک نیا مضمون تھا، فردوسی نے شاہنامہ میں گبروں کے قصے لکھے،
مصولت ترکستانی نے مصولت فاروقی بن حضرت ابو بکر و حضرت عمر کے فتوحات نظم کیے، اور فردوسی کو
ایمان دین کہ اسنے کافروں کے نام کو کیوں زندہ کیا چنانچہ فرماتے ہیں۔

پیش شاہ سخن گوئے طوس	پہ دوغ سخن، آتش از جوس طوس
مغ، مغ، آتش پرست	برجیت، برہر ہوشے دادہ دست
دانش گبر، جان ہر، دہری زبان	ز گبران، بہ گبری زبان قصہ خوان

لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ فردوسی کا شاہنامہ، بچے بچے کی زبان پر ہے، اور مصولت فاروقی کا
وہی نام بھی نہیں جانتا، اگر مسلمان بن تعصب ہوتا تو نتیجہ اسکے برعکس ہونا چاہیے تھا، ملاسیح مصلحت
لرزد و باقی اسلام کے حالات لکھتے، تب بھی مقبول نہ ہوتے،

لامیج کے جوا شعراء، ہمارے ہندو دوست نے نقل کیے ہیں، بے شبہ وہ تعصب سے
 لرزہ بین، لیکن مسلمانوں کے تعصب کا اندازہ، حضرت امیر خسرو، ابو حشر فلکی، ابوریحان بیرونی،
 عبد الجلیل بلگرامی، فیضی، ملک محمد جاسمی، آزاد بلگرامی، سلطان فیروز شاہ، ابراہیم عادل شاہ
 اکبر، جہانگیر، دانیال، عبدالرحیم خان خاتمان سے کرنا چاہیے یا بیچاے مسیح پانی پتی اور
 صولت ترکستانی سے چٹکھو کوئی جانتا بھی نہیں۔

شبلی نعمانی
 دار العلوم ندوہ

المرأة المسلمة

نمبر (۱)

تعلیم اور خیالات کے اختلاف نے آج کل ہندوستان میں دو گروہ پیدا کر دیے ہیں، قدیم تعلیم کی طرف
 اور نئی تعلیم کا تربیت یافتہ۔ تقریباً ہی حال مصر کا ہے، سننے اور پڑھنے گروہ میں جو حد قابل بیان نظر آتی ہے، وہ ان
 بھی قائم ہے، لیکن اس مماثلت کے ساتھ بڑا فرق یہ ہے کہ یہاں نئی تعلیم نے ذریعہ ملازمت ہونے کے ساتھ،
 اور کوئی قائمہ قوم اور طریقہ پر نہیں پونچایا، لیکن عربین نئی تعلیم نے ذریعہ ملازمت ہونے کے ساتھ نسبتاً
 عمدہ نتائج پیدا کیے ہیں، سننے گروہ میں علمی مذاق پیدا ہو چلا ہے، جو تصنیفات آج عربی لٹریچر کا مایہ ناز سمجھی
 جاتی ہیں، تقریباً تمام ترسنے گروہ کی کوششوں کا نتیجہ ہیں، اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں
 اگر گروہ اگرچہ ضروریات زمانہ سے باخبر ہے، اور یورپ کے قدم بقدم چلنا چاہتا ہے، مگر چونکہ اپنی حالت کی
 پیچیدگی اور تعلیم کے نقص نے امتیاز صحیح کا مادہ سلب کر دیا ہے، اس لیے اس امر کی قدرت نہیں رکھتا

و حسن وضع میں تیز کر سکے، برضات اسکے مصر کا نیا گروہ یورپ کی ہر ادا کو شیفتگی کے ساتھ دیکھتا ہے، مگر فائدہ
 ظہری و اتا ہے، جو نئے مباحث یورپ کی تقلید نے پیدا کر دیے ہیں، وہ ہندوستان کی طرح مصر میں بھی
 پیش ہوتے رہتے ہیں، مگر موافقانہ یا مخالفانہ جو کچھ اس پر لکھا جاتا ہے، وہ یہاں کی نسبت باوجود شائستہ
 اور عمل ہوتا ہے۔

نئے مباحث میں ایک بڑی بحث عورتوں کی آزادی یا پردہ کی ہے، ہندوستان کی طرح مصر
 میں بھی پہلے دنوں یہ بحث چھوڑ لی، مصر کی تعلیم یافتہ سوسائٹی کے ایک فی اثر ممبر سر مشرق قائم امین بک
 ہیں جو کسی زمانہ میں پردہ کے منت مقرر تھے، اور یورپ کی موجودہ آزادی کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے
 تھے، فریخی میں ایک سال بھی پردہ اسلامی کی تائید پر لکھا تھا، جسے فرانس میں کچھ دنوں کے لیے ہل چل چکا تھا
 تھی، لیکن پھر اگلے دن بیکار اگلی سال میں انقلاب ۱۸۷۱ء اور یورپ کی آزادی کی جگہ پردہ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے
 لگے، چونکہ گذشتہ غلطی کا کفارہ ضروری تھا، اس لیے پردہ کی مخالفت، اور آزادی نسوان کی ضرورت پر یکے بعد
 دیکھنے کے دو رسالے لکھ کر شائع کیے جنہیں سے پہلے رسالے کا نام تقریر برائۃ، اور دوسرے کا نام المرأة الجدیہ ہے،
 ان دو رسالوں نے اہل مصر کو نئے سرے سے اس مسئلہ پر توجہ کر دیا، قائم امین بک کی تردید میں معمولی
 مضامین کے علاوہ پانچ رسالے علی الترتیب لکھے گئے جنہیں ایک سالہ بیروت کے کسی عالم کی تصنیف ہے
 اور چار رسالے مصر کے قائم یافتہ اشخاص کے قلموں سے نکلے ہیں، انھیں رسالوں میں ایک سالہ المرأة الجدیہ
 بھی ہے جو مصر کے مشہور مصنف فرید وجدی کی تصنیف ہے، اس مضمون کے ذریعہ ہم اردو خوان پبلک کو اس کے
 قابل قدر مباحث سے واقف کرنا چاہتے ہیں، جس سے ایک طرف تو آزادی نسوان کے مسئلہ پر مفید روشنی

۱۵ عریضۃ کا ترجمہ اردو میں شائع ہو چکا ہے، ناظرین اگر اسکے ملاحظہ کی تکلیف گوارا فرمائیں، تو اس امر کا اندازہ کر سکتے
 ہیں کہ پردہ مکمل مخالفت اور آزادی کی حمایت میں جو طریق استدلال اور طرز تقریر مصر کی مخالفت پارٹی نے اختیار کیا ہے
 بہ نسبت ہندوستان کے کس قدر شائستہ، اور مدلل ہے، ۱۲

پہننے کی، اور دوسری طرف اس امر کا بھی اندازہ ہو جائے گا، کہ مصر کا نیا علمی مذاق ہندوستان کے موجودہ مذاق سے کس درجہ مختلف ہے۔

ہندوستان میں تقریباً بیس برس سے اس سلسلہ پر خامہ فرسائی ہو رہی ہے اور ایک خاص طریقہ پر اس موضوع پر طیارہ بولیا ہے، لیکن اس تمام دفعہ کا یہ حال ہے کہ نئے گروہ نے جس قدر پردہ اور تنقید کی خوبیاں دکھائی ہیں، وہ خود نہیں دکھائی ہیں، بلکہ یورپ کے اثر میں محیط ہو کر دکھائی ہیں، یورپ کے رہنے اس طرح انھیں دم بخود کر لیا ہے کہ ایک لفظ بھی اس کی مخالفت میں نہیں کہہ سکتے، اس لیے وہ یورپ ہی کی آواز ہے، جو ہیٹ کی جگہ ٹریش سے پیچھے دھڑسردن پہنچتی ہے، جن لوگوں نے پردہ کی تائید میں مارا ہے کچھ ہیں، انہیں بڑی جماعت قدیم تعلیم یافتہ لوگوں کی ہے، چونکہ ان لوگوں کی نظروں سے یورپ کا حال پوشیدہ ہے، اس لیے جو کچھ دیکھتے ہیں، مذہب کے بل پر لکھتے ہیں، اور مذہب ہی ایک ایسی چیز ہے جس کا چادو سننے گروہ پر کارگر نہیں ہو سکتا۔

فرید وجدی چونکہ یورپ کی متعدد زبانوں سے واقفیت رکھتا ہے، اور خود تعلیم یافتہ سویڈش کا ایک قابل ممبر ہے، اس لیے اس نے جو کچھ لکھا ہے، محض یورپ کے احوال و حالات کو پیش نظر رکھ کر لکھا ہے، اس بنا پر ظاہر ہے کہ المرأة المسلمہ جس قدر نئے گروہ پر اثر ڈال سکتی ہے، ہمارے یہاں کی مذہبی تحریروں سے اس قدر توقع نہیں ہو سکتی ہے۔

عورتوں کی آزادی کا سلسلہ درحقیقت ایک معرکہ الاما مسند ہے، یورپ کا طرز عمل اگرچہ اس کی تائید میں ہے، لیکن جمہور کی آواز نہایت سختی سے اس کی مخالفت ہے، ایک بڑی باریک بین جماعت مجاہد ہے، جو اس آزادی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے، اور اس خطرناک نمانہ کی انتہی کے ساتھ منتظر ہے، جیسا کہ آزادی کا دوسرا نتیجہ، تمدن اور معاشرت کی بنیادیں متزلزل کر دے گا، ہمارے یہاں کے مخالفین پردہ یورپ کے طرز عمل کو ترشوق کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، لیکن چونکہ نظریں کوتاہ، اور معلومات محدود ہیں، اس لیے

مخالفت جماعت کی رائوں سے واقفیت نہیں رکھتے۔ پردہ کے سید میں یورپ کی زبانوں، اور حالات کے
 محض بخیر ہیں، اس لیے انی رٹے بھی اس میدان میں سبقت نہیں لیجا سکتی، فرید و جری، چونکہ یورپ کے
 اقوال و عادات پر وسیع نظر رکھتا ہے، اُس لیے اس نے اول ان تمام لوگوں کی رائیں دھونڈ دھونڈ کر
 جمع کی ہیں، اور دکھایا ہے، کہ جس ملک کے طرز عمل پر فریفتہ ہو کر مصلحت، اور تمدن فوائد سے چشم پوشی کرتے
 ہو، خود اُس ملک کے اہل ازلے، اور موجودہ مذہبیت کے مجدد اس طرز عمل کو کس گاہ سے دیکھتے ہیں پھر
 شاہرہ جہاں یورپ کے خیالات پیش کر کے سہرا نہ لہجہ میں نصیحت کی ہے، کہ محض ظاہری آزادی
 کے کرشمہ پر بخود دھواؤ، کیونکہ جن نتائج کی بنا پر آزادی کا شور مچاتے ہو، وہ خیر سے یورپ میں
 بھی مفقود ہیں۔

اس سرسری رٹے کے بعد ارجحان مسئلہ کے اہم مباحث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔
 عورتوں کی آزادی کی حمایت میں اس وقت تک جس قدر ذخیرہ جمع ہو چکا ہے، اس میں اہم اور
 قابل بحث صرف تین مسئلہ ہیں، ان کے علاوہ اور جتنی باتیں پیش کی جاتی ہیں، وہ دراصل ان تین مسئلوں
 کی شرح و تفسیر میں داخل ہیں۔

(۱) لالہ انسان فطرتاً آزاد ہے، اور اس فطری آزادی میں کوئی خصوصیت ثابت نہیں ہوتی، پھر
 وہ کتنا عیار ہے، جس کی بنا پر انسانوں کا ایک گروہ تو اس آزادی سے فائدہ اٹھائے، اور دوسرا گروہ محروم
 رکھا جائے؟ (۲) جب انسانی قوا کی عقلی نشو و نما تمدنی اور شائستہ زندگی کے لیے ضروری ہے، تو پھر اس کی
 ایسا وجہ ہو کہ عورتیں اس عقلی نشو و نما سے محروم رکھی جائیں؟ (۳) مردوں نے علوم و فنون، انتظام سیاست
 اور دنیا کے تمام تمدنی مشاغل اپنے لیے مخصوص کر لیے ہیں، اور عورتیں اس دنیا سے بالکل الگ کھینچ
 جاتی ہیں، اول تو انہیں تعلیم دی ہی نہیں جاتی، اور اگر کبھی نہ ملے ان کے مظلومانہ حال پر شائستہ ہوتا
 بھی ہے، تو صرف تعلیم کے لیے کافی خیال کی جاتی ہے، کیا وہ انسان نہیں ہیں، کیا انہیں دماغی قوتیں موجود

نہیں ہیں، اگر جواب انبات میں ہے، تو کیا یہ صریح ظلم نہیں ہے، کہ علمی دنیا کے شائستہ مشاغل سے انھیں ایک ملت محروم کر دیا جائے؟

(۲) اس وقت تک عورتیں علمی لذت سے محض نا آشنا ہیں، اور بہ تمام ہندی میدان کل کل مردوں کے قبضہ میں رہا، ایسے یہ کہنا بھی صحیح نہیں، کہ انہیں مردوں کی طرح دماغی ترقی کی صلاحیت نہیں ہے، کیونکہ اس وقت تک انھیں ترقی کا موقع ہی کب دیا گیا؟ اور پے آج علم تشریح اور فزیالوجی کی تحقیقات سے ثابت کر دیا ہے، کہ مرد اور عورت دماغی قوتوں میں بالکل برابر ہیں، اور ثبوت کے ساتھ انھیں عام قیاس بھی دیدی ہو، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یورپ میں کوئی کام ایسا نہیں ہے، جسے مردوں کی طرح مغربی عورتیں انجام نہ دیتی ہوں، ڈاکٹر عورتیں ہیں، پروفیسر عورتیں ہیں، مصنف عورتیں ہیں، ادیب لکچرار عورتیں ہیں، ہنر مند ہر میدان میں مردوں کے برابر ترقی کر رہی ہیں، یہ نظیر بھی بتلا رہی ہے، کہ اگر عورتوں کو مردوں کے تسلط سے نجات ملے، اور اعلیٰ تعلیم سے، دونوں کی طرح فائدہ اٹھائیں، تو وہ کسی چیز میں مردوں سے کم رتبہ ثابت میں ہو سکتیں۔

(۳) مشرق نے جو ظالمانہ رائے عورتوں کے متعلق، زمانہ جاہلیت میں قائم کی تھی، اس وقت تک اس پر قائم ہے، مسلمان عام طور پر عورتوں کو ناقص العقل، زانیہ، اور فتنہ و فساد کی جڑ سمجھتے ہیں، برضلاف اس کے یورپ، عورتوں کی غیر معمولی عزت و احترام کرتا ہے، اور مردوں سے کسی امر میں کم نہیں سمجھتا۔ یہ تین باتیں، وہ ہیں، جو آج مصر و ہندوستان میں پردہ کا ہر جنائف رشوت پیش کرتا ہے، اور انکی تشریح و تفسیر میں عجیب عجیب کتبہ، افینان کی جاتی ہیں، ایسے فرید وجدی نے مرآۃ المسلمین میں انھیں تین مسئلوں کو پیش نظر رکھا ہے، اور ان کے متعدد کوشش کر کے تیر فصلوں میں الگ الگ بحث کی ہے، ان فصلوں میں اہم مباحث یہ ہیں۔

(۱) عورت کیا ہے؟

(۲) عورت کا طبعی وظیفہ کیا ہے؟

(۳) کیا مرد اور عورت جسمانی طاقت میں مساوی ہیں؟

(۴) کیا عورتیں علیٰ دنیا میں مردوں کے ساتھ شریک ہو سکتی ہیں؟

(۵) کیا عورت کو مردوں سے پردہ کرنا چاہیے؟

(۶) کیا پردہ عورتوں کے لیے غلامی کی علامت ہے؟ اور کیا آزادی کا خانی ہے؟

(۷) کیا پردہ عورتوں کی ترقی و کمال کا مانع ہے؟

(۸) کیا پردہ کا عام اثر ذہنی ہو سکتا ہے؟

(۹) کیا موجودہ مادی مذہب کی عورتیں کامل عورتیں ہیں؟

آخر میں بحث کی ہو کہ تعلیم نسوان کا بہترین طریقہ کیا ہے، لیکن یہ مسئلہ ہماری بحث کے دائرے سے باہر ہے، اس لیے اس کو کسی دوسرے مضمون کے لیے اٹھا رکھتے ہیں، اب ہم فرد افراد ان چاروں مسئلوں پر نظر ڈالتے ہیں، اور دیکھتے ہیں کہ المرأة المسلمہ نے ان پر کسی طرح بحث کی ہے، کیا کیا دلائل پیش کیے ہیں، کن کن لوگوں کی راہوں سے استنباد کیا ہے، اور اپنے حریف کے مقابلہ میں کماتک کا مباحی حاصل کیا ہے؟

پہلا مسئلہ

قدرت نے مخلوقات کو مختلف جنسوں، اور مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے، اور ہر گروہ کے خاص خاص فرائض، اور خاص خاص وظائف قرار دیے ہیں، ان تمام فرائض کی انجام دہی کے لیے چونکہ ایک ہی قسم کی جسمانی حالت اور دماغی قابلیت کافی نہ تھی، اس لیے جس گروہ کے متعلق جو کام کیا گیا، اسی کے موافق اس کو دماغی اور جسمانی قابلیت عطا کی گئی، فرائض کے اختلاف کے ساتھ ضروریات زندگی کا بھی مختلف ہونا ضروری تھا، اس لیے ہر گروہ کو اسی قسم کے داخلی اور خارجی اعضا دیے گئے، جس

قسم کی ضرورتیں اسکو پیش آتی ہیں، عام حیوانات پر نظر ڈالو! اونٹ کی غذا جنگل کی خاردار گھاس پنچا سیلے
اسکو ویسی ہی زبان اور اسی قسم کے دانت بخشی گئے جو ان تیز و سخت شاخون کو آسان سے چبا سکتے ہیں
اور انکی سختی کے تحمل ہونے کی طاقت رکھتے ہیں، شیر کی غذا دوسرے زندہ حیوان ہیں، اس لئے اس کے
بچے نہایت تیز و سخت، اور ایسے خاردار بنائے گئے، جکا ایک ہی وار بھیڑ اور بکری کی ہلاکت کا باعث
ہو سکتا ہے، انھیں فرائض کی انجام دہی کا مجموعی نام تمدن یا نظام عالم ہے، جب کوئی گروہ اپنے طبعی
فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے، تو فوراً نظام تمدن کی بنیادیں ہلنے لگتی ہیں۔

بیشک انسان فطرتاً آزاد ہے، اور یہ آزادی اس کے ہر ارادی اور غیر ارادی فعل سے ظاہر ہوتی ہے،
لیکن آزادی کو تسلیم کرتے ہوئے، اس امر کو فراموش نہیں کرنا چاہیے، کہ انسان کا اپنے حقیقی فرائض کو ادا کرنا
نظام تمدن کا اصلی عنصر ہے، انسان ان مختلف قوتوں کے مجموعی کا نام ہے، جن میں بعض قوتیں اگر صفات حسنہ
کی طرف آمادہ کرتی ہیں، تو بعض قوتیں برائیوں کے لیے ترغیب دیتی ہیں، اس میں سیکڑوں خواہشیں ہیں
اس قسم کی موجود ہیں جس کے اثرات میں محیط ہو کر عقل و تیز کو کھو بیٹھتا ہے، تعلیم اور سوسائٹی کا خارجی
اثر بناوٹاتان طبعی قوتوں کے اثرات کو قوی اور تیز کر کے اس طرح اس پر تسلط قائم کر لیتا ہے، کہ جمادات
و نباتات کی طرح مجبور محض ہو کر انھیں کے اشاروں پر چلتا، اور انھیں کی تھریک پر ہر کام کے لیے آمادہ ہوتا
ہے، ایسی حالت میں نہ اپنے فرائض یا درہستہ ہیں، نہ دوسرے کے فرائض کی کچھ پروا کرتا ہے، ظاہر ہے
کہ اس تسلط سے نکلنے کے لیے نہ علم و فضل کا کام آسکتا ہے، نہ فلسفہ و عقلیات کی تعلیم کچھ مدد کر سکتی ہے، اس لئے
تمدن اور مذہب نے انسان کی فطری آزادی کو ایک خاص حد تک مقید کر دیا ہے، ہر گروہ کے طبعی فرائض
تشخیص کیے ہیں اور انھیں فرائض کے میدان میں اسے محدود کر دیا ہے، ان فرائض کے کانٹے جس درجہ
تک آزادی حاصل کرنے کا وہ مستحق ہے، اسے بخشی ہے، اور جو آزادی اس کے فرائض میں ناپائیدار ہوتی ہے، اسے
طبعی جرم قرار دیا ہے، اب اس اصول کو ذہن نشین کر کے عورتوں کی حالت پر نظر ڈالو! اور دیکھو کہ ان کے

طبعی فرائض کیا ہے؟ ان فرائض کے محاذ سے وہ کس آزادی کی مستحق ہیں؟ اور کونسی آزادی کا کلمہ
فرائض منسبی سے باز رکھ سکتی ہے؟

فرید جدی نے اس اصول کو اچھی طرح سمجھا ہے، اس نے سب سے پہلے عورتوں کے طبعی فرائض پر
بحث کی ہے، اور نہایت دلنشین عبارت میں ان کی مکمل تصویر پیش کر کے مخالفین سے سوال کیا ہے، کیا عورتوں
کے یہ طبعی فرائض اس امر کے مقتضی ہیں کہ ان کو دنیا کے علمی و تمدنی کشمکش میں شریک کیا جائے، یا اس
امر کے مقتضی ہیں کہ اس دنیا سے ان کو رخصت کر دیا جائے کہ اپنے فرائض کی انجام دہی
میں منہمک رہیں؟

وہ کہتا ہے، کہ

”عورت کو قدرت نے دنیا میں غرض سے موعود کیا ہے، وہ غرض نفع انسانی کی تکثیر، اور اس کی حفاظت
اور تربیت ہے، پس اس حیثیت سے اس کا طبعی وظیفہ یہ ہے کہ اس اہم غرض کے انجام دہی کی چشہ کوشش کرتی رہے، اس
غرض کی انجام دہی کے لیے جن احتیاط اور اعضا میں جس تمام کی ضرورت تھی، قدرت نے اس سے اُسے مہیا کیا ہے۔
+++++ جس طرح مردوں کی طاقت سے یہ بات بالکل اہم ہے، کہ وہ عورت کے طبعی فرائض میں جھد میں
اسی طرح عورت کی طاقت سے یہ امر اہم ہے کہ وہ مردوں کے علمی و تمدنی مشاغل میں شریک ہو۔“

پھر دوسری فصل میں عورتوں کے طبعی وظیفہ پر تفصیلی بحث کی ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے،

”نفع انسانی کی تکثیر اور حفاظت کے لیے (جو عورت کا طبعی وظیفہ ہے) قدرت نے سلسلہ چار دروازے مہیا
کے۔ وضع۔ رضاعت۔ تربیت۔ انہیں سے ہر ایک درکارانہ عورت کی زندگی کا نہایت اہم، اور دشوار زمانہ
ہوتا ہے، اس کی حفاظت، اور صحت کے لیے خاص خاص احتیاطوں، اور علاجوں کی ضرورت پڑتی ہے، جنہیں اگر کسی قسم کی

۱۔ المرأة المسلمة صفحہ (۱۲)

۲۔ المرأة المسلمة صفحہ (۲۲)

کی کیجئے، تو سخت خطرون، اور شدید بیماریوں میں مبتلا ہونے کا خوف ہوتا ہے، عالمان کی کچھ خصوصیت نہیں، جاہل سے جاہل شخص بھی اس امر کو ابھی طرح سمجھ سکتا ہے، بشرطیکہ وہ متاہل، اور صاحبِ لاد ہو، کان چار زمانوں اور مخصوص ابتدائی تین زمانوں میں عورت کی زندگی کو کئی نوعوں کے خطروں کا سامنا ہوتا ہے، کس طرح وہ بعض وقت اپنی زندگی سے بے پروا باقی ہے، اور کس طرح ان مصیبتوں سے محفوظ کلون کے بعد نجات پاتی ہے، علما طب کا بہت بڑا احسان چاروں دوروں کے لوازم احتیاط اور احتیاجات سے متعلق مختلف مباحث سے تعلق رکھتا ہے، قدیم و جدید زمانے کے میکروڈن عالمان اور تجربہ کار ڈاکٹروں نے اپنی عمریں صرف کر کے، اس مسئلہ کی مشکلات اور مضامین پر در کرنے کے لیے کتابیں تصنیف کی ہیں، جس کے مطالعہ سے ان چاروں دوروں کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے، انسان کی جمالت کا اصل سبب انھیں زمانوں کی بے احتیاطی ہے، اور انسانی خوبوں کا حقیقی سرشتیہ بھی انھیں زمانوں کی حفاظت ہے۔

پھر فرد افراد چاروں دوروں پر بحث کی ہے، ورحمل، وضع، رضاعت، اور تربیت کے مشکلات دکھلائے ہیں۔ چنانچہ لکھتا ہے،

”زمانہ حمل جس کی مدت عام طور پر پانچ ماہ قرار دی گئی ہے، عورت کے لیے ایک ایسا نادرک زمانہ ہوتا ہے، جس میں وہ فرائض نسوی کے ادا کرنے کے بھی قابل نہیں ہوتی، اس کی ہر معمولی سے معمولی حرکت کا اثر صرف خود اس کی ذات تک محدود رہتا ہے، بلکہ اس میں وہ نادرک اور ضعیف وجود بھی شامل ہوتا ہے، جسکی حفاظت اور تربیت، قدرت نے اس کے سپرد کی ہے، اس نوہیمنے کے زمانے میں جنین پر مختلف دوطاری ہوتے ہیں، اور ان میں ہر ایک دور کے خاص آثار، اور علامات ہیں، اور ہر علامت کے زمانے میں خاص خاص احتیاطیں اور حفاظتیں ضروری ہیں۔“

زمانہ حمل میں ان کی ہر حالت سے جنین اس قدر متاثر ہوتا ہے، کہ اس کے ضعف و قوت یا زندگی و موت کا دار و مدار محض ان کی احتیاط اور حفاظت پر ہوتا ہے،

اطباء نے جدید و قدیم کا قول ہے، کہ زمانہ حمل میں عورت کو نہایت شدت کے ساتھ اپنے خیالات

مزاج اور انحال کی نگہداشت کرنی چاہیے، ورنہ جس قسم کے حالات اس کو پیش آئیں گے، جنین کی جسمانی اور دماغی حالت بھی اُسی قسم کی ہوگی۔

یورپ کے سیکڑوں بھڑبون نے بھی اس قول کی تصدیق کی ہے، مختلف بچوں کے عادات اور اسرار اور جسمانی قوت کے مبداء کا جب سراغ لگایا، تو زمانہ حمل کے حالات ثابت ہوئے، فرانس میں خواہ صورت والدین کا بچہ جب سیاہ رنگ، اور حبشیوں کی سی صورت پر پیدا ہوا، تو ڈاکٹروں کو اس خصلت پر سخت حیرت ہوئی، تحقیق سے ثابت ہوا، کہ زمانہ حمل میں ماں کی نشہ کے سامنے میز پر ایک حبشی کا ایشیوور باکرنا تھا، جسکی شہادت اور رنگ کا اثر بچہ ہونے کے ذریعہ دماغ میں پہنچا اور ذہن کو اُس طرف غیر معمولی توجہ ہو گئی، اسی کا نتیجہ ہے کہ بچہ کو والدین کی صورت سے کوئی تعلق نہیں، اُسی حبشی کے ذیل ذیل پر پیدا ہوا۔

یہ وضع حمل کا وقت، زمانہ حمل سے زیادہ سخت اور صعب ہوتا ہے، جس میں عورت کی زندگی موت سے نہایت قریب ہو جاتی ہے، وضع کے بعد عورت نہایت سخت بیماری، اور بعضی ضعف میں مبتلا ہو جاتی ہے، جسکا اثر مدت تک اہل نہیں ہوتا، اور صحت کے بعد عورت کی زندگی از سر نو شروع ہوتی ہے، اطباء نے نہایت ضخیم ضخیم کتابیں اس وقت کے قواعد سے اور قوانین احتیاط پر تصنیف کی ہیں، اور وہ علاج بتلائے ہیں، جن سے ان مختلف اقامت کے بخاروں سے حفاظت ہو سکتی ہے، جو بسا اوقات عورت کے لیے باعث موت ہو جاتے ہیں۔

یہ وقت عورت کے لیے جس قدر نازک اور سخت ہے، اس کا ہر متاہل شخص اندازہ کر سکتا ہے، ہر سال دنیا میں ہزاروں جانیں صرف اس لیے ضائع ہو جاتی ہیں، کہ قوانین طبیہ کے مطابق وضع حمل کے موقع پر احتیاط اور حفاظت نہیں کی گئی۔

لہ التوضیح فی اصول البشروح مطبوعہ بیروت۔

”عیسر اور دوا رفلع کا زمانہ ہے، یہ زمانہ اگر چہ بان کے لیے اُس درجہ سخت اور دشوار نہیں ہے جس طرح ابتدائی دودھ ہوتے ہیں، لیکن بچہ کے لیے سب سے زیادہ خطرناک اور غیر معمولی توجہ کا محتاج ہوتا ہے۔ اس زمانے کی حفاظت کے لیے خاص قواعد و قوانین ہیں، جنکی تعمیل میں اگر کسی قسم کی کوتاہی ہوتی ہے، تو بچہ کی جان یا تو خطرے میں پڑ جاتی ہے، یا ہمیشہ کے لیے کوئی جسمانی اور دماغی نقص پیدا ہو جاتا ہے، یا امراض و صحت میں بان کی احتیاط اور قواعد طبی پر عمل، اس سے ضروری ہے، کہ جس قسم کی غذا اس کے استعمال میں آتی ہے، اسی قسم کا اثر بچہ پر مرتب ہوتا ہے، اگر مان گرم غذا کھو، اعتدال اور قند سے سے زیادہ استعمال کرتی ہے، تو اس کا مضر اثر جس طرح خود مان پر پڑتا ہے، اسی طرح بچہ بھی متاثر ہوتا ہے، اکثر دیکھا گیا ہے، کہ بعض بچے نہایت سخت بیماریوں میں ایسے مبتلا ہو جاتے ہیں، کہ یا امراض و صحت میں ان بے احتیاطی سے بعض مولد امراض جیہ دن کا استعمال کر لیتی ہے، ان کا مضر اثر دودھ کے ذریعہ سے بچے تک پہنچتا ہے، اور مختلف امراض کا باعث ہوتا ہے،

علاوہ اس کے بچے کی جسمانی گفتگی، اور دماغی صحت اس امر پر وقوف ہے، کہ یوم ولادت کے آخر یا یام رضاعت تک، غذائیں الباس ہیں، اور صفائی میں کسی قسم کی بے احتیاطی نہ کی جائے، اور ایک مسئلہ بھی بچہ پر ایسا گذرے کہ مان اس کی حالت سے غافل ہو، ہمارے مکتون میں ہزاروں بچے نشوونما پانے سے پہلے اس لیے دنیا سے مسترد کر دیے ہیں، ان کی مائیں ان ضروری قواعد سے ناواقف اور بے خبر ہوتی ہیں۔

چوتھا۔۔۔ زمانہ تربیت ہے، اور حقیقت بہ لحاظ اہمیت کے، اور لحاظ ان اثرات کے، جنہیں انسانی زندگی کی تمام آئندہ خوبیں اور برائیاں میں منحصر ہیں، پہلے تینوں دوروں سے زیادہ نازک اور بہت زیادہ قابل توجہ ہے۔

بوجب عالم غیب سے یکایک دنیا میں عدم رکھتا ہے، تو ایک ایسے آئینہ کی طرح ہوتا ہے، جسکی سطح بالکل صاف ہے اور ہر قسم کے اثرات قبول کرنے پر آمادہ ہوتی ہے، نہ کسی کا عکس اُس میں نظر آتا ہے، اور نہ کسی کی تصویر اس پر نقش ہوتی ہے، ایسی حالت میں جس قسم کا عکس، اس پر ڈالا جاتا ہے، ہمیشہ کے لیے قائم ہو جاتا ہے، اگر خوشنما نقش ڈھکا رہے اس کی سطح مزین کی گئی، تو ہمیشہ کے لیے وہ آئینہ خوبصورت ہو گیا، اگر بے قسمتی سے کسی واقف اور جاہل نے بڑھی بدمعاشی لکیریں کھینچ دیں، تو ہمیشہ کے لیے بدنام ہو گیا، اس کی صفات اور ثغفات سطح، سیاہ و سفید سے محض بے خبر ہوتی ہے، اس لیے اس کو کسی رنگ کے قبول کرنے میں انکار نہیں ہوتا، اور جس صورت کے ہاتھ رت نے اسے سپرد کر دیا ہے، اس کی ہر لہ کے آگے سر تسلیم جھکا دیتی ہے۔

یہی حال اُس نامزدہ وارد مسافر کا ہوتا ہے، جس کے یہ دنیا، اور دنیا کی ہر بات بالکل نئی ہوتی ہے اس کے کان میں طرح فضائل انسانی سے نا آشنا ہوتے ہیں، اسی طرح ذوال انسانی سے بے خبر ہوتے ہیں وہ نہیں جانتا، کہ رحم کیا چیز ہے؟ اور ظلم کس کو کہتے ہیں؟ نہ اُسکو اسکی خبر ہوتی ہے، کہ صبر انسانی خوبوں کا سرچشمہ ہے، اور تعصب تمام بُرائیوں کا مغز ہے، اُس کا سادہ ذہن، آئینہ کی طرح ہر قسم کے نقش ڈھکا سے خالی، مگر ہر اثر کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، ایسی حالت میں اسکی شفیق ماں، اس کی نظری مصوٰرہ ہوتی ہے، جس کی توجہ اور تربیت یا تو اخلاقی محاسن کا نقش اس کے دماغ پر نقش کا بھر کر دیتی ہے، یا تمام ذوال انسانی کا عادی بنا کر، نہ صرف اُس کی، بلکہ سوسائٹی کے ہر فرد کی زندگی ہمیشہ کے لیے تلخ کر دیتی ہے، اسی زمانہ کے وہ اثرات انسان کی طبیعتِ ثانیہ ہو جاتے ہیں، جنکو اعلیٰ تعلیم کا اثر ذائل کر سکتا ہے، نہ ساری عمر کی جہد و کوشش کھو سکتی ہے، قوموں کی ترقی کا بڑا راز تاریخ بتلاتی ہے، کہ قومی افراد کی یہی ابتدائی تربیت ہے، جو انسان اپنی زندگی کے ابتدائی حصہ میں، صرف ماں کی کوشش اور توجہ سے حاصل کر سکتا ہے۔ اس تمام تفصیل کا خلاصہ یہ ہے، کہ عورت کا طبعی وظیفہ نفع انسانی کی تکثیر، اور اسکی حفاظت ہے۔

اوداس بنا پر اس کا اصلی کمال یہ ہے، کہ اس فرض کی انجام دہی کے لیے ہمیشہ کوشش کرتی ہے، کیونکہ قدرت نے ایسے اہم کام اُس کے متعلق کر لیے ہیں جنہیں بشمار دقیقین، اور بے حساب دشواریاں ہیں، اور بغیر پوری مصروفیت اور توجہ کے انجام دینا ممکن نہیں پاسکتے، پس جو شخص عورت کو اُس کے طبعی وظیفہ سے باہر تھم کالے کی ترغیب دیتا ہے، وہ نہ صرف خود قوانین قدرت کا مجرم بنتا ہے، بلکہ ایک بڑے گروہ کو قدرت کے خلاف درزی پر آمادہ کر کے، اپنے جرم میں شریک کرنا چاہتا ہے۔

اس کے بعد آزادی کے ہوا خواہوں کو مخاطب کر کے سوال کیا ہے کہ

”جس گروہ کے قدرت نے ایسے اہم فرائض قرار دیے ہیں، کیا اس میں اتنی صلاحیت ہو، کہ دنیا کے

عام علمی و فنی مشاغل میں شریک ہو؟“

اب سوال یہ ہے، کہ جس گروہ کا طبعی وظیفہ ایسے اہم، اور دشوار مرحلوں کا طمر کرنا ہے، کیا وہ دنیا کے تمدنی کشمکش میں شریک ہو سکتا ہے؟ اور کیا اس قسم کی شرکت اُس کے طبعی وظیفہ میں باہر نہوگی؟ فرض کر دو، کہ ایک عورت علم و تدبیر کے اعلیٰ درجہ تک ترقی کر کے کسی پارلیمنٹ کی ممبر یا کسی سیاسی گروہ کی ایک رکن ہو گئی ہے، لیکن ساتھ ہی تامل اور معاشرت کے طبعی نتائج نے اُس کو دماغی عمل کے صعوبات میں بھی مبتلا کر دیا ہے، تو ایسی حالت میں، وہ اپنی پارٹی کی حمایت، اور سیاسی مناقشات کے فیصلے کی تیار پر غور کرے گی، اور شب و روز اسی فکر میں سرگرم رہے گی، یا اُن تدابیر صحت، اور قوانین احتیاط کا پرعلم ہوگی، جسکی تعمیل میں ذرہ سی کئی اس کی، اور جنہیں کی ہلاکت کا باعث ہو جاتی ہے؟ اس کا قدرتی فرض تو ہے، کہ اس دور کا تمام زمانہ اُن افکار، اور افعال میں گزاریے، جسکا اثر جنہیں کی جسمانی و دماغی سائنس کے مفید ہوا، لیکن سیاسی ضرورتیں ہلکے بھور کرتی ہیں، کہ وہ پریشان کن دماغ، اور نہایت تلخ ذکاوت میں مبتلا ہو کر، سخت بے چینی، اور بے اطمینانی میں یہ دماغ صرف کوشے، تو کیا ایسی حالت میں، جسکی قدرت نے فرض میں غفلت انداز نہوگی، اور کیا اسکی صحت کے لیے مضر نہوگی؟ اس مثال پر کچھ ملاحظہ

نہیں، فرض کرو کہ ایک عورت نے قانونی تعلیم کو بدرجہ کمال حاصل کر کے ایک کامیاب برسرِ شری صورت
 میں خود کو چلک پر ظاہر کیا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اسکی گود میں ایک ننھا سا وجود بھی اسکی توجہ اور
 محبت کے انتظار میں اسکی صورت کو تک پہنچا ہوا، ایسی حالت میں اس کا دل بھر کسی سخت جرم کی
 براہِ منت میں اور اُن قانونی پہلوؤں کی تلاش میں بھروسہ کے ٹوٹنے کے لیے مفید ہوں، مصروف رہنا، اور
 شب بھر سو دن اور حالوں کی جستجو میں، قانون کی ضخیم کتابوں کی ورق گردانی میں منہمک ہونا کہ صبح
 کو مقدمہ کی پیشی ہونے والی ہے، کیا اس کو ایامِ رخصت کے نازک فرائض سے باز نہ رکھے گا؟ اور کیا
 اپنی پوری توجہ، اور قوتِ توجہ کو کثافت کی کامیابی کے لیے صرف کر دینا، اور اسی کی فکر کو پیش میں
 رہنا اسکو بچہ کی نگہداشت، اور تربیت سے غافل ہونے پر مجبور نہیں کرے گا؟ عورت کے طبعی و لطیفہ
 کی ہدایت تو یہ ہے کہ وہ یومِ ولادت سے لیکر آخر ایامِ طفولیت تک بچے کی ہر حرکت اور ہر فعل کی نگہداشت
 کرے، عمدہ خصائل کا اُسے عادی بنائے، بُری عادتوں سے محفوظ رکھے، لیکن اس قیمت بچہ کا کیا
 حال ہوگا؟ جب اسکی "برسرِ شان" عدالت میں فریقِ مخالفت پر جرح کر رہی ہوگی، اور اس کا شیرِ خوار
 بچہ اس کی توجہ، اور تربیت کا منظر چھوٹے میں پڑا ہوگا؟ یا اس بے نصیب بچہ کی صحت، اور زندگی گس
 حالت میں ہوگی، جب وہ صالح، اور مفید و د کا محتاج ہوگا، اور اسکی مدد اور پارلیمنٹ کی ممبران لبرل
 پارٹی کی حمایت کے خیال میں رات دن مستغرق، اور مختلف جدوجہد میں منہمک ہوگی؟ اور ناکامی کے
 افعال و افسوس نے دودھ میں فساد پیدا کر کے، بچے کی طبعی غذا کو اُس کے لیے مضر اور خطرناک بنا دیا
 ہوگا؟ کیا پھر اس قسم کی آرزو ظاہر مثالین اس امر کے سمجھنے کے لیے کافی نہیں ہیں، کہ قدرت نے
 عورت کو مردوں کے مشاغل سے محض الگ رکھا ہے؟ اور اُس کا طبعی و لطیفہ اس قدر مصروفیت طلب
 اور محتاجِ توجہ ہے، کہ عورت کا مردوں کے ساتھ شریک ہونا، بغیر اس کے محال ہے، کہ وہ طبعی و لطیفہ کی دائیں
 سے بے خبر، یا دست بردار ہو جائے، ؟

حقیقت یہ ہے کہ قدرت نے دنیا کے کاموں کے خود ہی دو حصہ کر دیے ہیں، نوع انسانی کی طبیعت اور تکثیر، اور انسانی ضروریات کا انتظام، پہلا کام عورت کے لئے قرار دیا گیا، اس لیے اسکو اسی قسم کے حصہ اور اسی قسم کی جسمانی قوت دی گئی، جو اس فرض کی انجام دہی کے لیے ضروری ہیں، دوسرا کام مرد کے متعلق کیا گیا، اس لیے اسی کے مطابق جسمی اور دماغی قوت عطا کی گئی، ان دونوں گروہوں کا الگ الگ کام دنیا کا مجموعی تمدن قائم رکھتا ہے، اور جب اس اختلاف کے اٹھانے کی کوشش ہوتی ہے تو دنیا کوئی گروہ اپنے فرائض سے باہر قدم نکالتا ہو تو تمدن اور معاشرت کے انتظام میں خلل پڑ کر سیکڑون، قبتیں اور تشکیلات پیدا ہو جاتی ہیں، اس لیے عورت کے طبعی وظیفہ کا اقتضا، اس خیال کا بالکل مخالف ہے، کہ انکو مردوں کے فرائض میں شریک کیا جائے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جہاں جہاں اس خیال کی تائید کی گئی، اور عورتوں کو مردوں کے میدان میں قدم رکھنے کی اجازت دی گئی، وہاں بالکل کامیابی نہیں ہوئی اور معاشرت میں ہزاروں خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ کیونکہ یہ قدرت کا قانون ہے اور کوئی انسانی کوشش اسکی خلاف کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

”بس ہمارا فرض یہ ہونا چاہیے کہ ہم ہمیشہ کوشش کرتے رہیں، کہ عورت اپنے طبعی فرائض کے میدان میں محدود رہے، اور ان فرائض کو قدرت کی ہدایت کے مطابق انجام دے، اور اگر ہم کبھی کہ عورت اپنے طبعی فرائض سے دور پڑے ہو تو اس کو ایک تمدنی مرض سمجھیں، اور اس کے علاج کے لیے جدوجہد کریں، کیونکہ عورت طائفہ کو علوم کے ہزار مرحلے طے کر لے، مگر اپنے طبعی وظیفہ سے غافل ہے تو غیر ممکن ہے کہ وہ علم و فضل اس کے لیے، یا سوسائٹی کے لیے مفید ہو سکے“

ابوالکلام آزاد دہلوی،

دارالعلوم ندوۃ - لکھنؤ

فصل فی انسانی

شمس العلماء مولوی، مدیر احمد، صاحب کی سب ازیر تصنیف ہوا اس میں، جلاوا کے تمام
ابواب، نہایت تفصیل اور سب سے کچھ میں، بعض کے طریقیان نے فقہ کے دیکھ چکے، سائل کو
بھی چسپ بنا دیا ہے، نمونہ کے طور پر، ہم کچھ حصہ نقل کرتے ہیں۔

توحید

دنیا کے اس عظیم الشان، کاخانہ کا ذریعہ، سمندر، دن کا قطرہ، قطروہ، درختوں کا پانی، پناہ کی ہستی، گواہ، ہر جان
من شیء الا یسبح بحمدہ، لیکن لا یفہمونی تسبیحہ، ایسے کہ کوئی چیز بڑی ہو یا چھوٹی، زمین میں ہو یا آسمان میں، خشکی میں ہو
یا تری میں، بالآخر ہو یا بے جان، اس خوبی اور نعمی کے ساتھ کہ اس سے بڑھ کر، اس میں نہیں آتا، آپ نہیں بگنی، غرض کہ کسی بنائے سے بڑی ہو
ہے، اس بنانے والے کی جستجو کی، اور زمین کی آسمان تک چھا کر، تو کسی کھاس لائق نہ پایا، جس کو دیکھا، عاجز، جس کو ٹولا، داندہ، زمین پر
ہم ہی سب میں پیش پیش تھے کہ عقل رکھتے تھے، سو، باوجود خود شناس، اس کو نہ پاسا، نہ دیکھ گئے، ناچار آسمان پر غلطو دہائی چاہی
اور ابراہیم علیہ السلام کا قصہ یاد کر کے خاموش بیٹھ گئے، اور سمجھ کر، جس کی جستجو ہو، وہ چشم سر سے دیکھنے کی چیز نہیں، بنی اسرائیل نے فرعون
چشمی کی طرف غصہ، صاعقہ کی مڑائی، موسیٰ علیہ السلام نے غلبہ شوق میں آکر حوصلہ کیا، آخر موسیٰ صاعقہ سے
بشر مندی اٹھائی، یعنی خدا ہمارے حواس ظاہر کی گرفت سے بالاتر ہے، اور یہ ہمارے حواس کا تصور ہو۔

گر نہ بیند روز شہر چشم
چشمہ اشتاب چہ گناہ
ہاں چشم دل سے دیکھا جائے تو دنیا آئینہ خانہ ہو، اور درو دیوار خدا کے نور سے بے گناہ ہے۔
دل کے آئینہ میں ہو تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی، دیکھ لی۔

قطعہ

دوست نزدیک تراز من، امن ست
وین عجب ترک من از دے دورم

چ کہم با کہ توان گفت ، کہ او در کتب اربعہ میں جو مہم

لمتوجہ

جبل اور یہ سے بھی وہ نزدیک ہے تو کیا

آنکھیں نہیں تو کیا نظر آئے قریب

ہاں ان خیال تو یہ جو کہ آدمی کو شروع ہی سے خدا کے بارے میں غلطی واقع ہوئی ہے، اور اب تک بھی اکثر خدا کے بندے ہی غلطی میں مبتلا ہیں، کہ انھوں نے خدا کو اپنے حواس ظاہر کے ذریعہ سے معلوم کرنا چاہا، اور جب ان کے حواس کا سیلابی نہونی تو میں ماننا خدا فرض کیا **الغرض اللہ ہوا** اور اس کو اپنے ہاتھ پاؤں کا تجربہ، عشق، شہوان، یا اپنے ذلیل سے دلیل اور ہڈیل سے ریزل، مخلوقات کو بھی پورا اور خدا جل جلالہ نے ماننا ختم نہیں کیا، میں کیا پورا تو پورا اور ہوس کے سینے کے اپنے زعم میں خدائی کے اختیار خدا سے چھین کر یہ انھوں نے خود اپنے زیادہ سے لفظوں میں یہ کہہ کر خدا کو منصب خدائی سے معزول کر دیا جس طرح ہر خدا کے بندوں کی ان کی جانب سے گت اختیار اور بے ادبیان کی ہیں اور کہتے ہیں ناگفتہ بہ ہیں کوئی تو اسکی ذات پر حملہ کرتا ہے، کا ایک نہیں، و نہ میں ایک پیدا کرتا ہے، اور دو بنا رہا ہے، ایک خالق خیر ہے، اور دوسرا خالق شر۔ کوئی کہتا ہے کہ میں خدا ہوں۔ اور پھر وہ ایک بھی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ ہر چیز ہے جسے خود خدا ہے کسی کا خیال ہے کہ خدا تو ہے مگر وہ اسباب کا سلسلہ قائم کر کے آپ ان مظاہر دنیا سے دست کش ہو بیٹھا ہے ان کے نزدیک دنیا ایک طرح کی گھڑی ہے، اور خدا گھڑی ساز جس نے اسکو بنا کر رکھ دیا ہے اور گھڑی پر ہی چل رہی ہے، ذات تو ذات، خدا کے صفات میں اس سے بڑھ کر یہودی کی کجائی ہے، عرض بندہ وہی نے اپنے خدا بنا ڈالے، کا ایک خدا کے حصہ میں پورا ایک بندہ بھی نہیں آتا۔ اور یہ نہ سمجھے کہ خدا سے دوسرے کو کوئی اور خدا بھی ہوتا، تو وہ دوسرے میں ایک جگہ لکھے ہوئے کھٹکھا اٹھتے ہیں۔ ایسا تو کیا ہے کہ دوسرا زیادہ خداؤں میں چٹکا ہو۔ اور اختلاف ہو تو دنیا ایک لمحہ نہیں ٹھہر سکتی لو کان فیہما اللہ اکالا اللہ لفسد تا دواہما آپس میں اور تم میں تو ملک کے ملک خاں کیا ہو جاتے ہیں۔

اور خداؤں کی ادائی تو خدا کی بنا۔ پس دنیا کا ایک لمحہ جدا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ تمام عالم میں ایک ہی حکمت ہے۔ اقوام روزگار میں دوسری تو میں خدا کے بارے میں جیسے کچھ خیالات رکھتی ہوں، وہ جانیں اور انھیں

کہ کوئی بڑا خیال مسلمانوں کا ہو کہ ان کے یہاں بڑا ذور و حیدر ہو، مگر علماء انھوں نے مشرکوں کی کوئی ادا نہ چھوڑی جس کی نقل کی ہو
 یہ مہاشا اللہ و قلیل ماہم ہا و من اکثر ہما اللہ کا ذکر ہر شے کو ان اس کو ہر شخص اپنی جگہ سمجھ لے عالم
 ہ کے ساتھ ہر بعد خاتم تکلا عین و ما تخی الصدور۔

مذرت، از پیش سیرود با با سند او مخفی و ان نرود

خدا کے نام میں اسلامی عقیدہ ایسا سیدھا اور صاف ہے، کہ اس کے زیادہ سیدھا اور صاف عقیدہ ہر نہیں سکتا
 حلام مخلوقات خدا کی ذات و صفات کا پتہ دیتا ہے۔ اور یہی وہ رہنمائی ہے جس سے عقل الی مطلوب کہہ سکتے ہیں۔ مخلوقات ہم کہ
 منہی بات کا پتہ چلتا ہے کہ کافر کا عالم کائنات والا، و سنبھالنے والا کوئی ہے، اور وہ کوئی ان چیزوں میں سے نہیں، جن کو
 ہم معلوم کر سکتے ہیں۔ جس سوئے اس کے ہم خدا کی طرف سے ہیں اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اور عقل انسانی کی سائی یہیں تک ہے۔
 اب یہ صفات، تو کافر کا عالم اور اس کے نظام سے یہ بات غائب ہوتی ہے کہ اس کا بنانے والا اور اس کے نظام کا چلانے والا ان
 صفتوں سے مستصفا ہے، یعنی وہ کمالات ہوں، جو اس کے صفاتی ناموں سے ظہر کرتے ہیں۔ خدا کے نام ہی نام ہیں، جو وہ نہ نام
 کہہ کر مشہور ہیں، ان میں ایک نام۔ اللہ۔ ہر ذات ان لیا گیا ہے، اگرچہ جو ہر نے کی شیشی اللہ کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔ مگر آخر اس سے
 اس کے صفاتی نام ہوں، تو کوئی انہی ناموں کا پتہ نہیں دے سکتا، اور وہ اللہ ہی باقی ہے اٹھانوہ نام، وہ کسی کی صفت پر دلالت کرتے
 ہیں، اس کے صفاتی نام کے لیے میں بھی ہر نام بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ خدین بھی خدین بنی ضرور ہیں، پس اس کے زیادہ ہم اس کے صفات
 کی توضیح نہیں کر سکتے مثلاً ہم کہتے ہیں کہ خدا آج بڑی سنا ہے، تو اس کے یہ معنی ہیں، کہ جو علم ہم بنی آدم کو عامہ سمع کے ذریعے سے
 حاصل ہوا ہے، وہ علم علی وجہ الگائے خدا کو بھی ہے، نہ یہ کہ ہماری طرح کے شک کا نہ ہیں، ہمارے سننے کا تو یہ حال ہوگا کہ بے مالاک اور اس کے
 ذریعے سے ہوا میں توجہ پیدا کرتے ہیں، اور وہ توجہ کان کے پرستے کرتا ہے۔ اور ہر کوئی اور کا علم ہر جاتا ہے، خدا اس طرح کا علم تو رکھتا ہے کہ
 وہ بے نیاز کان کا، اور ہر کے توجہ کا محتاج نہیں، اور اسی پر خدا کی سری صفتوں کو قیاس کر لو، صفتیں ہم نے اپنے اوپر قیاس کر
 خدایں مانی ہیں، مگر جو اسے صفات اقدس ہیں، خدا کے کامل اکل۔ جیسے فیسے کی چمک اور آفتاب کی جگہ گاہت۔ مزید
 توضیح کے لیے اسمائے حسنی کے تین نقشے درج کتاب ہوتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الندوہ

نظم لہستہ قرآن و جہرۃ اہل لغۃ مولوی حمید الدین رحیم فیسٹر رستہ الاسلام کراچی

عام قیاس یہ ہے کہ صاحب کمال، کسی حالت میں کتنا نہیں دیکھا، تجربہ اور رائے بھی ایسی کی شہادت دیتے آئے ہیں، لیکن کوئی کلیہ مستثنیٰ اسے خالی نہیں، مولوی حمید الدین رحیم کی ایک عجیب و غریب تصنیف کا اس وقت ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں، اس اشتناکی ایک عمدہ مثال ہیں، مولوی صاحب موصوف نے پہلے قدیم طریقہ کے موافق تعلیم پائی، یعنی درس نظامیہ کے مطابق فارغ التحصیل ہوئے، پھر مولانا فیض الحسن صاحب شائع حمارے جو میرے بھی استاد ہیں، ادب کی تکمیل کی، اسکے بعد انگریزی شروع کی، اور رستہ معلوم میں رہ کر وہی ایسی کی سند حاصل کی، زبان طالب لفظی ہی میں رسید ہوئی کے حکم سے انھوں نے سپر ترمیمی کے متعلق دو کتابیں عربی سے فارسی میں جمع کیں

چند سہ احکام کے انساب و بیات میں شامل ہیں۔ اور چھپکر شائع ہو چکی ہیں۔ اور وہ
نکل کر، اگر کسی کے مدرسۃ الاسلام میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے اور اب تک اسی عہدہ
پر ہیں، ان کا فارسی دیوان چھپکر شائع ہو چکا ہے۔ لارڈ کرزن، جب مواعیل عرب کی
مجموعہ پر لکھتے تھے، تو یہ بھی ساتھ تھے، اور سرداران عرب کے سامنے عربی زبان میں
لارڈ کرزن کی طرف سے جو تقریر پڑھی گئی، وہ انھیں کی لکھی ہوئی تھی، اس قسم
کے واقعات میں سے ایک واقعہ بھی انسان کی شہرت کے لیے کافی ہو سکتا ہے،
لیکن مولوی صاحب اب بھی منام دین، انکی یہی خواہش ہے، اور اگر وہ اس خواہش
میں ہمیشہ کامیاب رہیں، تو ہمارا کوئی ہرج نہیں،

لیکن ان کی جس تصنیف پر ہم ریو کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے متعلق، ہم ان کی خواہش
کی پیروی نہیں کر سکتے، یہ تصنیف (خصوصاً اس زمانہ میں) اسلامی جمہور کے لیے مفید
مفید اور ضروری، جس قدر ایک شہ لب اور موختہ جان کے لیے آبِ لال، اس لیے
ہم اس کتاب پر بغضِ ریو کرنا چاہتے ہیں، افسوس ہے کہ مصنف نے یہ کتاب عربی
زبان میں لکھی ہے، اور اس لیے عام لوگ اس سے متمتع نہیں ہو سکتے، ہم نے ان سے
بار بار کہا کہ اس زمانہ میں جو کچھ لکھنا چاہیے، ملکی زبان میں لکھنا چاہیے، لیکن ان کی
قد مست سچائی، اردو کی طرف ان کو مائل نہیں ہونے دیتی، (اور سچ ہے کہ وہ اردو لکھ بھی
نہیں سکتے) عربی ہونے کی وجہ سے ہم ان کی عبارت کے اصلی اقتباسات نہیں دے سکتے
بلکہ اس کے مطالب پر اکتفا کریں گے۔

نظم قرآن یہ اوصاف نظر آتا ہے کہ قرآن مجید کی اکثر آیات میں کوئی خاص ترتیب

نہیں ہے، ایک ایک میں کسی فقہی حکم کا بیان ہے، اس کے بعد ہی کوئی اخلاقی بات شروع ہو جاتی ہے، پھر
کوئی قصہ چھڑا جاتا ہے۔ ساتھ ہی کافروں سے خطاب شروع ہو جاتا ہے، پھر کوئی اور بات نکل آتی ہے،
غرض یہ کہ عام تصنیفات کا جو طرز ہے، کہ ایک قسم کے مطالب ایک جابجا بیان کیے جائیں، قرآن پاک کا

یہ طرز نہیں۔

۱۰۔ اس کے متعلق قدامت کی مختلف رائیں ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ چونکہ قرآن مجید میں عرب کے خطبات کا انداز ملحوظ ہے، اور ان کے خطبے اسی سبب کے ہوتے تھے، یعنی مختلف مضامین کے بعد ترتیب بیان کرتے تھے، ایسے قرآن پاک میں بھی وہی غرض ملحوظ رکھا ہے۔ اکثر علما کی یہ تسلیم ہے کہ قرآن مجید کی آیتیں مختلف وقتوں میں مختلف ضرورتوں کے پیش آنے پر نازل ہوتی رہیں، ایسے ان میں کوئی ترتیب کیونکر قائم ہو سکتی ہے، مثلاً کسی شخص کی مختلف تقریروں کو جو اس نے مختلف وقتوں میں کیں اگر ایک جگہ طبع کر دیا جائے، تو ان میں ترتیب کیونکر پیدا ہو سکتی ہے؟ یہ رائے بظاہر بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ قرآن مجید بجا بجا ایسا ہے، جسے جیسے نازل ہوا ہے، اور ہر سورہ اور ہر ٹکڑے کا شان نزول مختلف ہے، ایسے ان میں ترتیب کیونکر قائم ہو سکتی ہے، بعض علما نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن مجید کی تمام آیتوں میں ابتدا سے لیکر انتہا تک ترتیب اور تناسب ہے، بقاعی نے اس کے ثبوت میں مستقل تفسیر لکھی ہے، جس کا نام نظم الدرر فی تناسب الآیات و السور رکھا ہے، لیکن اس کے مطالعہ و تفسیر میں نقل کیے ہیں، ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زبردستی تناسب پیدا کیا ہے، اور اس قسم کا تناسب دنیا کی نہایت مختلف بلکہ متناقض چیزوں میں بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

مولوی تمیذ الدین صاحب نے اسی مسئلہ پر یہ کتاب لکھی ہے، وہ اسی اخیر طرے کے مٹی ہیں، یعنی یہ کہ ایک سورہ میں جب قدر آیتیں ہیں، ان میں ضرور کوئی قدر مشترک ہے، اور اس لحاظ سے وہ سب آیتیں باہم مناسب ہیں۔

ان کا دعویٰ ہے کہ جس طرح ہر کتاب کا کوئی خاص موضوع (سبکٹ) ہوتا ہے، اسی طرح ہر سورہ کا ایک خاص موضوع ہے، اور تمام آیتیں بالذات یا بواسطہ اسی موضوع سے متعلق ہوتی ہیں، ان کا عام استدلال یہ ہے کہ اگر ایک سورہ کی آیتوں میں باہم اس قسم کا تناسب نہیں ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ جب کوئی سورہ نازل ہوتی شروع ہوتی تھی، اور مختلف وقتوں میں مختلف آیتیں نازل ہوتی تھیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے تھے کہ ان آیتوں کو اس سورہ میں داخل کرتے جاؤ، پھر ایک تکلف و پیکار آپ فرماتے تھے کہ اب

یہ سورۃ ختم ہو گئی، اور اس کے بعد دوسری آیت شروع ہوتی تھی، اگر یہ آیتیں اُس سورۃ سے کوئی خاص مناسبت نہیں رکھتی تھیں، تو ان آیتوں کو انھیں سورتوں میں داخل کرنے کی کیا ضرورت تھی، بلکہ سورتوں کی تحدید اور تخصیص بھی کیا کرتی تھی، اس سے بڑھ کر یہ کہ روایات سے یہ ثابت ہے، کہ بارہا یہ ہونا تھا کہ دو سورتیں ساتھ ساتھ نازل ہو رہی ہیں، اور جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی، تو آپ فرماتے تھے کہ اس آیت کو ظان سورۃ میں داخل کرو، پھر دوسری آیت نازل ہوتی تھی، تو فرماتے تھے کہ اسکو دوسری سورت میں شامل کرو۔ اگر اُس آیت کو، اُس سورۃ کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں تھی تو جس آیت کو جس سورۃ کے ساتھ چاہتے شامل کر دیتے، اس بنا پر مصنف نے نام سورتوں میں تناسب کا دعویٰ کیا ہے۔ اور نہایت وقت نظر سے ہر جگہ اسکو ثابت کیا ہے۔

کتاب کا اصلی موضوع اسی قدر تھا، لیکن اس بحث ضمن میں، قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کی بحث بھی آگئی، مصنف اُن کتابوں سے واقف تھا، جو قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت پر لکھی گئی ہیں، لیکن اسکو نظر آیا کہ یہ تمام کتابیں نامام ہیں، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت کا جو فن مرتب کیا گیا تھا، وہ خود نامام تھا، اور نام لوگوں نے اسی فن کے موافق قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت ثابت کی تھی۔

اس بنا پر مصنف نے، اصل فن پر توجہ کی، اور اسکو ایک نہایت وسیع پیمانہ پر نئے سرے سے ترتیب دیا، اور فصاحت و بلاغت کے بہت سے جدید اصول قائم کیے، اس طرح ایک اور مستقل کتاب طیار ہو گئی جس کا نام انھوں نے جہرۃ البلاغہ رکھا، اس کتاب کی تہذیب مصنف نے اس طرح شروع کی ہے۔

فن بلاغت

علمائے اسلام نے جب یہ ثابت کرنا چاہا کہ قرآن مجید بلاغت کے لحاظ سے ٹھیک ہی مناسب بات کی ضرورت پیش آئی کہ پہلے بلاغت کے اصول اور قواعد مرتب کر دیے جائیں، اسکا اصلی طریقہ یہ تھا کہ خود کلام عرب کا تتبع کیا جاتا اور بلاغت کی جزئیات کا استقصا کر کے، اسکے اصول اور ضوابط

منقبط کیے جاتے، لیکن جس زمانہ میں یہ کوشش کی گئی، اُس وقت ہم کے علوم و فنون کا اثر مسلمانوں پر غالب آیا تھا، ایسے مسلمانوں نے جس طرح اور علوم و فنون، یونان اور فارس سے اخذ کیے، اس فن کے مسائل بھی انھیں کی تحقیقات کے موافق مرتب کیے، ہم کے نزدیک بلاغت کے اصلی ارکان، تشبہ اور بدیع ہیں، اس لیے علامہ اسلام نے بھی انھیں ہیروں کو متم بالشان قرار دیا، حالانکہ اہل عرب کے نزدیک بدیع ہی ایک لغو چیز ہے، اور تشبہ چند ان قابل اعتنائین۔

علامہ اسلام نے فن شعر اور بلاغت کی بنیاد، ارسطو کی کتاب پر قائم کی، ارسطو، اگر عرب میں پیدا ہوا ہوتا، اور کلام عرب کے تتبع اور استقران کی بنا پر، اس فن کی بنیاد قائم کرتا، تو یقیناً اس مقصد میں کامیاب ہوتا، لیکن وہ یونان میں پیدا ہوا، وہیں تربیت پائی، یونانیوں ہی کا کلام اس کے پیش نظر رہا۔ ایسے شاعر سی اور فن بلاغت کے جو اصول اس نے قائم کیے، یونانی شعر کے کلام سے مستفاد کر کے قائم کیے، یونان میں شعر کا جو بہتر سے بہتر نمونہ سمجھا جاتا تھا، وہ ہومر اور سوفوکلیس کے شاعر تھے، ان دونوں نے شاعری کی بنیاد مصنوعی فنون، اور حکایتوں پر رکھی تھی۔

فنون لطیفہ کی تدوین کا عام قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کا حسن عام طور پر سہل الذہنوں پر نظر آتا ہے، اُس پر نظر ڈالتے ہیں اور اس کے اجزاء کی تحلیل کرتے ہیں، یعنی یہ کہ ایمین کیا کیا باتیں پائی جاتی ہیں، پھر انھیں چیزوں کو خاص قرار دیکر کلیات قائم کر لیتے ہیں۔

یونان میں ہومر اور سوفوکلیس کا کلام، فصاحت و بلاغت میں بڑے نظیر تسلیم کیا جاتا تھا ارسطو نے تحلیل کر کے دیکھا تو ان کا کلام تامر، حکایتیں اور افسانے تھے، اُس نے یہ بھی دیکھا کہ یہ حکایتیں واقعی نہیں ہیں، بلکہ اکثر مصنوعی اور فرضی واقعات ہیں، اس سے اس کو خیال پیدا ہوا کہ کلام کی اصلی خوبی صرف یہ ہے کہ کسی واقعے کی تصویر کھینچی جائے، واقعہ فی نفسہ صحیح ہو، یا نہ ہو، اسے غرض نہیں، ارسطو نے یہ بھی دیکھا کہ جو چیزیں فی نفسہ بصورت اور گیر نظر ہیں، انکی بھی اگر عینہ تصویر کھینچی جائے تو طبیعت کو مزہ آتا ہے، اس سے اس نے یہ فیصلہ کیا کہ واقعہ صحیح ہو یا غلط، لیکن اگر اس طرح ادا کر دیا جائے کہ اسکی تصویر انکھوں میں پھر جائے تو حسن کلام حاصل ہو جائے گا اس خیال کے

اور ذیل سے اور بھی تائید ہوتی ہے:

”انسان میں محاکات کا مادہ تمام اد حیوانات سے زیادہ پایا جاتا ہے، بچہ دہی کام کرتا ہے،
جواورون کو کرتے دیکھتا ہے، اس بنا پر کسی واقعہ کی تصویر کھینچتا، انسان کی اصلی فطرت کا اقتضا ہے
علم فی نفسہ ایک مرغوب چیز ہے، اور کسی واقعہ کا بیان کرنا بھی ایک طرح کا علم ہے، اس
بنا پر واقعہ نگاری مرغوب عام ہے“

ان وجوہ کی بنا پر ارسطو نے مجازین کلام کی تمام تر بنیاد انھیں دو اصولوں پر رکھی اور
ان نے نہایت جو باتیں نظر آئیں، ان کو رد کر دیا، سوفا کلیس پر لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ تنہ
لوگوں کے اخلاق و عادات کی جو تصویر کھینچی وہ اصل کے مطابق نہیں، سوفا کلیس نے کہا کہ
”ہے ہن نے ان کا دیا علیہ بیان کیا جیسا ہونا چاہیے، نہ کہ بیا ان کا ذاتی طریقہ ہے“

سوفا کلیس کا یہ جواب اگرچہ غلط ہے، لیکن ارسطو، اس کو اپنے اصول کے موافق پسند کرتا ہے۔
یونان میں شاعری سے جو کام لیا جاتا تھا، وہ صرف مذاقہ جلسوں کا گرم کرنا ہوتا تھا، شعرا
عموماً مذاقہ مصنفہ ہی قصے نظم کرتے تھے، یہاں تک کہ شاعر سخن ساز اور دروغ باز کے لقب سے پکارا
جاتا تھا، اس بنا پر ارسطو نے یہ اصول قائم کیا کہ شاعری کا اصلی مقصد لطیف نگہبندی ہے، اور اسی بنا پر
اسکی رائے ہے کہ اگر راست گوئی سے یہ مقصد حاصل نہ ہو، تو شاعر کو واقعہ کا گھٹانا یا بڑھانا یا بجا کر

علمائے اسلام نے چونکہ بنیاد فن، ارسطو کے اصول پر قائم کی، ایسے تمام مسائل میں وہی
ارسطو کے خیالات کا اثر پایا جاتا ہے۔ ارسطو نے جھوٹے طلسم باندھنے کو کمال شاعری قرار دیا تھا

علمائے اسلام نے بھی یہ اصول قرار دیا کہ احسن الشعر اکذب یعنی اچھا شعروہ ہے، حسین مادہ
جھوٹ ہے، ارسطو کے نزدیک بلاغت مصوری کا نام ہے ایسے علمائے اسلام کے نزدیک بھی بلاغت

کی اصلی روح دروان تشبیہ و تمثیل ہے، کیونکہ تشبیہ بھی درحقیقت ایک قسم کی مصوری ہے، چنانچہ
عبدالقادر جبر جانی نے اسرار البلاغہ میں لکھا ہے کہ بلاغت کے مہات مسائل، تشبیہ بھی سے متفرع ہیں،

ایک اور امر نے علمائے اسلام کو خیال دلایا کہ بلاغت اور شاعری میں، جھوٹ کو صحیح پر

ترجمہ میں ہے، انھوں نے دیکھا کہ استعارہ تشبیہ سے زیادہ لذت مند اور لطیف ہوتا ہے، مثلاً ان دونوں فقروں میں یہ زید شیر کے مشابہ ہے یہ زید شیر ہے۔

پہلا تشبیہ اور دوسرا استعارہ ہے، اور یہی دوسرا فقرہ زیادہ پر زور اور بلند ہے، اب ان دونوں فقروں کو دیکھا تو نظر آیا کہ پہلا فقرہ واقعیت کا پتہ رکھتا ہے، کیونکہ ایک شجاع شخص، دیرینہ اور بہادری میں شیر کا مشابہ کہا جاسکتا ہے، لیکن دوسرا فقرہ تاثر مبالغہ اور جھوٹ ہے، اس بنا پر یہ سب قائم ہوئی کہ بلاغت اور شاعری میں جو زور، یا لطف پیدا ہوتا ہے، وہ مبالغہ اور جھوٹ سے پیدا ہوتا ہے، ان خیالات نے، تمام مترجمین کو مبالغہ اور کذب سے بھر دیا،

ارسطو کے دونوں مذکورہ بالا اصول، غلط ہیں، ارسطو کا یہ خیال کہ انسان میں محاکات کا مادہ تمام جانوروں سے زیادہ ہے، محض غلط ہے، اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ جانور اور انسان، دونوں میں محاکات کا مادہ ہے، تاہم یہ فرق ہو گا کہ انسان صرف، انسانوں کی محاکات کرتا ہے، بخلاف اس کے ہندو تمام حیوانات اور انسانوں کی محاکات کرتا ہے، آدمی کا بچہ جانور دن کو بھی بولتے دیکھتا ہے، لیکن انکی بولی کی مطلق نقل نہیں کرتا، بخلاف اسکے ہزار داستان، یا مینا، ہر جانور کی بولی بولنے لگتی ہے، آدمی کا بچہ، جو اپنے ماں، باپ بھائی کے اقوال و افعال کی نقل کرتا ہے، وہ اس بنا پر نہیں، کہ اسکی فطرت میں محاکات کی قوت ہے، بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے، تو اس میں تمام خصائص انسانی بالقوہ موجود ہوتے ہیں یہ خصائص نمونہ اور مثال کے دیکھنے سے ابھرتے اور ظہور کرتے ہیں۔ بچہ پیدا ہونے کے ساتھ وہ درجہ پنا شروع کرتا ہے۔ اس نے پہلے کسی کو، وہ دھپیتے نہیں دیکھا تھا، لیکن چونکہ خدا نے اسکی فطرت میں یہ قوت ودلیت رکھی ہے، اس لیے وقتِ عین پر خود بخود اسکا ظہور ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کو جو قوتیں عطا ہوئی ہیں، وقتاً فوقتاً خود ان کا ظہور ہوتا ہے، نمونہ اور مثال سے اس قوت کو صرف ترکیب ہوتی ہے، نہ یہ کہ یہ افعال محاکات کی فطرت کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں۔

محاکات کا لفظ، ارسطو کی تحریک میں بار بار آیا ہے، اس لیے اسکے معنی اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے، محاکات کے معنی کسی چیز کی نقل آواز یا صورت کھینچنا ہے۔

اور سطر کا یہ ظہار بھی غلط ہے کہ بلاغت کا مدار کذب، سخن سازی، و دربا لغز پر ہے، چنانچہ اسکی
تجربہ کے لیے یہ واضح ہوگی۔

اسطر کے قیادت کے رو کرنے کے بعد، صنف نے خود اس سطر پر نہایت تفصیل سے
بحث کی ہے، اس میں جو غلط فہمیاں ہیں، لیکن غلطی سے آواز، یا الجہ، یا راگ، تصور نہیں
ہو سکتی ہیں۔

انسان غلط فہمیاں پیدا کیا ہے، انسان اور دیگر تمام جانوروں میں جو چیز صلی ماہل امتیاز ہے
وہ ہے منطق، منطق میں فصل کہتے ہیں یہی منطق ہے، لیکن منطق سے آواز، یا الجہ، یا راگ، تصور نہیں
ہو سکتی ہیں۔ منطق میں بھی پاسے جاتے ہیں، اور انسان سے بڑھ کر پاسے جاتے ہیں، بلکہ منطق سے
بڑھ کر انسان میں جو خیالات آئین انکا اظہار کر سکے، عقل کا کام، سوچنا اور غور و فکر کرنا ہے، غور و فکر سے
ہونا سال یہ ہونا ہے، عقل جب کہ غور و فکر کرنا چاہتی ہے تو منطق ہی کے ذریعہ سے کر سکتی ہے، اس لیے منطق ہی
عقل کا آلہ ہے۔

اسطر کی پہلی غلطی یہ ہے کہ وہ انسان کی اصلی فضیلت، اور اس کا اصلی خاصہ محاکات قرار دیتا ہے
حالانکہ یہ خاصہ محاکات نہیں، بلکہ منطق ہے، محاکات بھی منطق ہی کا ایک نتیجہ ہے، انسان میں قوت منطق
نہ ہوتی تو محاکات بھی نہ ہوتی۔

منطق کا کمال و چیزوں پر منحصر ہے، خیالات اور مطالب صحت اور خوبی سے ادا کیے جائیں جو منطق
ادا کیے جائیں، خود بھی عمدہ اور صحیح ہوں،

اسطر، اور پروان اسطر کے نزدیک دوسری شرط ضروری نہیں، ان کے نزدیک منطق
کا کام صرف یہ ہے کہ وہ مضمون کو بعینہ ادا کرے، مضمون فی نفسہ برا ہو یا بھلا، اس سے غرض نہیں اور جو غرض
نقد اشعرین لکھتا ہے کہ

.. اگر کسی شعر میں کوئی بیہودہ اور لغو مطلب ادا کیا گیا ہو، تو اس شعر کی خوبی پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے
شعر کی خوبی کے لیے اس قدر کافی ہے کہ جو مضمون ادا کیا گیا، اس خوبی اور لطافت سے ادا کیا گیا،

لیکن یہ خیال تاثر خطا ہے اور چونکہ یہ ایک اہم بحث ہے اس لیے اس کو ہم کسی قدر تفصیل سے بیان کرتے ہیں،
پہلے یہ کہ نطق صرف آواز اور صورت کا نام نہیں بلکہ دو چیزوں کا مجموعہ کا نام ہے، آواز اور معنی۔ اور جب کہ
دونوں میں حسن نہ پایا جائے، نطق کا کمال نہیں ہو سکتا، خوش چشم آدمی اگر ایک آنکھ کا کاٹرا ہو تو
حسین نہیں کہا جاسکتا،

حسن کلام کی بھی یہی حالت ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک عمدہ اور پر اثر مضمون، نحو و صرف کی معمولی
پابندیوں میں مقید رکھ کر ادائیں ہو سکتا، اس حالت میں، الفاظ مضمون کا حجاب بن جاتے ہیں، اور اس حجب
سے مضمون اس حجاب کو چاک کر کے دل میں اترتا ہے، اسکی یہ مثال ہے کہ کوئی بادشاہ ضرور سکے وقت، آداب
سلطنت چھوڑ کر خود مغیر بن کر جائے، اور اپنا پیغام خود پہنچائے، اس بیان سے ثابت ہوا کہ حسن کلام، الفاظ
کا پابند نہیں، بلکہ بلوغ، دراصل مضمون ہوتا ہے، نہ الفاظ لغت میں بلوغ کے معنی "پر پختہ ہونے" کے ہیں
اور جو چیز دل میں پونجی ہے، وہ دراصل معانی ہیں، نہ الفاظ،

اس تمیذ کے بعد اس بات پر لحاظ کر دو کہ جب کوئی مضمون فی نفسہ بیہودہ اور لغو ہوتا ہے تو گو کہ یہ
خبیث اور شستہ الفاظ میں ادا کیا جائے، دل میں جگہ نہیں کرنا بلکہ اچٹ جاتا ہے، ممکن ہے کہ اس قسم
کے مضمون سے کسی احمق اور بزدل کو مزہ آئے لیکن کلام کی حسن خوبی کا فیصلہ، احمقوں کے مذاق کے
دور سے نہیں ہو سکتا، غرض ان اسباب سے کلام میں جب تک مضمون اور معنی کی خوبی نہ ہو، دل میں
نہیں اتر سکتا اور اس بنا پر اسکو بلوغ بھی نہیں کہہ سکتے، یہی وجہ ہے کہ شعر عرب کلام کی تعریف حسن مضمون
کے الفاظ سے کرتے ہیں،

زمیر بن ابی سلمیٰ کہتا ہے۔

وَذِي نَعْمَةٍ تَمَّتْ مَتَمَّاتُهَا	وَصَحِيحٌ يَكَادُ الْحَقُّ يُغْلِبُ بَاطِلَهُ
تَقَعَتْ بِمَعْرِفٍ مِنَ الْقَوْلِ صَائِبُ	إِذَا مَا امْتَلَأَ النَّاطِقِينَ مَفَاصِلُهُ
وَذِي هَظْلٍ فِي الْقَوْلِ بِحَسَنَاتِهِ	مُصَيِّبٌ فَإِلَيْهِمْ بِهِ فَوْقَاتُهُ
عَبَاتُ لَهُ حَلَمًا وَإِكْرَامُ غَيْرِهِ	وَاعْرِضَتْ عَنْهُ وَهْوَ بَادٍ مَقَاتِلُهُ

قرآن مجید میں جو ان بیخ کا لفظ آیا ہو، اسی معنی میں آیا ہو، مثلاً قل الحمد للہم قوتاً
بلیغاً۔ یعنی محمد! ان لوگوں سے ایسی بات کہ جو بلیغ ہو، یعنی ان کے دل میں اتر جائے، اسی طرح
اس آیت میں بھی واللہ المجدہ البالغۃ یہی معنی مراد ہیں، حامل یہ کہ جو مضمون، جس قدر زیادہ دلچسپ
اور پذیر ہوگا اسی قدر زیادہ بلیغ ہوگا۔

ایک اور واضح مثال یہ کہ ذہن نشین ہو سکتا ہو، فرض کرو، ایک شخص کسی آدمی کو گالیوں کا دھڑا کر
اور گالیوں میں ہر قسم کی خن آرائی، لفاظی، بدت پسندی، استعارہ بندی صرف کرتا ہو، الفاظ بھی نہایت
مستند، با محاورہ، اور فصیح ہیں، تو کیا تم اس شخص کو فصیح و بلیغ کہو گے!!

اس تمام تقریر سے امور ذیل ثابت ہوئے، کلام کی خوبی، صرف محاکات کا نام نہیں، کلام کی غرض
و غایت صرف، سامعین کو محفوظ کرنا نہیں، بلکہ عقل کی سفارت اور پیغامبری ہو۔ کلام سے جلدت حاصل ہوتی
ہو وہ ایسے نہیں، کلام ایک قسم کی محاکات ہے، اور محاکات، انسان کی فطرت میں داخل ہے، بلکہ اس وجہ سے
ہو کہ لفظ ایک قوت ہے، اور ہر قوت کے استعمال میں انسان کو خواہ مخواہ مزہ آتا ہو، انسان کا اصلی خاصہ محاشا
نہیں بلکہ لفظ ہے۔ کلام کی خوبی، سچائی پر موقوف ہے۔

ان مقدمات سے معلوم ہو گا کہ بلاغت جس چیز کا نام ہے، وہ عقل کی دست و بازو، انسانیت کا
عنصر و راستی کی مترجم، اور فکر کا آج ہے، وہ اس رتبہ کی چیز ہے، کہ ایک پیغمبرِ اولوالعزم کا سچوہ قرار پائے،
اسی کا اثر تھا کہ قرآن مجید کے اعجاز نے اعجازِ موسوی کو بے حقیقت کر دیا۔ عصابِ موسوی کا سچوہ، یہودیوں
یا قبطیوں کو غلامی کی حد سے آگے نہ بڑھا سکا۔ لیکن اعجازِ قرآنی نے لوگوں کو حنیفِ خاک سے اٹھا کر
آسمان تک پہنچا دیا۔ !!

لیکن اگر بلاغت کی وہ حقیقت ہر جوارِ سطوہ نے بیان کی تو نفوذِ باہر، وہ کسی پیغمبر کا معجزہ کیا قرار پاسکتی ہو
بلاغت کی ماہیت اور حقیقت بیان کرنے کے بعد اب ہم اسکے اصول اور آئین مرتب کرنا
چاہتے ہیں لیکن چونکہ بلاغت کا بہت بڑا منظر، شاعری اور خطبہ پر درازی ہے، ایسے پہلے جہان و نون کی
حقیقت سے بحث کرتے ہیں۔

شاعری اور خطابت اگرچہ بلاغت کی حیثیت سے برابر کے شریک ہیں، تاہم ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، شاعری کی حقیقت خود شاعری کی لفظ سے اچھی طرح سمجھ میں آ سکتی ہے، اہل عرب چونکہ شاعری کی حقیقت کو خوب سمجھتے تھے، اس لیے انھوں نے اس کا نام بھی ایسا رکھا جو خود شعر کی حقیقت پر دلالت کرتا ہو، شاعر کے لفظی معنی صاحب شعور کے ہیں، شعور، احساس (فلنگ) کو کہتے ہیں، یعنی شاعر وہ شخص ہے جس کا احساس قوی ہو، انسان پر خاص خاص حالتیں طاری ہوتی ہیں۔ مثلاً، رونا، ہنسنا، انگریزی لینا یہ حالتیں جب انسان پر غالب ہوتی ہیں تو اس سے خاص خاص حرکات صادر ہوتے ہیں، مثلاً رونے کی حالت میں آنسو جاری ہوتے ہیں، ہنسنے کے وقت، ایک خاص آواز پیدا ہوتی ہے۔ انگریزی کی حالت میں، اعضا تن جلتے ہیں، اسی طرح شعر بھی ایک خاص احساس کا نام ہے، شاعر کی طبیعت پر ریج، یا خوشی یا غصہ، یا استعجاب کے طاری ہوتے ہیں، ایک خاص اثر پڑتا ہے، یہ اثر الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے، اسی کا نام شاعری ہے، شاعر کا احساس، آدروں کے احساس سے قوی ہوتا ہے، لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ اس کا آدروں کی بہ نسبت، زیادہ ریج، یا زیادہ خوشی ہوتی ہے، بلکہ اسکے یہ معنی ہیں کہ احساس کے وقت اس کی تمام قوتیں جوش میں آجاتی ہیں، احساس اس کی قوت متخیلہ کو، لفظ کو آواز کو، سب کو ایک باہر کی مشعل کر دیتا ہے، شاعر کو یا فوید میدہ سبز ہے، کہ جب اسپر پانی پڑتا ہے تو رگ رگ میں سرایت کر جاتا ہے اور وہ لہلہانے لگتا ہے،

خطیب (لکچرار) کا احساس بھی شاعر کے احساس سے کم نہیں ہوتا، لیکن خطیب اس احساس سے مغلوب نہیں ہوتا۔ اس کی غرض، دوسروں پر اثر ڈالنا ہوتا ہے، وہ اپنے احساس کو قابو میں رکھ سکتا ہے اور اس سے اسی حد تک اور اسی ترتیب اور مناسبت سے کام لیتا ہے، جہاں تک آدروں کے متاثر کرنے میں کام آئے، شاعر کو صرف موجودہ حالت سے کام ہوتا ہے، لیکن خطیب یہ بھی دیکھتا ہے کہ آئندہ کیا ہوگا، اس بنا پر خطیب، شاعر کی نسبت زیادہ قائل، زیادہ ذکی النفس، زیادہ حالی منزلت ہوتا ہے اور اسی بنا پر اہل عرب شعر کو جادو گری، اور خطبہ کو حکمت کہتے ہیں۔

عام لوگوں کا خیال ہے کہ شاعری کا اصلی عنصر شہادت اور استعارات ہیں، چنانچہ دھرم پوری کے

معاظنا اس بنا پر ایک قسم کی شاعری سمجھتے ہیں کہ وہ تشبیہات سے مدد ہیں، لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے، شاعر
 ان میں قصور صحت یہ کہ وہ نہایت سلیقہ الافعال، اور موسیقی الطبع ہوتا ہے، جب اس پر کوئی خاص اثر طاری
 ہوتا ہے تو نغمہ، وزن، رقص، کی توہین جو اس میں فطری ہوتی ہیں دفعۃً ہر ایک میں بجاتی ہیں،
 حضرت اود پر جب مذکورہ احکامات کا اثر غالب آتا تھا تو بے ساختہ وہ وجد میں آکر رقص کرنے
 لگتے تھے۔ ان کا کلام جیسے رہی، ستر یا شعر ہی، جو ان کے پُر جو ش ل سے بے ساختہ نکلتا تھا، اسی بنا پر
 ان کے اشعار کو مزامیر کہتے ہیں، بخلاف ان کے حضرت عیسیٰ پر شاعرانہ احساس غالب تھا اس لیے ان کے
 کلام میں شاعری کی بجائے حکمت اور طغیہ ہوتا تھا،

ارسطو نے اس بحث میں بھی سخت غلطی کی ہے، وہ کہتا ہے کہ شاعری کے جذبہ کے وقت، انسان
 جو گانے یا ناپنے لگتا ہے اسکی وجہ یہ ہے، کہ نغمہ اور رقص ایک قسم کی محاکات ہے۔ یعنی انسان کے دل میں
 جو جذبات پیدا ہوتے ہیں آواز، اور حرکات کے ذریعہ سے وہ ان کی تصویر کھینچتا ہے، چنانچہ رقص چمکے گا
 میں، حرکات رقص کے ذریعہ سے اسکو بتاتے بھی جاتے ہیں۔

لیکن یہ خیال غلط ہے، اصل حقیقت یہ ہے کہ جذبات انسانی مثلاً رنج، خوشی، خوف، تعجب، شوق،
 نفرت، یہ چیزیں، انسان کے دل میں ایک نہایت پُر زور حرکت پیدا کر دیتی ہیں، یہی حرکت، آواز، یا راگ
 یا رقص، یا رتب، بن جاتی ہے، مثلاً انسان جب ہنسی آتی ہے، تو دل میں ایک قسم کی حرکت پیدا ہوتی ہے
 یہی حرکت، ہنسی بن جاتی ہے، اور چونکہ یہ آثار حرکت نفسانی کے مشابہ ہوتے ہیں، اس لیے وہ حرکات
 نفسانی پر اسی طرح دلالت کرتے ہیں جس طرح، الفاظ، بمعانی پر دلالت کرتے ہیں،

غرض، جس طرح نطق، ایک فطری چیز ہے، اسی طرح یہ اشارات و حرکات بھی فطری ہیں جو بے مقصد
 سرزد ہوتے ہیں، وہ محاکات کی غرض سے نہیں کیے جاتے، گو یہ ممکن ہے کہ محاکات کا مقصد، اس سے
 حاصل ہو جائے۔

اس موقع پر پوچھنا ایک اور عام غلطی کا رفع کرنا بھی ضرور ہے، اکثر لوگ، شعراء و شاعرین کو ایک
 سمجھتے ہیں چنانچہ قد امین، ارسطو، اور متاخرین میں جان مل جائیسی مذہب ہے، ارسطو کا خیال ہے کہ

یہ محاکات کے مختلف طریقے ہیں اور خود کلام جو محاکات کا ایک خاص طریقہ ہے، اس میں محاکات کے تین قریب پائے جاتے ہیں، وزن، الفاظ، نغمہ۔ یہ چیزیں تنہا، اور کبھی مل کر، وارا دار یا قلبی کی تصویر کھینچتی ہیں۔ یہی محاکات شعری، یہ محاکات، کبھی صرف الفاظ کے ذریعہ سے ہوتی ہے جس طرح سقراط کا یہ کلام اور کبھی الفاظ اور نظم، دو وزن کے ذریعہ سے، وزن، شعر کے لیے کوئی ضروری چیز نہیں، لیکن عام لوگوں نے اسکو شاعری کا ضروری جز قرار دیا ہے۔

اگر سقراط کا خیال اس حد تک صحیح ہے کہ وزن پر شعر کا دار نہیں، لیکن اسکو مٹھ نہیں، کہ وزن شعر کے اجزائیں داخل نہیں، وزن شعر کا جز ہے، لیکن چونکہ کل کے لیے محض ایک جز کافی نہیں ہوتا، ایسے تنہا وزن سے شعر نہیں بن سکتا، لیکن اگر سقراط کی یہ غلطی ہے کہ وہ سقراط کے مکالمہ، اور ہومر کے کلام دو وزن کو شعر قرار دیتا ہے۔

جان مل کی رائے اس حد تک صحیح ہے کہ شاعری جذبات کا ظہار کا نام ہے، اور یہ کہ شاعر، دوسروں کو نہیں، بلکہ صرف اپنے آپ کو مخاطب کرتا ہے، اس تشریح سے جان مل نے شاعر کو خطیب سے لگ کر دیا، اور اس بنا پر وہ سقراط کے مکالمہ کو شاعری نہیں کہتا، لیکن جان مل نے بھی غلطی کی کہ وہ وزن کو شعر کا کوئی ضروری جز نہیں قرار دیتا۔

اب دوبارہ غور کرو کہ شعر کس چیز کا نام ہے، انسان پر جب کوئی جذبہ طاری ہوتا ہے تو کسی نہ کسی ذریعہ سے ظاہر ہونا چاہتا ہے اور چونکہ انسان کی تمام قوتوں میں سے نطق سب سے زیادہ قوی اور وسیع مخصوص قوت ہے، ایسے یہ جذبہ نطق ہی کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے، جس طرح کہ حیوانات کی جذبات مختلف قسم کی آوازوں سے ظاہر ہوتے ہیں، مثلاً شیر کا ہمہ، طاؤس کی جھنجھار، کویل کی کوک، وغیرہ۔ بعض وقت یہ جذبہ، موزوں حرکات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، مثلاً طاؤس، اور کبوتر کا رقص یا راگ سننے کے وقت سانپ کا لہرانا، قدرتی جن اشخاص کو نطق، اور نطق کے ساتھ نغمہ کی بھی قوت دی ہے، اس سے جذبات کی حالت میں شعراء اہم ہوتے ہیں، اور ساتھ ہی وہ غصہ بے بھی لگتا ہے، اور جب جذبہ زیادہ قوی ہوتا ہے تو رقص کے حرکات بھی سرزد ہونے لگتے ہیں، اس بنا پر شعر وزن نغمہ، اور رقص کی

بھوکھا نام ہو لیکن چونکہ یہ چیزیں جذبات کے کمال شدت کے وقت پیدا ہوتی ہیں، اس لیے ہر شخص ان چیزوں کا پایا یا نا ضروری نہیں، تاہم کوئی شعور نغمہ اور راگ سے بالکل خالی نہیں ہو سکتا خود وزن کو خیر کا ایک ضروری جز ہر رنگ کی ایک قسم ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل عرب ہمیشہ شعر کو گار شیعہ تھے اور یہی وجہ ہے کہ شعر شیعہ کو اہل عرب "انشاء" کہتے ہیں جس کے معنی گانے کے ہیں، اب تم نے سمجھا ہو گا کہ شعر کو وزن سے نغمہ سے، رقص سے کیا تعلق ہے، درحقیقت یہ سب ایک ہی مخرج سے نکلے ہیں، البتہ وزن کو خیر سے نسبت نغمہ اور رقص کے زیادہ قوی تعلق ہے اور اسی وجہ سے ہمیشہ لوگ وزن اور شعر کو ایک چیز سمجھتے آئے ہیں۔

اس بحث کے بعد مصنف نے بلاغت کے اصول، اور قواعد اور جزئیات بیان کیے ہیں، اسکو ہم آئندہ پرچہ کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔

شبلی نعمانی۔ اذکار العلوم مندوہ، گھنہ۔

المرأة المسلمة

نمبر (۲)

عورتوں کی آزادی کے متعلق پہلا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ

دورانِ غارتگری آزاد ہو، پھر وہ کونسا معیار ہے جس کی بنا پر عورتیں اس آزادی سے محروم رکھی جاتی ہیں،

اس اعتراض میں یہ امر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ عورتیں آزادی سے محروم ہیں، لیکن جب سوال کیا جاتا ہے

تو جواب میں دو دلیلیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) عورتوں کو تسلیم نہیں کیا جاتا، دنیا کے تمام تمدنی اور سیاسی مفائل میں شریک نہیں کیا جاتا۔

(۲) اگر پردہ میں مقید رکھا جائے جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ مردوں کی طرح آزاد نہیں ہیں

قاسم امین بک نے بھی انھیں دو دلیلوں پر زور دیا ہے اور مختلف اوقات پیش کر کے ثابت کیا ہے

کہ پردہ میں عورتوں کو مقید رکھنا، اور مردوں کی طرح عام تمدنی مشاغل میں شریک نہ ہونا، عورتوں کی غلامی اور فحش آزادی سے عروسی کا بین ثبوت ہے۔

فرید وجدی نے اس کے جواب میں دو راز کار بختون سے چشم پوشی کو کے صرف حمد تون کا

طبعی وظیفہ پیش کر دیا ہے، جس کو تم پہلے حصے میں چڑھ آئے ہو، اس پر ایک نظر ڈالو، اور غور کرو، کیا اس

بہتر جواب ممکن ہے؟ پہلی دلیل کا جواب ظاہر ہے، کہ جس گروہ کے طبعی فرائض ایسے اہم اور دشوار ہوں،

کیا وہ مردوں کی طرح عام تعلیم حاصل کر کے دنیا کی تمدنی اور سیاسی کشمکش میں شریک ہو سکتا ہے؟ عورتوں

کو مردوں کے جبر نے ان مشاغل سے دور نہیں رکھا بلکہ خود فطرت نے مردوں کی دنیا سے عورتوں کو

الگ کر دیا ہے، اس لیے اعتراض قدرت پر ہونا چاہیے، نہ کہ مردوں پر۔

پروہ کی بحث مستقل عنوان سے آگے آئے گی، لیکن عورتوں کے طبعی وظیفہ پر نظر کرتے ہوئے

کیا اس امر کے تسلیم کرنے میں کسی کو حذر ہو سکتا ہے، کہ مردوں کی نسبت عورتوں کو کسی قدر تقید میں رہنا چاہیے

تھوڑے ہر گروہ کے فرائض مقرر کر دیے ہیں، اور اقتضائے فرائض کے لحاظ سے ایک خاص حد تک مقید

بھی کر دیا ہے، نہ ہب اور تمدن کا دنیا میں یہی کام ہے، اس بنا پر اگر عورتوں کی آزادی کو کسی معتدل حد تک

تہ کیا جائے، تو طبعی فرائض کی انجام دہی میں سخت خرابیاں پیدا ہو جائیں، عورتوں اور مردوں میں صرف

اختلاف صورت ہی نہیں ہے، بلکہ طبیعت، ذہن، اثر اور فرائض کے لحاظ سے بالکل مختلف گروہ ہیں، اس

ان دونوں کے میدان عمل کو الگ الگ کر کے پردہ کو بیچ میں حدفاصل قرار دیا گیا، تاکہ ہر گروہ اپنے میدان

عمل میں محدود رہے، اس حدفاصل کے اٹھانے کی جب کوشش کی جاتی ہے، تو تمدن و معاشرت کی بنیادوں

میں حرکت پیدا ہو کر دنیا کو خبردار کر دیتی ہے، کہ عنقریب عمارت گرنے والی ہے، اس امر کے ثبوت کے لیے کسی

دلیل کی ضرورت نہیں، نہ یورپ، نہ موجودہ حالت کافی ہے۔

لے دیکھو تحریر المیزان اور المیزان المجدید

ماسم این بکے آزادی کی تعلیم ان جلون میں کی ہو۔

کمزوری سے ہماری طرف سے ہو، اگر نہ ہب اور تمدن نے جو حدود قائم کر دیے ہیں،

ان سے واقف نہ ہونے کے بعد انسان اپنے خیالات، اعمال، اور ادا سے میں

مستقل بالذات ہو۔

جب نہ ہب اور تمدن کی قید ضروری اور مسلم ہو، تو ناچار میں اس امر کا فیصلہ آسانی کے ساتھ کر سکتے ہیں

کہ کیا عورتوں کا جسمی، ذہنی، نفسی اس امر کا تقاضا ہے، کہ انکو مردوں کے تمدنی اور سیاسی مشاغل میں شریک کیا جائے؟

اور کیا نہ ہب اور تمدن کے مصالح، اعتقادات، ذرائع کے لحاظ سے عورتوں کو ایک خاص حد تک عقیدہ رکھنا ضروری نہیں لگتا؟

یورپ کے مشہور مصنفوں کے جواوالت دوسرے مسئلوں کی بحث میں درج کیے جائیں گے، انکے دیکھنے کے بعد

تم خود اندازہ کر لو گے، کہ یہ صرف فرید و جدی ہی کی تہارے نہیں بلکہ یورپ کے تمام جدیدہ مصنفین اس

مسئلہ میں اس کے ہم زبان ہیں، انکی متفقہ آواز یکا یکا کر رہی ہے، کہ

دعوتوں کا طبعی، ذہنی، نوع انسان کی حفاظت اور تربیت ہے، اس دائرے سے عورت جب تہم باہر نکلتی ہے

تو شائستہ عورت نہیں رہتی، بلکہ عورت اور فرد کے علاوہ ایک غیر جملہ کا نمونہ بن جاتی ہے،

وہ یورپ کی عورتوں کو، عورت، تسلیم کرنے میں سخت تاثر ظاہر کرتے ہیں، اور آزادی، اور آزادی

کی خواہش کو ایک خاص خط، اور نرمی و حش قرار دیتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ

(الف) عورتوں کو تعلیم دی ہی نہیں گئی، اس لیے کہنا بھی صحیح نہیں، کہ انہیں علمی ترقی کی صلاحیت نہیں،

(ب) آج یورپ کی جدید تاریخی تحقیقات، اور علم فزائوجی نے ثابت کر دیا ہے، کہ مرد اور عورت جراثیمیک باہر ہیں

ماسم این بکے المرأة المجدیہ میں جا سجا اس امر پر زور دیا ہے،

کہ یہ روپے غفلت کے اس تہم پرے کو اپنی علمی تحقیقات سے چاک کر دیا ہے، جسے اس وقت تک جو عورتوں کی

اصل حالت کو پوشیدہ رکھا تھا، علم تشریح، اور فزیالوجی کی تحقیقات ثابت کر دیا ہے، کہ مرد و عورتوں میں کئی قسم کا جنسانی
یا دماغی فرق نہیں ہے، اور جو علمی کام ایک مرد کے قواسم ذہنی انجام دے سکتے ہیں، بعینہ اُسی طرح ایک عورت بھی انجام
دے سکتی ہے۔“

صرف قاسم امین ایک ہی کام یہ دعویٰ نہیں ہے، بلکہ عام طور پر جب آزادی نسوان کی بحث پیش ہوتی ہے تو
فریق مخالفت کی طرف سے عموماً یہ دعویٰ پُر زور نقطوں میں پیش کیا جاتا ہے، اس لیے فرید وجدی کا ایک
اہم فرض یہ بھی تھا، کہ اس دعوے کی صداقت یا عدم صداقت کا فیصلہ کر دے۔

قاسم امین بکثرت اس دعوے کے ثبوت میں صحت میں قول پیش کیے ہیں چنانچہ وہ لکھتا ہے۔
”یہ رد فیسرحیک اور بت علم فزیالوجی کا ایک مشہور عالم لکھتا ہے، کہ

”بعض ان آثار و نتائج کی بنیاد پر اس وقت تک عورتوں سے صادر ہونے ہیں، انکی طبیعت کے متعلق کوئی قطعی اور
یقینی بات قائم نہیں کی جاسکتی، اگر عورت بھی اپنی فطری آزادی سے اُسی طرح شفع ہو، جس طرح مرد اپنی آزادی کے مالک ہیں
اور عورت کو بھی اپنے عقل و شعور کی ترقی کے لیے اتنی مدت دی جائے، جتنی مدت مردوں نے اپنی عقلی نشوونما کے لیے ضرر
کی ہے، تو اُس وقت بیشک کسی قسم کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔“

پروفیسر فریش لو لکھتا ہے، کہ

”ہم نے ایک عرصہ تک علم ریاضی، اخلاق اور فلسفہ کی تعلیم دی ہے، میرے شاگردوں میں ایک بڑی تعداد

عورتوں کی بھی تھی، مگر مجھے ہمیشہ جی ثابت ہوا، کہ مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں،“

ایک اور عالم نے تجار و جوفز الوجبی کا پروفیسر، اور اٹلی کی اکاڈمی کا ممبر ہے، اپنی کتاب ”عورتوں

کی فزیالوجی“ میں لکھتا ہے، کہ

”اس مضمون میں بار بار یورپین مصنفوں کے نام آئیں گے، اور ان کا لہجہ اور لفظ متغیر ہوگا، لیکن ہم مجبور ہیں

فرق، اور جرمنی وغیرہ ناموں کی تصحیح آسانی سے نہیں ہو سکتی، اور نہ ایک معمولی مضمون کے لیے تصحیح میں غیر معمولی تیار

کیا جاسکتا ہے، عربی خود پرچہ مدد کر جو صورت ناموں نے اختیار کر لی ہے بغیر کسی تغیر و تبدل کے ہم درج کر دیتے ہیں، اصلی

معرض نفس طلب ہے، اور اُس پمپس کی اس ضخیم غلطی کا کوئی اثر نہیں پڑتا ۱۲

۲۰۲۰ء + نشری تحقیقات کی دوسری عورت اور مومین کوئی فرق نہیں ہے۔

پھر ان اقوال کی بنا پر :- دعویٰ کیا ہو کہ

مد علم فرمایا وہی ایک کب اہتمام حیوانی کے رہنما اور اعظمت علما، جنہاں ہر ایک نگاہ و عورتوں کی مسائل پر لکھتے ہیں، اس امر پر یقین ہیں کہ قدرت تمام فوائد تعلیم میں مرد کے برابر درجہ رکھتی ہے۔

ان اقوال کو دیکھ کر ہر شخص یہی سنے قائم کرے گا، کہ یورپ کے شاہیر علامہ رون کو مردوں کے کسی بات میں کم نہیں سمجھتے، اور تو اسے عقلیہ کے طاغوت و وزن کو ایک درجہ میں رکھتے ہیں، مگر حقیقت یہی وہ دعو کا ہے، جس میں ہندوستان کی نام نہی جماعت مبتلا ہے، اور جسکی وجہ محض کوتاہ نظری، اور معلومات کی کمی ہے، فرید و جدی نے ثابت کیا ہے، کہ ان اقوال کے مقابلہ میں یورپ کے شاہیر علامہ کی ساری اگڑ بھٹی جاتی تو معلوم ہو جائے، کہ یورپ کا قابل ترین حصہ ہرگز اس خیال کو تسلیم نہیں کرتا، اس نے ان تین مصنفوں کے اقوال کے مقابلہ میں جیوون اقوال پیش کیے ہیں، اور ان لوگوں کے، جو آج یورپ میں موجودہ مذہب کے مجدد، بہترین مصنف، اور فلسفہ حسی کے مشہور عالم تسلیم کیے جاتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ،

۷ جب ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ میں عورتیں اس کوشش میں مصروف ہیں کہ مردوں کے تسلط سے

مسل کر بالکل آزاد ہو جائیں، اور جو کو سبھا اور عقلا ان کے برابر ثابت کر دیں، تو یہ کھجفت انفسوں نے مانج

اور یہ افسوس اُسوقت اور زیادہ بڑھ جاتا ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ خیال مغربِ تعلیم کے ذریعہ

مغربی مشرق کی طرف قدم بردھار ہا ہے، اور بعض نادان اور سادہ لوح اُس کی ظاہری صورت پر

فریفتہ ہو کر اس کے خیر مقدم کا سامان کر رہے ہیں، اس لیے ہم اس فصل میں قطعی دلائل پیش

کر کے ثابت کرنا چاہتے ہیں، کہ عورتوں کی مفروضہ آزادی کا خیال، اور مردوں کے تسلط سے

نکلنے کا خط، حالات کے اقام میں سے ایک قسم ہے، جس کا پورا ہونا ناممکن، اور محض ناممکن

ہو، اس خیال کی کامیابی کے لیے جو شخص کوشش کرتا ہو، اس کی مثال اُس مہجون کی ہے کہ

۱۵ دیکھو ملاۃ المجدیہ - قاسم ابن بک ۱۲

٥٢ المرقاة المجديده ١٢

جس کے سر میں قرآن میں نہ رکے تغیر و تبدل کا سودا سا جملے اور وہ اپنی جہد و کوشش میں مبتلا

اور انہی بات کے لیے صرف کرتے ہیں

اس کے بعد مرد و عورت کے جسمانی اور دماغی اختلاف پر بحث کی ہو، اور آخر الذکر کے طبعی ضعف کو علمائے تشریح اور فزیالوجی کی تحقیقات سے ثابت کیا ہو، ہم ان تمام اقوال و آراء کا خلاصہ ترتیباً بیان درج کرتے ہیں، سب سے پہلے عورت کے جسمانی ضعف پر نظر ڈالو، اور غور سے دیکھو کہ قاسم امین بک اور اس کے ہم خیال لوگوں کا دعویٰ مساوات کہاں تک صحیح ہو؟

(۱) علم تشریح کی تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہو، کہ مرد کی جسمانی حالت عورت کی نسبت بہت زیادہ قوی ہو، یہ جسمانی اختلاف محض قیاس و ظن پر مبنی نہیں ہو، بلکہ اس یقینی درجہ تک پہنچ چکا ہو جس کو تسلیم نہ کرنا نشاہات اور عروسات کا انکار کرنا ہو، اسی جسمانی اختلاف کی بنا پر یورپ میں بعض علمائے تشریح عورت کو موجودہ زمانے کے ترقی یافتہ مرد کا حقیقی مقابل تسلیم نہیں کرتے، ان کا خیال ہو، کہ عورت اس قدیم دنیا کی یادگار ہو، جب انسان ابتدائی حالت میں تھا، اور اسکے قولے جسمانی و عقلی اپنے پہلی درجہ تک نہیں پہنچے تھے انسان کی مزا سمجھنے اس دنیا کو برباد کر دیا، اور اس زمانے کی عورتوں پر غلبہ حاصل کر لیا، انھیں کی نسل سے یہ عورتیں ہیں، (انسائیکلو پیڈیا - لفظ عورت)

(۲) انیسویں صدی کی انسائیکلو پیڈیا کا مصنف لفظ عورت پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

”مرد و عورت میں اعضاء تناسل کی ترکیب صورت کا اختلاف، اگرچہ ایک خاص اختلاف نظر آتا ہو،

لیکن صرف یہی ایک اختلاف نہیں ہو، عورت کا تمام اعضاء سب سے بڑے تک مرد کے اعضاء

مختلف ہیں، بیان بک کہ وہ اعضاء بھی، جو بظاہر اثر و اثر الذکر سے بے حد مشابہ نظر آتے ہیں،

پھر علم تشریح کی تحقیقات کے موافق عورتوں کے اعضاء پر نہایت دقیق بحث کی ہو، اور تمام بحث کا

خبر میں یہ نتیجہ نکالا ہو۔

”حقیقت عورت کی جسمانی ترکیب قریب قریب بچے کی جسمانی ترکیب کے واقع ہوئی ہو، اس لیے

لہ المرأة اصلہ من غریب

تم دیکھتے ہو کہ بچے کی ہر عورت کا بھی حاشہ ہر قسم کے اثر سے بہت جلد اور بہت زیادہ متاثر ہو جاتا ہے۔ بہت فائدہ ہے کہ اگر کوئی بچہ اور افسوس کا واقعہ پیش آئے، تو فوراً روک لگتا ہے، اگر کوئی خوشی کی بات ہو، تو بے انتہاء ہر کر اچھلنے کودنے لگتا ہے۔ قریب قریب یہی حال عورت ہے کہ بہ نسبت مرد کے بہت زیادہ اس قسم کے جذبات سے متاثر ہوتی ہے، کیونکہ یہ جذبات اس کے اندر اس طرح اثر دیتے ہیں کہ نقل کو ان سے نکلنا نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ انہیں احتیاط لینا ہوتا، ورنہ اسی سے سخت و خفاک موقعوں پر عورت ثابت قدم نہیں رہ سکتی۔

(۳) علمی تجربے سے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کی عمر کا اوسط مرد کی عمر کے اوسط سے بارہ سنی بہتر کم ہے۔ فرق کسی خاص ملک یا قوم سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ جس طرح وشی اقوام میں پایا جاتا ہے اسی طرح تمدن ممالک میں بھی پایا جاتا ہے۔

(۴) ہر طرح عمر کے اوسط میں اختلاف پایا جاتا ہے، اسی طرح جسم کے وزن اور نقل میں بھی اختلاف ہے، مرد کے جسم کا متوسط نقل بتالیس کیلو ہے، مگر عورت کے جسم کا متوسط نقل بیالیس کیلو اور نصف کسی حالت میں زیادہ نہیں ہوتا، یعنی عورت کے جسم کا نقل و نقل سے پانچ کیلو کم ہوتا ہے۔

(۵) عضلات کے حجم تو بڑے خانہ سے بھی عورت مرد کا مقابلہ نہیں کر سکتی، ڈاکٹر و فارسی انسانیکلو میڈیا میں لکھتا ہے کہ

”مجموعی حیثیت سے اگر دیکھا جائے، تو عورت کے جسم کے عضلات، مرد کے عضلات سے اس میں مختلف ہیں اور حجم تو بڑے خانہ سے اول الذکر کے عضلات اس قدر ضعیف ہیں کہ اگر انکی طبیعی قوت کے تین حصے کیے جائیں، تو دس حصے قوت مرد کے حصے میں آئے گی، اور صرف ایک حصہ قوت عورت میں ثابت ہوگی، عضلات کی حرکت کی سرعت اور ضبط کا بھی یہی حال ہے، مرد کے عضلات جسمی عورت کی نسبت حرکت میں زیادہ تیز اور اپنے فعل میں زیادہ قوی ہیں“

(۶) قلب، جو انسانی زندگی کا اصلی مرکز ہے، اسی طرح اسی میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، علمی تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ عورت کا قلب، مرد کے قلب سے ساٹھ ڈرام چھوٹا اور نصف ہوتا ہے۔

(۷) قوت تنفس کے لحاظ سے بھی عورت اور مرد میں عظیم الشان اختلاف ہے، مرد ایک گھنٹہ میں تقریباً گیارہ ڈرام کاربون ایسڈ صرف کرتا ہے، اور عورت ایک گھنٹہ میں چھ ڈرام سے بھی کچھ کم صرف کر سکتی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کی طبعی حرارت، مرد سے بدرجہا کم ہے۔
 یہ تمام تحقیقات، اور اقوال عورت کے جسمانی ضعف کو کن قطعی دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں، تمام این کے دعوے مساوات پر کس قسم کا اثر ڈالتے ہیں؟ اس کا فیصلہ ناظرین کے طبع سلیم پر چھوڑ کر اب ہم اس سلسلے کے دوسرے پہلو پر متوجہ ہوتے ہیں، اور عورت اور مرد کا معنوی اختلاف، اور اول الذکر کا داعی ضعف وضاحت کے ساتھ دکھلاتے ہیں۔

(۱) مشہور اشترکی غلامی علامہ پروفیسر ڈاکٹر ابوبکر بنی کمال نظامین لکھتا ہے کہ
 اور مرد کا وجدان، بقا بلکہ مرد کے وجدان کے، اسی قدر ضعیف ہے، جس قدر اس کی عقلی قوت
 مرد کی قوت عقلی کے مقابل میں ضعیف نظر آتی ہے، اس کی اخلاقی قوت بھی مرد کے اخلاق سے اہل
 مختلف ہے، اور ایک دوسری قسم کی طبیعت رکھتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جس چیز کے تشنہ قیچ کے
 متعلق وہ سبے قائم کرتی ہے، وہ ہر نسبت مرد کی سبے کے، عموماً ناقص ہوتی ہے، * * * * *
 پس عورت اور مرد میں عدم مساوات، کوئی عارضی امر نہیں ہے، بلکہ عورت کی طبعی خاصیت
 پر مبنی ہے،

(۲) حواس خمسہ، جس پر انسان کی عقلی اور مافی نشوونما کا دارومدار ہے، اس میں بھی سخت اختلاف
 پایا جاتا ہے، علامہ نیکولس اور علامہ ویلیام نے ثابت کر دیا ہے، کہ عورت کے حواس خمسہ مرد کے حواس
 سے ضعیف ہیں۔

(الف) عورت کی قوت شناس کی طاقت یہ امر ہے، کہ وہ دوسرے علمبرداروں کی خوشبو محسوس کر سکے، جنکا
 ہلکے، اگر اس کی قوت شائستہ قوی ہے، اور وہ نہایت آسانی سے محسوس کر سکتا ہے۔

(ب) اسی طرح تجربے سے ثابت ہو چکا ہے، کہ عورت براہ راست ایسڈ کی بویہ کی نسبت، اور مرد
 سے محسوس کر سکتا ہے، جو ضعف قوت کے تین دلیل ہے۔

(ج) ذوق اور سمع کا ساتھ بھی عورت مرد کا بہت زیادہ قوی ہے، اس کے لیے کسی تشبیہ دلیل کی ضرورت نہیں، لہذا یہ بخلاؤ پڑھنے کے لیے تفسیر کر دی ہے، کہ

۔۔۔ اسی صنعت کا نتیجہ ہے کہ طعام کی عملی اور بہترگی کے پیمانے ملنے اور اس کے پرکھنے واسطے، اور بیاد کی اگر ان کے نقاد کل کے کل مرد ہیں، ایک عورت بھی خود کون قانون میں بالکل ثابت نہیں لیا۔

(د) قوت نامہ کے متعلق علامہ لومبروز اور سیرجی وغیرہ استادوں کی متفقہ تحقیق ہے کہ عورت میں یہ قوت مرد کی نسبت بہت ضعیف پائی جاتی ہے، انکی محققانہ دلیل یہ کہ جن آلام اور تکالیف کی عورت تحمل ہوتی ہے، مرد اس قدر نہیں ہو سکتا، یہ ظاہر فرق بتلا ہے، کہ مرد کی نسبت عورت کی قوت احساس ضعیف بلکہ ضعیف ہے، علامہ لومبروز کے اصلی الفاظ یہ ہیں۔

دھمل اور وضع کی شدید تکالیف پر نظر ڈالو، اور دیکھو، کہ عورت دنیا میں کیسے کیسے آلام اور مصائب کی تحمل ہوتی ہے، اگر مرد کی طرح اس کا احساس قوی ہوتا، تو ان تمام سختیوں کی کینہ کمر نہ کھول سکتی،

(۳) قوت اور اک کا اصلی مرکز انسان میں بھیجا ہے، اسی کی کمی اور بدملوثی، اور ضعف قوت اور اک کی تیزی اور سستی کا دار و مدار ہے، لیکن جب علم سانی کو لوشیا کے تجارب کو پیش نظر رکھ کر ہم غور کرتے ہیں، تو اس میں بھی عورت ضعیف تر ثابت ہوتی ہے، علم نہ کرنے ثابت کر دیا ہے، کہ عورت کے جسم اور مرد کے جسم میں مادہ اور سکلا سخت اختلاف ہے، مرد کے جسم کا واسطہ، عورت کے جسم سے سو ڈرام زیادہ ہے، اگر کوئی اس کے جواب میں کہے، کہ یہ دیوانہ عورت

۔۔۔ سانی کو دیکھا، کا عربی ترجمہ مصنف نے، علم النفس بالتجارب ملایا ہے، یہ وہ علم ہے جس سے انسان کے نفس اور دماغ کی اصلی ہیئت معلوم ہوتی ہے، دیکھو چہ بزرگ شری مصنف ۱۲۵

مصنف نے دماغی اختلاف پر بحث کرتے ہوئے، دماغ کے وزن اور تنج کے اختلاف پر قصداً ماسہ اور جو نہیں کی ملاحظہ فرمائی، دماغ کی بنا اسی اختلاف پر ہے۔ دماغ کے وزن کا اختلاف ہم آگے چل کر دکھائیں گے، لیکن ابھی کی بحث میں تنج کے اختلاف کو بھی دیکھیں، یہ صراحۃً تفسیر میں دماغ کے آخری حصے کو تنج کہتے ہیں، مرد کا دماغ میں تنج کے ساتھ تنج کی نسبت ۱۵ اور دیکھو، کہ بت ہوتی ہے، کہ دماغ میں زیادہ سے زیادہ ۱۵ اور دیکھو، کہ بت ہوتی ہے، کہ تنج دماغ کا ان اجزاء میں سے ہے، جسکی حتمی زیادتی پر عقل اور فکری تیزی اور عملگی کا دار و مدار ہے، دیکھو التوضیح فی اصول التفسیر صفحہ ۴۲۲ ۱۲

اور مرد کے جسمانی اختلاف پر مبنی ہو، تو یہ بھی غلط ہو، کیونکہ یہ تحقیق ہو چکا ہے کہ مرد کے بچنے کی مقدار، اسکی جسمانی حالت سے وہ نسبت رکھتی ہے، جو چالیس کے صد کو ایک ہوتی ہے، مگر عورت کا بھیجی اسکی جسمانی تناسب چوالیس اور ایک کی نسبت رکھتا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر عورت کے بھیجے کی کمی جسمانی ضعف پر مبنی ہے، تو مقابلاً اسے اختلاف کیوں پایا جاتا ہے؟

اسی طرح پنجیس کے اس جوہر میں، جو قوتِ ادراکی کا نقطہ حقیقی ہے، محسوس اختلاف پایا جاتا ہے، قاسم امین بک اس تشکیبی اور فزیا لوجی اختلاف سے بے خبر تھا، اُس نے اُمّی کے ایک مصنف سے تجارز کے قول سے استشہاد کو کے پہلے سے پیش بندی کر دی، وہ لکھتا ہے، کہ

”ساین شک نہیں کہ اچھل عورت موسے سے حیثیت میں کم نظر آتی ہے، لیکن ہر کو اس امر پر بھی غور کرنا چاہیے کہ یہ اُس کا طبعی اور خلقی ضعف ہے، یا تربیت کی غلطی، اور مدت کی غلطی

نے اسکو اس ادنیٰ حالت پر پہنچا دیا ہے؟“

پھر سے تجارز کی رائے نقل کی ہے، کہ

”در سب بڑا فرق جو مرد اور عورت کے دماغی قوی میں پایا جاتا ہے، اسکی وجوہ حالتِ غلامی ہے، جس میں

ایک زمانہ اور اسے عورت محیط ہے۔“

عام طبیعتیں، ممکن ہے کہ اس اعتراض کے رعب میں آجائیں، لیکن فرید وجدی پراسکا جادو کارگر نہیں ہو سکتا، فزیا لوجی، اور ”علم النفس والقول“ کے محققانہ اصول اس کے پیش نظر تھے، اُس نے ایک سیدھی سی بات پیش کر کے ثابت کر دیا، کہ یہ اعتراض بھی رافعت کے لیے کافی نہیں، چنانچہ وہ لکھتا ہے، کہ

”در ممکن ہے کہ ایک شخص ان تمام لائق ترقی کو دیکھ کر یہ اعتراض کرے، کہ جو دماغی اختلاف تھے

ثابت کیا ہے، وہ نتیجہ ہر مردوں کے تسلط، جبر و ظلم، اور بے رحمی کا ایک زمانہ اور اسے عورتیں

حالتِ غلامی میں زندگی بسر کر رہی ہیں، اور تہذیب و شائستگی، تعلیم و تمدن سے، جو عقلی

قوت کی نشوونما کا باعث ہوتا ہے، قطعی محروم ہیں، اگر ان کو ایک طویل طریقہ ملنے تک اس کا

مستحق پایا جائے، کہ وہ مردوں کی طرح تعلیم و تائیکلی حاصل کریں، اور قوائے عقل کے رنگ کے دور
 کو پہلی ترقی عجیب ہو، کہ انکے داغی قوی تائی کو کہ مرد کے قوی کے سادہی بجا میں، اور نہضت
 میں ان دونوں حصوں میں بالامتیاز قرار دیا جاتا ہے، مفقود ہو جائے، لیکن حقیقتاً اعتراض
 بھی پایہ ثبوت تک نہیں پہنچ سکتا۔

اول تو وہ نمونہ، جو ایک شاندار از سے حالت و مشیت میں زندگی بسر کر رہی ہیں، اور جنکا
 روحانہ دنیا کے مختلف حصوں میں موجود ہے، اس اعتبار سے انکی غلط پریشانہ میں انین کرنا
 اور تمدن نہیں ہو، تو کسی ایک جنس میں نہیں ہو، بلکہ دو عورت، دونوں میں نہیں ہو، اگر نہیں
 وحشت پائی جاتی ہے، تو مرت عورتوں میں جن میں پائی جاتی، بلکہ مرد اور عورت دونوں میں
 پائی جاتی ہے، پھر اگر یہ اعتراض صحیح ہو، تو اس کی کیا وجہ ہو؟ کہ جسمانی اور داغی قوی تمدن
 مالک کی طرح، ان میں بھی باہم پایا جاتا ہے؟ کیا افریقہ کی وحشی قوموں نے بھی عورتوں کو
 تعلیم اور تائیکلی سے محروم کر رکھا ہے، کیا وحش کے ساتھ انہیں بھی یہ امتیاز پایا جاتا ہے؟
 دوم یہ کہ اگر اختلاف مردوں کے تمدنی مشاغل میں عدم مشارکت کا نتیجہ ہے، اور اس امر پر
 مبنی ہے، کہ مردوں کے تسلط سے عورتوں کو آزادی نصیب نہیں ہوتی، تو سوال یہ ہے،
 کہ وحشی اقوام میں یہ فرق کسی بنا پر پایا جاتا ہے، یا ظاہر ہے، کہ مالک حاکم کے رہنے والے
 وحشی اقوام میں، مردوں کی طرح عورتیں بھی بالکل آزاد اور مستقل ہیں، یہاں تک کہ تمام خارجی
 کام بھی مثل زراعت اور آبپاشی وغیرہ کے عورتیں ہی کیا کرتی ہیں؟ پھر تمدن مالک کی طرح
 یہ داغی اور جسمانی اختلاف ان اقوام میں کیوں پایا جاتا ہے؟

ایک عجیب بات یہ ہے، کہ اگر قویۂ اعتراض کیا جاتا ہے، کہ عورتوں کی گذشتہ وحشی
 ان کے جسمانی اور داغی قوی کو ضعیف کر دیا، اور ادھر یورپ کے بعض مصنفین کا یہ
 خیال ہے، کہ تمدن کی ترقی، عورت اور مرد کے اختلاف کو آؤ زیادہ کر رہی ہے، اس کی کوئی دلیل

مصنف لکھتا ہے: مرد اور عورت کا اختلاف تمدن کی ترقی سے اور زیادہ بڑھ رہا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ مرد اور عورت کا جسمانی اور دماغی اختلاف ایک طبعی اختلاف ہے جسکی کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی، فرض کر لو کہ تشریح اور فزیالوجی کی یہ تمام دقیق بحث سر سے پڑک غلط ہے۔ یہ بھی تسلیم کر لو کہ اگر اختلاف پایا بھی جاتا ہے، تو صرف اسی حد تک، جس حد تک فیزیائی اثرات نے عورتوں کو ضعیف کر دیا ہے لیکن اسکا کیا جواب ہو سکتا ہے کہ حیوانات اور نباتات کی طبعی حالت بھی اس اختلاف کی صاف صاف شہادت دے رہی ہیں! صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ جہان تک کیمسٹری کی علمی تحقیقات اور تجارب نے پتہ لگایا ہے، جمادات بھی اس اختلاف سے محفوظ نہیں، عود، حرمہ اور کیک کے درختوں میں جہان نر اور مادہ کا امتیاز ثابت ہوا ہے، وہاں یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ نر درخت کو مادہ درخت پر طبعی قوت کے لحاظ سے فوقیت حاصل ہے حیوانات میں نر کو جو تسلط، اور غلبہ اپنی مادہ پر ہوتا ہے، اسکے لیے علمی دلائل کی ضرورت نہیں روزانہ شاہدہ کافی ہے، نر اپنی مادہ کی خبر گیری اور حفاظت کرتا ہے، حمل کے زمانہ میں اس کو آرام سے رکھتا ہے خود پر اسکو ترجیح دیتا ہے، نسبتاً زیادہ محنت کرتا ہے، اس سے زیادہ یہ کہادہ سے نر کا تدفین عامتہ عموماً زیادہ ہوتا ہے، تشریح نے ثابت کر دیا ہے کہ نر کے جسمانی قوی، خارجی اور داخلی اعضا، مادہ سے بہت زیادہ قوی ہوتے ہیں، طلب کا محققانہ اصول ہے کہ مادہ کی نسبت، نر کا گوشت زیادہ قوی اور زیادہ طاقت بخش ہوتا ہے، کیا یہ تمام باتیں اس امر کا بین ثبوت نہیں ہیں، کہ مخلوقات میں جنس اناث اور جال کا اختلاف، خارجی اثرات کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ خود فطرت نے جسم و دماغ تقسیم کرتے ہوئے عورتوں کو مرد سے کم حصہ بخشا ہے، فیزیالوجی نے جس قدر دلائل پیش کیے ہیں، اگر وہ ثبوت دعویٰ کے لیے کافی سمجھے جائیں، تو ابھی ادا بیسیوں اختلاف دکھائے جاسکتے ہیں۔

فزیالوجی کا یہ مسلم اصول ہے کہ انسان کی عقلی قوت و ضعف کا خستہ دماغ ہے، احمقوں اور بیوقوفوں کا دماغ، مشاہیر عقل کے دماغ سے بالکل مختلف ہوتا ہے، تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ جو لوگ زندگی میں احمق اور لاعقل مشہور تھے، جب انکے دماغ کو وزن کیا گیا، تو کیسے ادا قیہ سے کسی حالت میں زیادہ

۱۲ فصل سوم صفحہ ۱۲

مستقیم نہیں ہوا، لیکن جن لوگوں کی عقل کی تیزی، ذہن کی سرعت، خیال کی بلندی عام طور پر مسلم تھی، ان کے دماغ تو بے گئے، تو سائنس اوقیہ سے بھی وزن میں متجاوِز ثابت ہوئے، یہی وہ قوائے عقلیہ کا رشتہ ہے، جس میں زیادہ عورت کے کئی درجہ بڑھا ہوا ہے، مرد کے دماغ کے وزن کا اوسط تمام طور پر ۱۴۱۰ اوقیہ ہے، اور عورت کے دماغ کا وزن صرف ۱۲۰۰، دوسرا اٹھتے مردوں کے دماغ وزن کیے گئے، تو سب سے بڑے دماغ کا وزن ۱۶۰۰ تھا اور سب سے چھوٹے دماغ کا وزن ۱۰۰۰۔ اوقیہ ثابت ہوا، لیکن جب دوسوا کا نوے دماغ عورتوں کے وزن کیے گئے، تو سب سے زیادہ وزنی دماغ ۵۲۰۰ اوقیہ کا اور سب سے کم وزنی دماغ ۳۱۰۰ اوقیہ کا نکلا، کیا اختلاف اس امر کا بہترین ثبوت نہیں ہے، کہ عورت کے عقل قوی، مرد کے قوی سے برابر یا ضعیف ہیں، دماغ جو قوی عقل کا اصلی مرکز ہے، جب اس کا یہ حال ہے تو پھر عورتوں کا یہ دل گردہ کہاں، جو مردوں کی برابری کا دعویٰ کر سکیں؟ - ۹۔

لیکن آؤ، دل اور گردون کا بھی استخوان کرلین، فزیالوجسٹ جماعت کا اس تحقیق پر اتفاق ہے، کہ مردوں کے دل کا وزن دس سے بارہ اوقیہ تک ہوتا ہے، اور عورت کے دل کا وزن زیادہ سے زیادہ چار اوقیہ اور نہ عام اوسط اٹھ اوقیہ ہے، اس فرق کو جسمانی اختلافات سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ مرد کے دل کو اس کے جسمانی قوت سے، ایک، اور ایک سو اٹھ کی نسبت ہے، مگر عورت کا دل تمام جسم سے وہ نسبت رکھتا ہے جو ایک سے ایک سو اٹھ سے ہوتی ہے۔

گردون کے وزن میں مرد اور عورت اس قدر مختلف ہیں، کہ سخت حیرت ہوتی ہے، مرد کے گردون کا وزن چھ اوقیہ سے ساڑھے چھ اوقیہ تک تحقیق ہوا ہے، مگر عورتوں کے گردون کا وزن زیادہ سے زیادہ نصف اوقیہ! ورنہ عموماً نصف اوقیہ سے بھی کسی قدر کم!۔

جو لوگ یورپ کی معمولی سی معمولی آواز کو بھی وحی الہی سمجھتے ہیں ان کے لیے قائم امین باب کا پیر کے

۱۰۔ التوضیح فی اصول التشریح منقولہ، ۱۰۰ کا بیان کہ اگر وہ علو و ثبوت پر ذمہ تشریح و تزیل کی مستحق تھی تو یہ تشریح میں اس سے بہتر کوئی کتاب بھی نہیں لکھی گئی، پہلی مرتبہ مصر میں چھپی، پھر ترمیم و تہذیب کے بعد بیروت کے شائع ہوئی، بیروت کا ایڈیشن ۱۲۶۰ھ

دو تین قولوں کو پیش کر دینا، یہ حکم رکھتا ہے، کہ اس کے لگے اطاعت کا سرفراہی کا دین، اس لیے ان تمام مایوں کے پیش کرنے کے بعد فرید وجدی نے انکے بھی قلعی کھول دی، اور بتلادیا، کہ ان شیعہ اقوال کے مقابلہ میں، جو آزادی کی مخالفت کر رہے ہیں، سے تجاوز اور فرس تو کی شخصی رائیں، ہرگز وقعت کی نظر سے نہیں دیکھی جاسکتیں، چنانچہ لکھتا ہے، کہ

”جو اقوال پہنے پیش کیے ہیں، وہ ان لوگوں کے ہیں، جو آج یورپ میں شاہرہ نظامدین تسلیم کیے جاتے ہیں، یعنی جابجا انسا ئیکلو پیڈیا کے اقوال سے ہستہا کیا ہے، اور انسا ئیکلو پیڈیا علوم عصریہ کا خطر، اور انیسویں صدی کے اعظم اور کبار علما کی مایوں کا خلاصہ ہے، اس کے مقابلہ میں سے تجاوز وغیرہ کے اقوال و منہات لکھتے ہیں، جو قول احاد کو جھوٹی رکے سے ہوتی ہے“

عورت میں اس تمام تشریحی ضعف کے ساتھ افعال اور ہیجان کی قوت، مرد سے بہت زیادہ ہے، اور یہی ایسی چیز ہے، جس میں عورت کا پدر مرد سے بڑھا ہوا ہے، لیکن افسوس ہے، کہ اس قوت سے بھی عورت کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی، کیونکہ ہیجان اور احساس کی زیادتی کا نتیجہ یہ ہے، کہ عورت عقلی دائرے میں بے گور زیادہ، نہ کام ہو گئی ہے، چنانچہ فرید وجدی نے انسا ئیکلو پیڈیا سے پروفیسر دو فارینی کا قول نقل کیا ہے، کہ ”یہ اختلاف، ان دونوں جنسوں کے ظاہری تمیزات سے بالکل مطابق ہے، مرد میں کاؤٹم، اور ماداک کا مادہ زیادہ ہے، اور عورت میں افعال اور ہیجان کا جذبہ بڑھا ہوا ہے“

ایک اور مشہور مصنف علامہ تروسیہ ہیجان کی زیادتی سے عورت کے طبعی ضعف پر استدلال کرتا ہے، اس کے اصلی الفاظ یہ ہیں۔

”عورت کے عصبی ضعف کا نتیجہ یہ ہے، کہ تم اس کے مزاج میں وہ نسبت زیادہ ہیجان پاتے ہو، اور اس کی وجہ اپنے طبعی نظریہ حمل، وضع اور انواع کی طرف اس کو مختلف قسم کی تکلیفوں، اور خطرات ہیں الہی ہے“

ابوالکلام آزاد دہلوی

تدوہ - لکھنؤ

المراة المسلمة صفحہ ۱۷۱

المراة المسلمة صفحہ ۱۷۲

علمی خبریں

انگلستان میں جنون۔ یورپ، اور یورپ میں بالخصوص انگریز، حفظانِ صحت کا یہ خیال رکھتے ہیں، اور علوم و تمدن کی ترقی نے جو اسبابِ صحت، اور حفاظت کے مہیا کر دیے ہیں، ان سے پورے طور پر منتفع ہوتے ہیں، لیکن یہ ایک عجیب بات ہے، کہ باوجود اس ممتاز خصوصیت کے انگلستان میں دیوانوں کی تعداد روز بروز ترقی کر رہی ہے، سن ۱۹۰۱ء میں جو تعداد سرکاری طور پر شہر کی گئی ہے، ایک لاکھ اسی ہزار آٹھ سو اسی تیس ہے، جب ہم اس تعداد کو انگلستان کی عام مردم شماری کے مقابلہ میں لکھتے ہیں، تو واسطہ طور پر ہر دو سو پچاسی آدمیوں کے بعد ایک آدمی دیوانہ ثابت ہوتا ہے، حالانکہ دس سال پہلے عام واسطہ تھا، اور اس سے پیشتر اس سے بھی کم انگلستان کی طبی جماعتوں نے جب اس خوفناک ترقی کے اسبابِ تلاش کیلئے توجہ و توجہ کے بعد دو جین ثابت نہیں پہلی وجہ یہ ہے، کہ انگلستان میں شراب نوشی کی عادت روز بروز بڑھ رہی ہے، شراب کا اصل جزو کھل ہے، اور کھل و مانی قوت کے لیے سم قاتل ہے۔

دوسری وجہ، انگلستان کے اس مظلوم طبقہ کی ذلیل اور غلیظ معاشرت ہے، جو تمدن و علوم کے مرکز میں رہ کر تمدنی آسائش سے قطعی محروم ہے، انگلستان میں فقر اور سائلین کا گروہ نہایت وسیع ہے، ان دنوں کا ایک ہزار حصہ، انھیں آوارہ گردانہ مستون سے بھرا ہے، رات کو خوفناک سردی سے بچنے کے لیے نہ کسی ڈیوڑھی کی قیاضی، انھیں ایک پُرانا کپڑا ملتا ہے، نہ تین گھنٹہ سونے کے لیے کسی راحت لارڈ کی ڈیوڑھی جگہ دیتی ہے، ہر روزی نوع انسان کی محبت، اپنا بے جنس پر رحم، یورپ کے وہ جذبات ہیں، جو یا تو ترک کی محکومیتیں نکش چکے ہیں، یا ان کو آزادی دلائے کے لیے حرکت میں آتے ہیں، یا مشنریوں کے مقدس گروہ کی دہائی مخالفت

ہر ایک مظلوم بھائیوں کو عیسائی بنانے کے لیے ظاہر ہوتے ہیں، مگر خود اراکھ کو متاثر نہ کیا گیا ہے، جو ہزاروں میل کے فاصلہ پر ٹرمی میں دکھلائے جاتے ہیں، یا سمندر پار ایشیا میں۔

یہ وسیع گروہ، چونکہ مجبوراً قابل نفرت حالت میں زندگی بسر کرتا ہے، اس لیے طبعی طور پر مختلف قسم کے عوارض میں مبتلا ہو جاتا ہے، منجملہ ان کے ایک جنون بھی ہے، چنانچہ تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے، کہ دیوانوں میں اکائزے دیولے اسی گروہ کے ہوتے ہیں، گزشتہ سال دو ہزار چھ سو تیس دیوانوں میں دو ہزار پانچ سو چھ دیولے نافذ دست اور قیصر تھے۔

ہر سال دیوانوں کی مجموعی تعداد کے ساتھ فرداً فرداً یہ بھی بتلایا جاتا ہے، کہ کن کن عوارض اور اسباب کے دیوانوں سے یہ تعداد پوری ہوئی ہے، اسلئے اہم سے اہم اسباب کے پانچ سالوں کی مجموعی تعداد میں مندرجہ ذیل اسباب سے خاص خاص تعداد کے دیولے دریافت ہوئے۔

داغی عوارض	مرد	عورت
(۱) خانگی پچیدگیوں اور صدمات	۳۶	۸۸
(۲) خلاف توقع ناگہانی کے صدمے	۵۶	۳۵
(۳) قوی عقلی کو بوجہ محنت میں ڈالنے سے	۵۵	۵۹
(۴) مذہبی اثرات سے	۱۱	۱۶
(۵) عشق کے صدمات سے	۵	۱۹

جسمانی عوارض

(۶) کثرت استعمال مسکرات سے	۲۲۷	۹۷
(۷) آفتاب کی حرارت کے صدمے سے	۱۳	۱
(۸) ناگہانی صدمات سے	۴۳	۸
(۹) بخار کی شدت سے	۱۲	۸

۹	۹	(۱۰) بیہوش کی شدت سے
۸۵	۷۱	(۱۱) بڑھاپے سے
۱۳۱	۱۳۰	(۱۲) مختلف طبی امراض سے
۲۴۹	۱۸۸	(۱۳) خاندانی اثر وراثت سے

اس جدول میں سب سے زیادہ تعدد نمبر (۶)، (۱۲) اور (۱۳) کی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے، کہ شراب نوشی اور زنا کاری کی کثرت، جنون کی زیادتی کا اہم ترین سبب ہے۔

اکھل - اکھل ایک سُکراوہ کلام ہے جو شراب کا جزو اعظم ہے، اس بنا پر شراب کی سبب سے بڑی بیماری بیان کی جاتی ہے، وہ فی الحقیقت کھل کی مضرتیں ہیں، شراب کے علاوہ کھل مختلف امراض کی دوائیوں میں شامل کیا جاتا ہے، ایسے کچھ عرصہ پہلے عام خیال یہ تھا، کہ شدت ضعف کی حالت میں مریض کو فوری تقویت پہنچانے کے لیے، اور اعضا میں چستی پیدا کرنے کے لیے کھل سے زیادہ کوئی چیز مفید نہیں، لیکن آج کل شراب کی مضرتیں یورپ میں اس درجہ مسلم ہو گئی ہیں، کہ ایک نئی جماعت مرض کی حالت میں بھی کھل کا استعمال جائز نہیں رکھتی، اس جماعت کے مقابل میں قدیم رے کی جماعت بھی موجود ہے، جو کھل کی مضرت کو تسلیم نہیں کرتی، حال میں لندن کے محکمہ طبیہ کے سکریٹری، ڈاکٹر ڈوسن بیرنس نے اس اختلاف کے متعلق ایک محققانہ مضمون شائع کیا ہے، اور ثابت کیا ہے، کہ جو لوگ شراب کے مصلی جزو کھل کو عام طور پر یا بعض حالتوں میں مفید قرار دیتے ہیں، وہ سخت غلطی پر ہیں، کیونکہ شراب اور کھل انسان کی جسمانی اور دماغی صحت کے لیے ہر حالت میں مضر ہے، ڈاکٹر موصوف کے مضمون کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

- (۱) یورپ میں عام طور پر یہ خیال پھیل گیا ہے، کہ کھل اکثر امراض کے لیے مفید ہے، مگر صحیح نہیں۔
- (۲) یہ خیال بھی غلط ہے، کہ عصبیات اور عضلات کے انحطاط پر انسان کے لیے کھل مفید ہے۔
- (۳) بعض حالتوں میں دیکھا گیا ہے، کہ شدت ضعف کے موقع پر کھل سے فائدہ ہوا۔ لیکن اول تو اس

نہم کا فائدہ ضرور نہیں، کہ ہر حالت میں ثابت ہو، دوسرے یہ کہ اگر تادصورقون میں ہوتا بھی ہو، تو وہ مایہ
رقعی اثر ہو جس پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا،

آجکل مصر اور قسطنطنیہ میں دو قابل ذکر کتابیں چھپ رہی ہیں۔

(۱) کتاب الفہرست ابن النہیم، مسلمانوں کی قدیم علمی کوششوں کی ایک بڑی نظیر یا دیکار ہو سکتی ہے۔ یہ
نہ اسکا سرخ لکایا اور لیسزنگ کے مشہور عالم پریس میں چھاپکے شائع کیا لیکن چونکہ یورپ کی تمام کتابوں کی طرح اس کی
قیمت بھی بہت گران تھی اسلئے معمولی استطاعت کے علم دوست اشخاص اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے، تاہم
نہایت مسرت سے نین کے کتاب کی نقل قسطنطنیہ کے ایک تاجر نے چھپوانی شروع کر دی ہو۔

(۲) الاصابہ فی معرفۃ اصحابنا، رجال کی مشہور کتاب جو جسکو علامہ ابن الاثیر نے ایک سادہ سی بکال نے کلکتہ میں
چھپوا کر شائع کیا تھا، اب مصر کی ایک نئی شرکت (کمپنی) اس کی نقل چھاپ رہی ہو، پہلا حصہ عنقریب شائع ہوگا۔

سن رفاہ (سن ۱۹۰۷ء) میں ۱۹۰۷ء، ۱۹۰۸ء، ۱۹۰۹ء، ۱۹۱۰ء، اشاعت علوم و معارف پر انجمن
میں صرف کی گئی۔

بابر نامہ - ایساں و گنس، موجودہ زمانے میں یورپ کا ایک جلیل القدر مشرق (اورینٹ) گدرا ہو جس کی
مشرق کی تین مشہور زبانوں، عربی، فارسی اور ترکی سے خاص طور پر پوچھی تھی، یورپ میں نئے نئے اہم کام معمولی لوگوں
ن شخصیتوں سے انجام پاتے ہوں، اور گنس جو اہل عظیم الشان صورت اختیار کر لیتے ہیں، ایساں و گنس نے جب
سن ۱۸۷۷ء میں انتقال کیا، تو اسکی فیض والدہ نے ایک مقبول رقم اس کام کے لیے وقف کر دی، کیورپ کے منتخب اور فضیل
مشرقوں کی، ایک انجمن قائم کی جائے، جس کا مقصد مشرقی علوم و السنہ کے آثار کی حفاظت ہو، عربی، فارسی اور
ترکی کی لٹریچر، اور نادر کتابوں کا سرخ لکائے، جسکا نام صفحہ روز گار سے سٹ رہا ہو۔ اور تصحیح و تہذیب کے بعد
صاحب کر شائع کرے، غرض تھی، کہ جیسے کی یادگار میں ایک ایسی انجمن قائم ہو جو اس کے مذاق اور پوچھی کے ہر

ہیشہ جاری رکھے چنانچہ اس مہینہ کا نام بھی یادگار الیاس ولکنس رکھا گیا، اور ایک منتخب جماعت اس کام میں بھول ہو گئی۔

اس انجمن کی کوششوں سے اس وقت تک دو کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

(۱) تاریخ طبرستان۔ ۱۷۵۵۳۱

(۲) بابر نامہ۔ ۱۷۵۵۳۱

بابر نامہ سلطنتِ مغلیہ کے بانی بابر شاہ کی سوانح عمری ہے جس کو خود بابر نے چغتائی ترکی میں لکھا ہے۔ اس پر مرتب کیا گیا، اس کتاب کا ترجمہ انگریزی زبان میں شائع ہو چکا ہے، لیکن اصل کتاب ایاب تھی، انجمن کی نے نہایت کوشش سے سرسالا جنگ مرحوم کے کتب خانے کا ایک نسخہ ہم پہنچایا، جو نہایت خوش خط و صیغہ اور قدیم ہے، اور اس کا نقیض عکس لیکر کتاب کو اصل صورت اور وضع میں شائع کیا، یورپ کی مشرقی جماعت مشرقی علوم و آثار کی جرئت کر رہی ہے، اس کا ایک دلی پیمانہ پر نمونہ، اس کتاب کی شاعت ہے۔

بابر نامہ (۲۰۲) صفحوں کی ایک ضخیم کتاب ہے، چونکہ اصل کتاب میں جا بجا مختلف تاریخی واقعات کا ذکر سیکڑوں شہروں اور لوگوں کے نام آئے ہیں، اس لیے (۱۰۱) صفحوں کی ایک مبسوطہ انداز کس طیارہ کے آخر میں ہے، جس سے ہر نام اور ہر واقعہ کا فوراً پتہ تک سکتا ہے۔

حقوق المرأة فی الاسلام۔ احمد بک آجلیٹ ایک مشہور مسلمان روسی مصنف ہے، جس نے اس کے متعلق متعدد کتابیں روسی زبان میں تصنیف کی ہیں، حال میں اس نے ایک نئی کتاب اس عنوان پر شائع کی ہے، جس کا نام ہے "حقوق المرأة فی الاسلام"۔ اس کا عنوان اور ترجمہ بھی؟ اور اسلام نے انکی صلاح اور ترقی کی کیا ضمانت کی؟ اور کیا اس کا حقوق عطا کیے؟ مصر میں اس کا عربی ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے، اور تقریباً بارہ آدمی بھی، جو دختر الملل مصر سے مل سکتا ہے۔

ابوالکلام آزاد دہلوی

دارالعلوم۔ لکھنؤ

